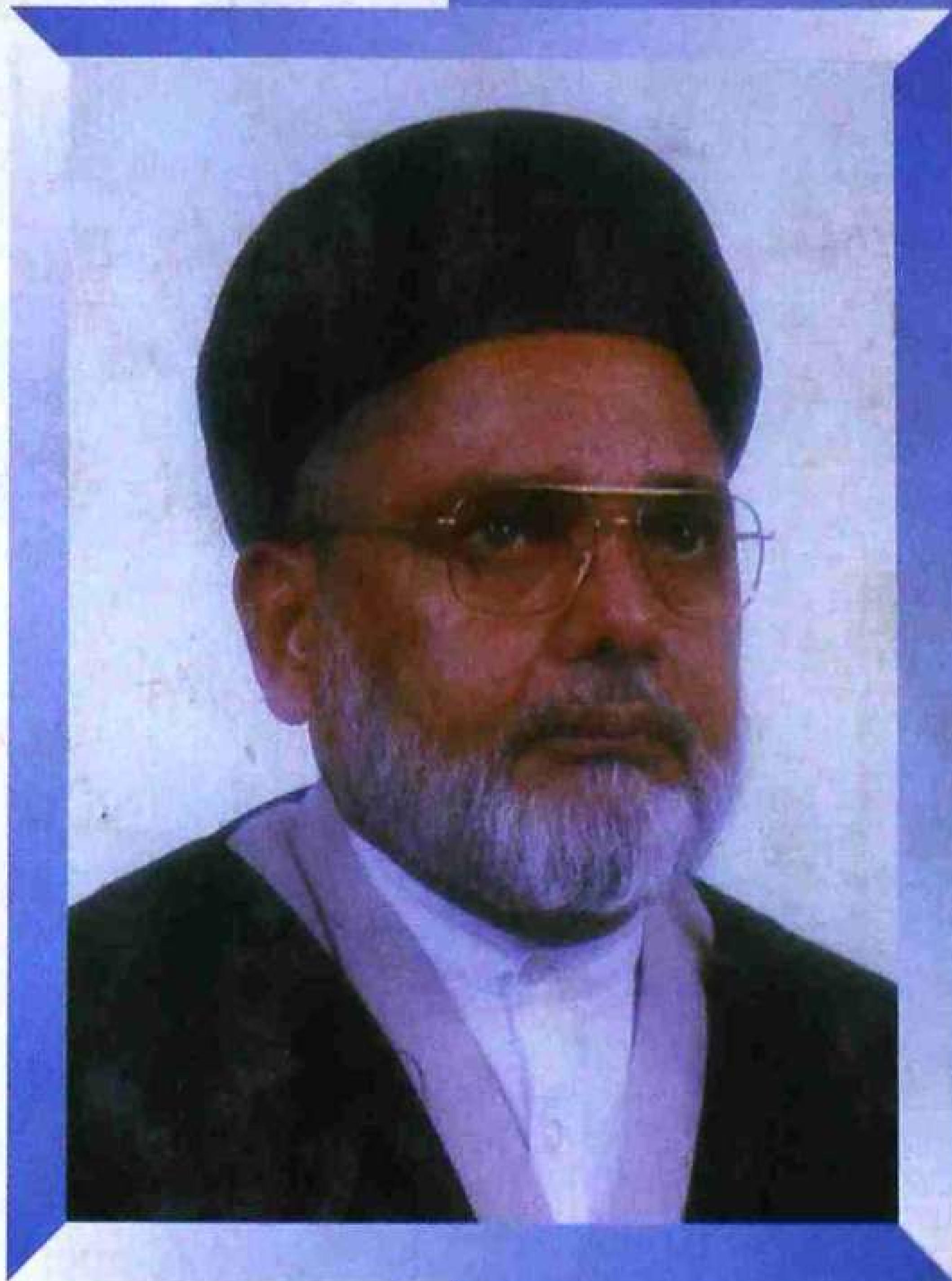
رسالتِ آلہیہ

ذیشان مجالس



علامہ السید ذیشان حیدر جوادی طاب ثراہ

رِسالتِ آلٰہیہ

علامہ السید ذیشان حیدر جوادی اعلی اللہ مقامہ



نام کتاب : رسالتِ آلہیہ

مؤلف : علامہ سید ذیشان حیدر جوادی طاب ثراہ

ناشر : عصمہ پبلیکیشنز کراچی

تعداد اشاعت : 500

تاریخ اشاعت : اگست ۲۰۰۲ء

طباعت : عاصم پرنٹنگ ناظم آباد نمبر ۲ کراچی

سپر ڈیلکس ایڈیشن : پہلا ایڈیشن

ھدیہ : =/100 روپیہ

مشیر قانون : پروفیسر سید سبط جعفر زیدی ایڈوکیٹ

جناب سید شبیر رضوی ایڈوکیٹ (ہائی کورٹ)

سرورق (ٹائیٹل ڈیزائننگ) : سید امتیاز عباس

اسٹاکسٹ

افتخار بک ڈپو۔ اسلام پورہ کرشن نگر۔ لاہور

مکتبہ الرضا۔ ۸ بیسمنٹ میاں مارکیٹ۔ اردو بازار۔ لاہور

رحمت اللہ بک ایجنسی کھارادر۔ کراچی

حسن علی بک ڈپو۔ کھارادر۔ کراچی

محفوظ بک ایجنسی۔ مارٹن روڈ۔ کراچی

عباس بک ایجنسی۔ رستم نگر۔ لکھنؤ

خراسان بک سینٹر بریٹو روڈ۔ کراچی

احمد بک ڈپو۔ رضویہ سوسائٹی۔ کراچی

زیدی بک اسٹال۔ خراسان کراچی

سید محمد ثقلین کاظمی جی 6/2۔ اسلام آباد

محمد علی بک ڈپو دھمیال کیمپ، راولپنڈی

سودے بکس لائبریری اینڈ اسٹیشنرز۔ سکردو۔ بلتستان

مکتبہ علویہ مرکز تبرکات وتحائف رضویہ سوسائٹی کراچی

S. Jawad Haider Rizvi
Principal
JAMIA IMAMIA ANWARUL ULOOM
39, Mirza Ghalib Road, Allahabad - 211 003 • Ph.

سید جواد حیدر رضوی
مدیر جامعہ امامیہ انوار العلوم
۳۹ - مرزا غالب روڈ - الہ آباد -

Residence : D-19, Kareli Colony, Allahabad - 211 016 • Ph.

اجازت نامہ

جناب محترم سید ایوب نقوی صاحب
مدیر عصمہ پبلیکیشنز کراچی پاکستان

سلام علیکم

امید ہے کہ بفضلہ تعالیٰ بخیریت ہوں گے۔

والد علام سرکار علامہ سید ذیشان حیدر جوادی طاب ثراہ سے انکی تصنیفات و تالیفات کو شائع کرنے کیلئے مولانا سید ظفر عباس صاحب قبلہ کی موجودگی میں انکی حیات میں گفتگو ہوئی تھی اس گفتگو کے پس منظر میں آپ کو اجازت دی جاتی ہے کہ والد علام طاب ثراہ کی جملہ تصنیفات و تالیفات کو پاکستان میں شائع کر سکتے ہیں یہ اجازت آپ کے ادارہ عصمہ پبلیکیشنز کیلئے مخصوص و محدود ہے۔

جناب ایوب نقوی صاحب کے علاوہ کوئی دوسرا شخص انفرادی طور پر یا کوئی ادارہ آپ کی اجازت کے بغیر والد علام سرکار علامہ سید ذیشان حیدر جوادی طاب ثراہ کی تصنیفات و تالیفات کو شائع نہیں کر سکتا۔ اگر کوئی صاحب یا ادارہ اسکی خلاف ورزی کرتا ہے تو عنداللہ مسئول ہوگا اور جناب ایوب نقوی صاحب کو قانونی چارہ جوئی کرنے کا مکمل حق حاصل ہوگا۔

والسلام علیٰ من اتبع الہدیٰ
سید جواد حیدر رضوی
ابن علامہ سید ذیشان حیدر جوادی طاب ثراہ
۲۴ دسمبر ۲۰۰۰ء

فہرست

مجلس ۱

اعوذ باللہ من الشیطٰن الرجیم ہ بسم اللہ الرحمٰن الرحیم ہ الحمد للہ رب العٰلمین ہ والصلوٰۃ والسلام علی اشرف الانبیاء والمرسلین خاتم النبیین مولانا ابو القاسم محمد وعلیٰ اھل بیت الطیبین الطاھرین المعصومین ولعنۃ اللہ علی اعدائھم اجمعین ہ

اما بعد

جو لوگ اس پیغمبرؐ اُمی کا اتباع کرتے ہیں جس کا تذکرہ توریت میں بھی موجود ہے اور انجیل میں بھی ہے۔ جو انھیں نیکیوں کا حکم دیتا ہے اور برائیوں سے روکتا ہے۔ پاکیزہ چیزوں کو ان کے لیے حلال قرار دیتا ہے اور خبیث چیزوں کو حرام قرار دیتا ہے۔ ان کی گردنوں سے اُس بوجھ اور اس قید و بند کو ہٹا دیتا ہے جس میں یہ گرفتار ہیں۔ تو جو لوگ ایسے پیغمبرؐ پر ایمان لائے۔ جنھوں نے اس پیغمبرؐ کا احترام کیا۔ جنھوں نے اس پیغمبرؐ کی مدد کی اور اس نور کا اتباع کیا جو پیغمبرؐ کے ساتھ نازل کیا گیا ہے۔ یہی وہ لوگ ہیں جو زندگانی دنیا میں کامیاب ہیں۔

۱۴۱۴ھ کے آغاز کے ساتھ مرکز حسینی ابوظبی میں جس سلسلۂ مجالس کا آغاز ہو رہا ہے اس کے عشرہ اول کے لیے جس عنوان بیان کا انتخاب کیا گیا ہے۔ وہ ہے مسئلہ "رسالت النبیؐ"۔ استقبال عزاء کی مجالس میں تمہیدی طور پر آپ کے سامنے یہ بات گذارش کی جا چکی ہے کہ پروردگار عالم کی طرف سے ملنے والے عہدوں میں سے ایک عہدہ کا نام ہے نبوت اور ایک عہدہ کا نام ہے رسالت۔

جب اللہ کے کسی مقرب بندے کو بغیر کسی واسطہ بشر کے اللہ کی طرف سے کوئی خبر دی جاتی ہے تو اسے نبی کہا جاتا ہے اور جب اسی بندۂ خدا کو کسی پیغام رسانی کا ذمہ دار بنا دیا جاتا ہے تو اسے رسول کہا جاتا ہے۔ رسالت اس پیغام الٰہی کا

نام ہے جس کو مالکِ کائنات نے اصلاح عالم کے لیے آسمان سے زمین کی طرف بھیجا ہے۔ رسول اس انسان کو کہا جاتا ہے جس کو اصلاح بشریت کا ذمہ دار بنا کر بھیجا گیا ہے۔ جس کا کام ہے تلاوت آیات۔ جس کا کام ہے تزکیہ نفوس۔ جس کی ذمہ داری ہے تعلیم کتاب و حکمت۔ رسالت کی وہ آخری منزل جس پر مالک کائنات نے خاتم النبیین حضرت احمد مجتبیٰ محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہٖ کو فائز بنایا ہے وہ رسالت، وہ قانون، وہ پیغام الٰہی، ہر اعتبار سے جامع قرار دیا گیا ہے۔ اس میں عبد و معبود کا رشتہ بھی پایا جاتا ہے۔ مخلوقات کے درمیان تعلقات کی اصلاح بھی پائی جاتی ہے۔ ان کی انفرادی زندگی کو بھی نگاہ میں رکھا گیا ہے۔ ان کی اجتماعیت کے قوانین بھی بنائے گئے ہیں ان کی دنیا کو سنوارنے کا اہتمام بھی کیا گیا ہے۔ ان کو آخرت میں فائز، ناجح اور کامیاب بنانے کا اہتمام بھی کیا گیا ہے۔ اس قانون میں فقط انسانوں کا لحاظ نہیں رکھا گیا ہے بلکہ انسانوں کے ساتھ حیوانات کے بارے میں بھی قوانین معین کئے گئے ہیں۔ اس قانون کا تعلق فقط عالم بشریت سے نہیں ہے بلکہ عالم بشریت کے علاوہ دیگر عوالم سے بھی ہے۔ اس قانون کے لانے والے کو اہل زمین ہی کیلئے نہیں بلکہ عالمین کیلئے رحمت بنا کر بھیجا گیا ہے۔ اس سارے قانون، اس پوری شریعت، اس سارے پیغام کا ایک ماحصل تھا کہ انسان منزل کامیابی تک پہونچ جائے۔ آج اس سلسلۂ کلام کے پہلے مرحلہ پر جو باتیں فلاح اُمت سے متعلق آپ کے سامنے گزارش کرنا ہیں ان کی تمہید میں یہ بات آپ نگاہ میں رکھیں کہ لفظ فلاح عربی زبان میں فقط نجاح اور کامیابی کے معنی میں استعمال ہوتا ہے۔

فلاح یافتہ وہی انسان کہا جاتا ہے جو انسان کامیاب ہو۔ جو ناکام ہو جائے وہ صاحب فلاح نہیں ہے۔ اسی لیے جب مسلمان مسلمانوں کو بندگی کی دعوت دیتا

ہے تو یہ کہہ کر آواز دیتا ہے "حی علی الفلاح" آؤ کامیابی یہاں ہے۔ اس کے علاوہ کہیں نہیں ہے۔ مسلمان کی کامیابی بندگی پروردگار میں ہے۔ مسلمان کی کامیابی عبادت الٰہی میں ہے۔ مسلمان کی زندگی میں کامیابی معبود کے سامنے سجدہ ریز ہوجانے میں ہے۔ نہ دولت کامیابی کی علامت ہے نہ اقتدار کامیابی کی علامت ہے۔ دنیا میں سارے وسائل اگر بندگی پروردگار سے الگ ہوجاتے ہیں تو انسان ناکام ہوجاتا ہے اور اگر بندگی پروردگار دنیا کے سارے وسائل سے الگ ہوجاتی ہے تو اس کے بعد بھی انسان کامیاب کہا جاتا ہے اور شائد اسی کامیابی کی بنیاد پر کاشت کاری کرنے والے کو "فلّاح" بھی کہا جاتا ہے کہ یہ وہ انسان ہے جو یہ ہنر جانتا ہے کہ زمین میں دانا دبایا کیسے جاتا ہے۔ ایک کو سات سو بنایا کیسے جاتا ہے۔ دنیا میں تجارت کرنے والے اور کاروبار کرنے والے فقط یہ دیکھتے ہیں کہ ہمارا سرمایہ محفوظ رہے اور ایک کے دو ہوجائیں تو اس سے بہتر کوئی شئے نہیں ہے۔ مگر جو زمین میں تخم ریزی کرنے والا ہے، جو کاشت کاری کرنے والا ہے اس کی نگاہ میں یہ کبھی نہیں ہوتا ہے کہ اگر ایک کلو دانہ ڈال دیا گیا ہے تو دو کلو ہوجائے۔ اس کی نگاہ میں یہ نہیں ہوتا ہے کہ ایک کے دو یا ایک کے چار ہوجائیں۔ اس کی نگاہیں اس سے کہیں زیادہ وسیع ہوتی ہیں۔ اسی لیے وہ ہنر سیکھتا ہے اور خالی ہنر نہیں سیکھتا ہے۔ اس مالک پر اعتماد بھی کرتا ہے جس مالک کے رحم و کرم کے بغیر یہ دانہ خود باقی نہیں رہ سکتا ہے۔ ایک کے چار یا سو دو سو بن جانے کا کیا امکان ہے۔ جتنا کام کاشت کار نے انجام دیا ہے وہ فقط یہ تھا کہ اچھے خاصے دانے کو زمین میں دبا کے اسے سڑا کر گلا کر نابود بنا دیا ہے۔ جو کام پروردگار نے کیا ہے اس کے بارے میں قرآن مجید آواز دیتا ہے "سات بالیاں اور ہر بالی میں سو دانے۔ گویا قدرت آواز دے رہی ہے کہ تمہاری طاقت کا ماحصل یہ ہے کہ اچھے خاصے دانے کو

برباد کردیا جائے۔ ہمارے کرم کا نتیجہ یہ ہے کہ برباد شدہ کو سات سو بنا کے پیش کردیا جائے۔ اسی لیے مالکِ کائنات نے انسان کو اپنے کرم اور اس کی ناطاقتی کی طرف متوجہ کرتے ہوئے یہ اعلان فرمایا ہے۔ "آانتم تزرعونہ ام نحن الزارعون"۔ "کبھی تم نے اپنی زراعتوں کو دیکھنے کے بعد یہ سوچا ہے کہ یہ زراعت تمہارا کام ہے یا ہمارا کام ہے۔" یہ تمہارا کام نہیں ہے۔ پیداوار تمہارے بس کی بات نہیں ہے۔ غلہ کی پیداوار تمہارے بس میں کیا ہوگی خود تمہاری اپنی پیدائش تمہارے اختیار میں نہیں ہے۔ کسی بنانے والے نے بنا دیا۔ بھیجنے والے نے دنیا میں بھیج دیا۔ پیدا کرنے والے نے پیدا کردیا تو عالم عدم سے عالم وجود میں آگئے۔ تو جو تمہارا پیدا کرنے والا ہے وہی اس غلہ کا پیدا کرنے والا بھی ہے۔ یہ اس کا کرم ہے کہ اس نے اس پیداوار کیلئے تمہارے ہاتھوں کو ذریعہ بنا دیا ہے تاکہ تمھیں اپنی طاقت کا اندازہ بھی ہوسکے اور تمھیں یہ احساس بھی ہوسکے کہ ہم نے تمہارے ہاتھوں کو ذریعہ بنا دیا ہے۔ ہم نے تمہارے بازوں میں کتنا دم خم رکھا ہے۔ ہم نے تمہارے ہاتھوں میں کتنی برکتیں رکھدی ہیں۔ ان برکتوں سے فائدہ نہ اٹھانا اور ان برکتوں کو نحوستوں میں تبدیل کردینا یہ تمہارا عیب ہے۔ تمہارا فساد ہے۔ تمھاری خرابی ہے۔ تم امانت داری کے ساتھ ان ہاتھوں کو استعمال کروگے تو ایک ہاتھ کاٹ دینے والے کو بدترین سزا دی جائے گی اور ان ہاتھوں کو خیانت سے آلودہ کروگے تو ایک چوتھائی دینار میں تمہارے بھی ہاتھ کاٹ دیئے جائیں گے۔ چند پیسوں میں تمہارے ہی ہاتھ قلم کردیئے جائیں گے۔ کیوں؟ اس لیے کہ ہم نے قیمت امانتداری کی رکھی ہے۔ قیمت گوشت و پوست کی نہیں ہے۔ ہم نے اس قیمت کو گرادیا ہے تمھاری خیانت کی بنیاد پر۔ تمھاری ضعف و ناتوانی کی بنیاد پر اسے بے قیمت نہیں بنایا ہے۔

تو عزیزان محترم! یہ فلاح یہ کامیابی جس کے لیے اسلام دنیا میں آیا ہے اور جس کا پیغام سرکار دوعالمؐ لیکر آتے تھے کہ حضورؐ کا پہلا اعلان تھا۔ "قولو لا الہ الا اللہ تفلحوا"۔ لا الہ الا اللہ کہو اسی میں فلاح ہے۔ اسی میں کامیابی ہے۔ اس کے علاوہ کامیابی کا کوئی راستہ نہیں ہے۔ تین سو ساٹھ خداوں کے سامنے سجدہ کرنے والے، ہر طرح کی مخلوق کو اپنا معبود ماننے والے افراد کے درمیان سرکار دوعالمؐ آواز دے رہے تھے کہ یہ تین سو ساٹھ خدا تمھیں کامیاب نہیں بنا سکتے۔ پتھروں کے سامنے سجدہ تمھیں کامیاب نہیں بنا سکتا۔ درختوں، پہاڑوں، چاند، سورج کے سامنے سجدہ اور سر جھکا دینا یہ تمھیں کامیاب نہیں بنا سکتا۔ اگر زندگی کو کامیاب بنانا چاہتے ہو تو وحدہ لاشریک کے سامنے سجدہ کرو۔ مالک کائنات کے سامنے سر جھکاو۔ لا الہ الا اللہ کا اعتراف کرو۔ یہ لا الہ الا اللہ کا اقرار ہی ہے جو تمھاری زندگی کو کامیاب بنا سکتا ہے۔" یہ روز اول سرکار دوعالمؐ کا پیغام فلاح تھا جس کو ساری زندگی مختلف انداز سے تفصیلات کے ساتھ تشریحات کے ساتھ دنیا کے سامنے پیش کرتے رہے۔

اس مختصر تمہید کے بعد میں آپ کے سامنے قرآن مجید کے بیان کئے ہوئے نقشہ کو رکھنا چاہتا ہوں۔ عزیزو میری گذارش ہے کہ آپ ان بیانات پر مکمل توجہ کے ساتھ غور کریں تا کہ آپ یہ محسوس کر سکیں کہ مالک کائنات نے پیغمبر کے ذریعہ جو پہلا اعلان کرایا تھا کہ "لا الہ الا اللہ" یہی وہ کلمہ ہے جو تمھاری فلاح اور تمھاری کامیابی کا ضامن ہے جب قرآن مجید اس کلمہ کی تشریح کر رہا تھا تو انسان کو منزل کامیابی تک لے جانے کیلئے کتنے طریقے اختیار کئے ہیں۔ کہاں کہاں انسان کو ناکامی کے خطرہ سے آگاہ کیا ہے۔ کہاں کہاں انسان کو کامیابی کے مواقع بتائے ہیں اور کہاں کہاں انسان کو کامیابی کا یقین دلایا ہے۔

قرآن مجید میں اس فلاح اور کامیابی کا تذکرہ متعدد مقامات پر پایا جاتا ہے لیکن سارے مقامات کا تذکرہ کرنا اور ان کا بیان کرنا اس مختصر سے بیان میں

ممکن نہیں ہے لہٰذا میں آپ کے سامنے اس قرآنی بیان کے نقشہ کے صرف تین رُخ گذارش کرنا چاہتا ہوں۔ اگر آپ توجہ فرمائیں گے تو ہماری زندگی کو کامیاب بنانے کا ذریعہ بھی ہوگا اور ان کی معرفت کا بھی ذریعہ ہوگا جن کی زندگیاں واقعتاً کامیاب نہیں۔ یاد رکھئے فلاح اور کامیابی کے مسئلہ کو قرآن مجید نے تین طریقہ سے بیان کیا ہے۔ بعض مقامات پر یہ اعلان کیا ہے کہ وہ افراد کون سے ہیں۔ جن کا مقدر کامیابی نہیں ہے وہ ناکام ہیں اور ناکام رہیں گے۔ کتنے ہی بلند و برتر کیوں نہ ہوجائیں، کتنے ہی صاحب دولت و ثروت و اقتدار و اختیار کیوں نہ ہوجائیں۔ یہ ناکام تھے اور ناکام رہیں گے۔ ان کے مقدر میں کامیابی نہیں ہے۔

دوسرا سلسلہ بیان وہ ہے جہاں قرآن مجید نے اس حقیقت کا اعلان کیا ہے کہ وہ کون سے مقامات ہیں جہاں کامیابی کا امکان پایا جاتا ہے کہ انسان اس راستہ پر چلے تو ناکامی طے نہیں ہے۔ کامیابی کا امکان پایا جاتا ہے۔ ان دونوں مراحل کا فرق آپ نے محسوس کرلیا ہوگا کہ پہلی منزل وہ ہے جہاں یہ طے شدہ ہے کہ انسان ناکام ہے اور ناکام رہے گا۔ ایسا انسان کبھی کامیاب نہیں ہوسکتا ہے۔ اور دوسری منزل وہ ہے جہاں قرآن مجید نے آگاہ کیا ہے کہ اگر اس راستہ پر چلو گے تو ناکامی تمہارا مقدر نہیں ہے اگرچہ کامیابی بھی مقدر نہیں ہے مگر کامیابی کا امکان بہرحال پایا جاتا ہے۔

تیسرا سلسلہ کلام وہ ہے جہاں قرآن مجید نے واضح کردیا ہے کہ اس راہ پر چلو گے تو کامیابی یقینی ہے اس راستہ پر چلنے والا فلاح یافتہ ہے۔ نجات یافتہ ہے۔ کامیاب ہے۔ نہ ناکاموں میں شامل ہے اور نہ مشکوک افراد میں شامل ہے۔ توجہ فرما رہے ہیں آپ؟

تو انسانی دنیا کی تین قسمیں ہوگئیں۔ کچھ افراد وہ ہیں جن کے بارے میں

یہ طے ہے کہ ناکام ہیں۔ کچھ افراد وہ ہیں کہ جن کے بارے میں یہ امکان ہے کہ کامیاب ہو سکتے ہیں۔ مقدر خراب ہو جائے تو ناکام ہو جائیں گے۔ کچھ وہ افراد ہیں جن کے بارے میں یہ طے ہے کہ یہ کامیاب ہیں اور ان کو دنیا کی کوئی طاقت ناکام نہیں بنا سکتی ہے۔

یہ تذکرے بھی قرآن مجید میں انتہائی تفصیل کے ساتھ پیش کیے گئے ہیں مگر نمونہ کے طور پر آپ کے سامنے ہر قسم کی پانچ پانچ علامتیں گزارش کرنا چاہتا ہوں تاکہ آپ اندازہ کر سکیں کہ وہ پانچ علامتیں جنکی بنیاد پر اسلام نے انسان کو ناکام بنایا ہے یا وہ پانچ علامتیں جنکی بنا پر انسان کی کامیابی کا امکان پایا جاتا ہے۔ وہ پانچ علامتیں جنکی بنیاد پر انسان کی کامیابی یقینی ہے کہ ایسے انسان کو کوئی ناکام نہیں بنا سکتا ہے وہ کیا ہیں۔

پہلی منزل۔ وہ علامتیں، وہ نشانیاں، وہ زندگی، وہ کردار، وہ اعمال جو انسانی زندگی کو ناکامیاب بنا دیتے ہیں جس کے بعد کامیابی کا کوئی امکان نہیں ہوتا ہے۔ ان کے بارے میں قرآن مجید آواز دیتا ہے۔

"انہ لا یفلح الظالمون" یاد رکھو ظالم کبھی کامیاب نہیں ہو سکتے ہیں۔

"لا یفلح الکافرون" کافر کبھی کامیاب نہیں ہو سکتے ہیں۔

"انہ لا یفلح المجرمون" مجرم کبھی کامیاب نہیں ہو سکتے ہیں۔

"لا یفلح الساحرون" جادوگر کبھی کامیاب نہیں ہو سکتے ہیں۔

"ان الذین یفترون علی اللہ الکذب لا یفلحون" جو خدا کے خلاف افترا اور بہتان رکھتے ہیں وہ کبھی کامیاب نہیں ہو سکتے ہیں۔

یہ قرآن مجید کی بیان کی ہوئی پانچ قسمیں ہیں جن کے بارے میں یہ واضح کر دیا گیا ہے کہ یہ افراد کامیاب نہیں ہو سکتے ہیں۔

عقیدے کی بنیاد پر۔ جو کافر ہیں وہ ناکام ہیں۔

عمل کی بنیاد پر۔ جو ظالم ہیں وہ ناکام ہیں جو خدا پر افترا کرنے والے ہیں وہ ناکامیاب ہیں۔ جو مجرم ہیں وہ ناکام ہیں۔ جو جادوگر ہیں وہ ناکام ہیں۔ یہ پانچ قسمیں ہیں جن کے بارے میں قرآن نے واضح کر دیا ہے کہ ان کے مقدر میں کامیابی نہیں ہے اور یہ ناکام ہیں۔

میں پھر لفظوں کو دوہراؤں تاکہ آپ لفظ کے معنی پہچانیں۔ کافر کامیاب نہیں ہے۔ ظالم کامیاب نہیں ہے۔ مجرم کامیاب نہیں ہے۔ افترا پرداز کامیاب نہیں ہے۔ جادوگر کامیاب نہیں ہے۔

اب اگر خود قرآن یہ کہہ رہا ہے کہ یہ قسمیں کامیاب نہیں ہو سکتیں تو پہچانو کہ جو روز اول یہ کہہ رہا تھا کہ میرے کہنے کی بنیاد پر "لاالٰہ الااللہ" کہو اسی میں کامیابی ہے۔ میرے پیغام کو قبول کرو اسی میں کامیابی ہے اور پھر یہ اعلان کر رہا ہے کہ کافر فلاح یافتہ نہیں ہے۔ مجرم کامیاب نہیں ہے۔ ظالم کامیاب نہیں ہے۔ جادوگر کامیاب نہیں ہے۔ افترا پرداز کامیاب نہیں ہے تو گویا ایک طرف کامیابی کا پیغام دے رہا ہے اور دوسری طرف اپنے کردار کا اعلان بھی کر رہا ہے کہ اگر میری زندگی میں کفر یا جرم داخل ہوتا تو میں خود ہی کامیاب نہ ہوتا جبکہ میرا پیغام فلاح اور کامیابی کا پیغام ہے اور میرا ہی یہ اعلان ہے کہ یہ پانچ طرح کے انسان کبھی کامیاب نہیں ہو سکتے ہیں تو جب میں تمھیں کامیابی کا پیغام سنا رہا تھا تو گویا میں اپنی پوری زندگی کا بھی اعلان کر رہا تھا کہ میرے اعلانات کی روشنی میں میری زندگی کا جائزہ لے لو۔ میری زندگی میں اگر کفر شامل ہوتا تو میں خود ہی کامیاب نہ ہوتا۔ میری زندگی میں اگر ظلم شامل ہوتا تو میں خود ہی کامیاب نہ ہوتا۔ میری زندگی میں اگر جرم شامل ہوتا تو میں خود ہی کامیاب نہ ہوتا۔ میں خدا کے

خلاف کوئی بات گڑھ کے بیان کرتا تو میں خود ہی کامیاب نہ ہوتا۔ میں جادو گر ہوتا تو میں خود ہی کامیاب نہ ہوتا۔ پیغام فلاح دیکر میں نے واضح کردیا کہ میری زندگی وہ سراپا ایمان ہے جہاں کفر کا گذر نہیں ہے۔

پھر میری زندگی وہ سراپا عدالت ہے جہاں ظلم کا گذر نہیں ہے۔

میری زندگی اتنی پاکیزہ ہے جہاں جرائم کا گذر نہیں ہے۔

میرا بیان وحی پروردگار ہے جہاں افتراء کا امکان نہیں ہے۔

میرا طرز عمل معجزہ ہے اسے جادو نہیں کہا جاسکتا ہے۔

یہ قرآن مجید کے بیان کی پہلی قسم ہے جہاں یہ واضح کیا گیا ہے کہ انسان اگر ان پانچ طرح کے جرائم میں مبتلا ہوگا تو ایسا انسان کبھی کامیاب نہیں ہوسکتا ہے جسکو انسانیت کی کامیابی کہا جا سکے ورنہ ظاہر ہے کہ صاحب دولت ہو جانا اگر کوئی کامیابی ہوتا تو قارون سے بڑا کامیاب کوئی نہیں تھا۔ صاحب اقتدار ہوجانا اگر کوئی کامیابی ہوتا تو ہٹلر جیسے لوگ بھی کامیاب ہی کہے جاتے۔ مگر ساری دنیا جانتی ہے کہ نہ دولت کسی کو کامیاب بنا سکی ہے نہ اقتدار کامیاب بنا سکتا ہے۔ اگر انسان کامیاب بننا چاہتا ہے تو کفر سے الگ ہو کر اسلام کے جادہ پر آنا ہوگا۔ ظلم کو چھوڑ کے عدالت کے راستہ پر چلنا ہوگا۔ جرائم سے الگ ہو کر انصاف کے راستہ پر چلنا ہوگا۔ افترا پردازی کو چھوڑ کے وحی خدا کا اتباع کرنا ہوگا۔ جادوگری سے کنارہ کش ہو کر وہ طرز عمل اختیار کرنا ہوگا جو حقائق کے مطابق ہو۔ جہاں کوئی فریب نظر نہ ہو۔ جہاں کوئی شعبدہ کاری نہ ہو۔ جہاں کوئی جادوگری نہ ہو۔ اگر تم نے اپنے اندر یہ کمال کردار پیدا کرلیا تو تم بھی کامیاب کہے جانے کے قابل ہو اور اگر یہ کمال کردار پیدا نہ ہوسکا تو ایسے افراد کا مقدر ناکامی ہے کامیابی نہیں

ہے۔

دوسرا سلسلۂ کلام جہاں قرآن مجید نے یہ اعلان کیا ہے کہ انسانی دنیا میں کچھ ایسے افراد پائے جاتے ہیں جن کی کامیابی کا امکان ہے۔ وہ ناکام نہیں ہیں مگر کامیابی کا یقین بھی نہیں ہے۔ تم اگر کامیاب بننا چاہتے ہو تو اس راستہ پر چلو شائد کامیاب ہو جاؤ۔ اسکی بھی پانچ مثالیں قرآن مجید سے آپ سامنے گذارش کروں گا۔

پروردگار عالم نے پہلے اپنی نعمتیں انسان کے سامنے پیش کیں زمین سے لیکر آسمان تک سب نعمت پروردگار ہے۔ انسان کا وجود، انسان کی حیات، انسان کی ایک ایک سانس سب نعمت پروردگار ہے۔ ان ساری نعمتوں کو انسان کے سامنے پیش کرنے کے بعد پروردگار سے بہتر کون جانتا ہے کہ یہ انسان نعمتوں کو لینا جانتا ہے نعمتوں کو یاد رکھنا نہیں جانتا ہے جب آپس کی برادری میں ایک دوسرے کے احسان کو یاد نہیں رکھتا تو ایک غیبی طاقت کے احسانات کو کیا یاد رکھے گا۔ لہٰذا پروردگار نے انسان کو متوجہ کیا اگر تم نے نعمتوں کو بھلا دیا تو تمھاری زندگی ناکام ہے اور اگر کامیابی کے راستہ پر چلنا چاہتے ہو تو وہ "فاذ کروا آلاء اللّٰہ لعلکم تفلحون" اللہ کی نعمتوں کو یاد رکھو شائد کامیاب ہو جاؤ۔ یہ "شائد" کیوں ہے۔ نعمتوں کو یاد رکھنے کے بعد تو انسان بہرحال کامیاب ہو جائے گا اسلئے کہ ہر قدم پر بھول جانے کے خطرات ہیں۔ خالی یاد رکھنا کوئی ھنر نہیں ہے۔ جب انسان نعمتوں کو یاد رکھے گا تو صاحب نعمت کا شکریہ ادا کرے گا۔ اگر نعمت کی یاد کے ساتھ شکریہ شامل ہو جائے تو کامیابی یقینی ہو جائے گی اور اگر نعمتوں کو یاد رکھا اور شکریہ ادا نہ کیا تو اس کے معنی یہ ہیں کہ ابھی امکان فلاح ہے شائد کبھی شکر گذار بن جائے لیکن اگر کبھی نعمتوں کو بھول گیا تو ناکامی یقینی ہے۔ لہٰذا نعمتوں کو یاد رکھنا یہ ایک درمیانی راستہ ہے جہاں بھولنے والا ناکام ہے اور

شکر گذار کامیاب ہے اور یاد رکھنے والا درمیانی راستہ پر چل رہا ہے۔ کبھی بھول گیا تو ناکام ہو جائے گا اور کبھی شکر گذار ہو جائے گا تو کامیاب ہو جائے گا۔

دوسرے مقام پر اعلان ہو رہا ہے۔ "توبوا الی اللّٰہ جمیعا ایھا المومنون لعلکم تفلحون"۔ اے ایمان والو سب مل کر اللہ کی بارگاہ میں توبہ کرو۔ اگر گناہ کرنا جانتے ہو تو توبہ کرنا بھی سیکھو۔ اگر خطا کرنا جانتے ہو تو معافی مانگنا بھی سیکھو۔ اگر غلطی کرنے کا حوصلہ ہے تو اسکی بارگاہ میں معذرت کرنے کا حوصلہ بھی پیدا کرو۔ "توبوا الی اللّٰہ جمیعا ایھا المومنون" صاحبان ایمان اللہ کی بارگاہ میں توبہ کرو۔

خدایا اس توبہ کا فائدہ کیا ہوگا۔

کہا "لعلکم تفلحون" شائد یونہی کامیاب ہو جاؤ۔

یہاں بھی شائد کے معنی پہچانیں۔ یعنی اگر گناہ کر کے توبہ سے الگ رہے تو بالکل ناکام اور اگر توبہ قبول ہو گئی تو بالکل کامیاب۔ لیکن توبہ سے الگ نہ رہو۔ توبہ کے راستہ پر چلو "لعلکم تفلحون" شائد کامیاب ہو جاؤ۔ اسلئے کہ توبہ کرنے کے بعد قبول ہونے کا امکان ہے۔ اگر توبہ ہی نہ کیا تو قبول کیا ہوگا۔ توبہ ایک راستہ ہے کامیابی تک جانے کا۔

تیسرا راستہ "واعبدوا اللّٰہ وافعلوا الخیر لعلکم تفلحون" اے انسانو، اے اللہ کے بندو۔ اللہ کی بندگی کرو۔ اللہ کی عبادت کرو اور نیکیاں انجام دو "لعلکم تفلحون" شائد یونہی فلاح مل جائے۔ شائد یونہی کامیاب ہو جاؤ۔ کامیابی کا راز کیا ہے۔ بندگی پروردگار اور فعل خیر۔ اس لفظ پر آپ توجہ فرمائیں گے۔ کیا بندگی سے بالاتر کوئی چیز دنیا میں ہوتی ہے۔ کیا عبادت الٰہی سے بالاتر دنیا میں کوئی شئی ہے۔ یہی کہدیا ہوتا کہ اللہ کی بندگی کرو شائد کامیاب ہو جاؤ۔ نہیں اللہ کی بندگی کرو اور نیکی کرو۔

شائد یونہی کامیاب ہوجاؤ۔ اس کے معنی کیا ہوئے کہ اسلام اس بات کو گوارا نہیں کرتا کہ انسان بندہ پروردگار ہو کے دنیا سے غافل ہوجائے۔ اسلام پہاڑوں کی زندگی سکھانے کیلئے نہیں آیا ہے۔ اسلام غاروں میں زندگی گذارنے کیلئے نہیں آیا ہے۔ اسلام سماج میں زندہ رہنے کیلئے آیا ہے۔ اگر پہاڑوں اور غاروں میں جا کے بندگی کرنے لگے اور نیکیوں کو بھول گئے تو کامیابی کا کوئی امکان نہیں ہے کامیابی کا امکان اسی وقت پیدا ہوگا جب خدا کے سامنے آئے تو بندگی کرو اور بندے سامنے آئیں تو نیکیاں انجام دو۔

"واعبدوا اللہ وافعلوا الخیر لعلکم تفلحون" اللہ کی عبادت اور اللہ کی بندگی کرو اور نیکیاں انجام دو شائد یونہی فلاح حاصل ہوجائے۔

یہ تین مرحلے ہیں جو میں نے آپ کے سامنے عرض کئے نعمت خدا کو یاد رکھنا۔ یہاں بھی امکان فلاح ہے۔ گناہوں سے توبہ کرنا۔ یہاں بھی نجات اور کامیابی کا امکان پایا جاتا ہے۔ عبادت خدا اور فعل خیر۔ یہاں بھی کامیابی کا امکان پایا جاتا ہے۔

یہاں لفظ امکان کیوں ہے کہ عبادت خدا کرو شائد کامیاب ہوجاؤ۔ نیکیاں کرو شائد کامیاب ہوجاؤ۔

خدایا تیری عبادت کے بعد شائد کے کیا معنی ہیں؟ نیکیوں کے بعد شائد کے معنی کیا ہیں۔ اگر عبادت کے بعد بھی کامیابی نہیں ہے تو کامیابی کہاں ہوگی؟ اگر نیکیوں میں بھی کامیابی کا یقین نہیں ہے تو کامیابی کہاں ہوگی؟

قدرت آواز دے گی عبادتوں میں کامیابی کا یقین ہے۔ تمھاری عبادت کے کامیاب ہونے کا یقین نہیں ہے یعنی تنہا عبادت کرنا یہ کامیابی کو یقینی نہیں بنا سکتا ہے۔ عبادت کرنا تمھارا کام ہے۔ عبادت کو قبول کرنا ہمارا کام ہے۔ جب عبادت قابل قبول ہوجائے گی تو کامیابی یقینی ہوجائے گی۔ جب نیکیاں قابل قبول

ہوجائیں گی کہ ریاکاری نہ ہو دنیا کو دکھانے کا جذبہ نہ ہو غریبوں پر احسان نہ جتایا جائے جب ان سارے عیوب سے تمھاری نیکیاں الگ ہوجائیں گی اور نیکی قابل قبول ہوجائے گی تو کامیابی بھی یقینی ہوجائے گی۔ مگر عبادت جب تک خالی عبادت ہے۔ جب تک نیکیاں فقط نیکیاں ہیں کامیابی کا امکان ہے مگر کامیابی کا یقین نہیں ہے۔ اسلئے کہ ابھی عبادت میں شبہ ہے کہ شائد قابل قبول نہ ہو۔ ابھی نیکیوں میں شبہ ہے کہ شائد خدا کی بارگاہ میں ہونے کے قابل نہ ہوں۔ جب اس منزل تک پہونچ جاؤ گے تو کامیابی بھی یقینی ہوجائے گی کہ یہ کامیابی تک جانے ہی کا راستہ ہے۔

چوتھا راستہ "انما الخمر و المیسر والانصاب والازلام رجس من عمل الشیطان فاجتنبوہ لعلکم تفلحون" یاد رکھو شراب، جوا، ازلام، انصاب سب رجس اور شیطانی اعمال ہیں ان سے اجتناب کرو۔ شائد فلاح پا جاؤ۔ اس مقام پر بھی لفظ شائد استعمال ہوا ہے کہ صرف شراب اور جوے کا ترک کر دینا کافی نہیں ہے بلکہ ہر رجس اور ہر شیطانی عمل سے پرہیز کرنا ضروری ہے کہ جس کے بغیر کامیابی یقینی نہیں ہو سکتی ہے۔ لیکن یہ اور بات ہے کہ شراب اور جوے سے پرہیز نہ کرنے کی صورت میں کامیابی کا احتمال بھی نہیں ہے اور ناکامی ایک یقینی امر ہے۔

اس کے بعد پانچواں راستہ " یا ایھاالذین آمنوا اتقواللہ وا بتغوا الیہ الوسیلہ وجاہدوا فی سبیلہ لعلکم تفلحون" ایمان والو اللہ سے ڈرو تقوائے الٰہی اختیار کرو۔ "وا بتغوا الیہ الوسیلہ" اور وہاں تک جانے کا وسیلہ اختیار کرو اور راہ خدا میں جہاد کرو کہ شائد کامیاب ہوجاؤ۔

کامیابی کا ایک راستہ یہ بھی ہے جو راستہ مرکّب ہے چار چیزوں سے۔ ایمان، تقویٰ، وسیلہ اور جہاد۔ جب یہ چاروں باتیں حاصل ہوجائیں گی تو اس کے بعد قرآن کہتا ہے "لعلکم تفلحون" شائد کامیاب ہوجاؤ۔ یعنی اگر ایمان نہیں ہے تو طے ہے

کر کامیاب نہیں ہو سکتے۔ اگر تقوی نہیں ہے تو یقین ہے کر کامیاب نہیں ہو سکتے۔ اگر جہاد نہیں ہے تو طے ہے کر کامیاب نہیں ہو سکتے۔ اگر وسیلہ نہیں ہے تو طے ہے کر کامیاب نہیں ہو سکتے۔ لیکن اگر یہ چاروں باتیں جمع ہو جائیں تو امکان کامیابی ضرور پیدا ہو جاتا ہے "لعلکم تفلحون" شائد تم کامیاب ہو جاؤ۔ کامیابی کی منزل تک پہونچنے کیلئے ایمان درکار ہے۔ تقوی کی ضرورت ہے جہاد لازم ہے وسیلہ کو تلاش کرنا ہے اس کے بغیر انسان کامیابی کی منزل تک نہیں جاسکتا ہے۔ یہ بھی ایک راستہ کامیابی کا ہے جو قرآن مجید نے بیان کیا ہے اور شائد یہاں بھی ایک مصلحت پروردگار تھی جو خدا نے کہا شائد۔ اور جب میں نے ہر آیت میں شائد کی وضاحت کی ہے تو اس آیت کے بارے میں بھی دو لفظیں سنیں آپ۔ کر خدا نے یہاں شائد کیوں کہا؟ چار چار کمالات پیدا کرنے کے بعد بھی ابھی کامیابی شائد ہے۔ ایمان بھی ہے۔ تقوی بھی ہے۔ وسیلہ بھی ہے۔ جہاد بھی ہے اور اس کے بعد بھی خطرہ ہے تو آخر کامیابی یقینی کس دن ہوگی۔ اگر اتنے کمالات کے بعد بھی ابھی شائد باقی ہے تو کامیابی کا یقین کس دن پیدا ہوگا۔ خدایا اب اس کے بعد یہ شائد کیوں ہے؟ تو عجب نہیں کر قدرت آواز دے تم نے غور نہیں کیا۔ ایمان لے آنا تمھارا کام ہے ایمان کا باقی رہنا بھی ایک کام ہے۔ تقوی کے راستہ پر چلنا یہ پہلا کام ہے دل میں خوف خدا کارہ جانا یہ دوسرا کام ہے۔ میدان جہاد میں قدم رکھنا یہ ایک کام ہے۔ میدان جہاد میں رہ جانا یہ دوسرا کام ہے۔ وسیلہ ڈھونڈھ لینا یہ ایک کام ہے وسیلہ سے وابستہ ہو جانا یہ دوسرا کام ہے۔

جب تک انسان اس منزل پر فائز نہ ہو جائے اس وقت تک کامیابی یقینی نہیں ہو سکتی ہے۔ لیکن بہرحال اگر کامیابی کا امکان پایا جاتا ہے تو انہی راہوں میں کامیابی کا امکان ہے۔ ایمان کی راہ پر چلو کامیابی کا امکان ہے تقوی کا راستہ اختیار کرو کامیابی کا امکان ہے۔ جہاد راہ خدا کی منزل میں قدم رکھو کامیابی کا امکان ہے۔

وسیلہ تلاش کرو کامیابی کا امکان ہے۔ ان امور سے الگ ہو گئے تو کامیابی کا امکان بھی نہیں پایا جاتا ہے۔ میں نے ایک لفظ کہا ہے۔ شائد میرے بہت سے بچے متوجہ نہ ہوئے ہوں۔ وسیلہ تلاش کرنا ایک کام ہے۔ وسیلہ سے وابستہ ہو جانا یہ دوسرا کام ہے۔ ہمیں آپ کو تو تلاش کرنا پڑتا ہے۔ یہ تو ہماری خوش قسمتی ہے کہ ہم نے تلاش بھی کر لیا وابستہ بھی ہو گئے ورنہ ہمیں تو ایسے بد قسمت بھی نظر آئے جنکو بغیر تلاش کئے ہوئے مل گیا مگر وابستہ نہ ہو سکے۔ ہم نے کتابوں میں تلاش کیا، ہم نے تاریخوں میں ڈھونڈا، ہم نے قرآن میں تلاش کیا، ہم نے حدیثوں میں تلاش کیا، پرانی داستانوں میں تلاش کیا۔ اتنی تلاش کے بعد جب وسیلہ کو پایا تو وابستہ ہو گئے۔ مگر ایسے بھی بد قسمت تھے جنھیں ڈھونڈھنا نہیں پڑا۔ بھری دوپہر میں، کھلے میدان میں وسیلہ نگاہ کے سامنے تھا اور بغیر تلاش کے خدا نے دیدیا تھا مگر مقدر کی خرابی کہ وابستہ نہ ہو سکے۔

یہ گفتگو کا دوسرا مرحلہ۔ تیسرا اور آخری مرحلہ جہاں پروردگار عالم نے کامیابی کے یقینی ہونے کا اعلان کیا ہے۔

یہ کون سا راستہ ہے۔ اب تک میں نے ہر مرحلہ پر پانچ مثالیں آپ کے سامنے گزارش کی ہیں تو یہاں بھی پانچ مثالیں گزارش کرنا چاہتا ہوں۔ جن سے اندازہ ہو جائیگا کہ وہ افراد کیسے ہیں جنکو قرآن مجید نے یقینی طور پر کامیاب قرار دیا ہے۔

پہلی مثال "فمن یوق شح نفسہ فاولئک ھم المفلحون" جسے نفس کے بخل سے نجات مل جائے وہ یقیناً کامیاب ہے۔ بخل انسانی زندگی کی سب سے بڑی مصیبت ہے جو کامیابی کی راہ میں حائل ہو جاتی ہے۔

کیا بد بختی ہے انسان کی جسکا نام ہے بخل کہ انسان دنیا کی ہر مصیبت سے نجات پا لیتا ہے مگر یہ بخل انسان کے اندر پیدا ہو جائے تو اس سے نجات حاصل کرنا

بہت مشکل کام ہے۔ کہاں کہاں یہ انسان کو غارت کرتا ہے۔ فقط یہی نہیں ہے کہ انسان میں پیسے کا بخل ہوتا ہے کہ ایک آدمی کے پاس ہزاروں لاکھوں ہیں مگر فقیر کیلئے پانچ پیسے بھی نہیں ہیں تو آپ نے کہا کہ یہ آدمی بہت بخیل ہے۔

نہیں بخیل کی ایک ہی قسم نہیں ہے ہم تو خالی اتنا ہی جانتے ہیں کہ کوئی کسی کو پیسہ نہ دے تو اس کے معنی ہیں بخیل۔ نہیں بخل کی بڑی قسمیں ہیں۔ جانے کتنی قسمیں ہیں اگر انسان محاسبہ کرے تو اسے اندازہ ہوگا کہ ہو سکتا ہے کہ ہم میں پیسہ کا بخل نہ ہو لیکن ہزار طرح کی اور کمزوریاں پائی جاتی ہوں جنکو بخل سے تعبیر کیا جاتا ہے۔ یہ پیسہ ہمارا ہے فقیر نے ہم سے مانگا ہم نے نہیں دیا اسے کہا گیا بخل اور آدمی ہوگا بخیل۔ یہ جگہ جہاں آپ بیٹھے ہیں یہ جگہ آپ کی ہے جتنی دیر آپ بیٹھے ہیں یہ جگہ آپ کی ہے۔ ایک انسان نے کہا کہ آپ ہٹ جایئے ہمکو بیٹھنے دیجئے۔ آپ نے کہا یہ نہیں ہو سکتا ہے۔ تو کیا اسکا نام ہے سخاوت۔ ہرگز نہیں وہ پیسہ جو اس نے نہیں دیا وہ پیسہ اسکا تھا۔ یہ جگہ جس پر آپ بیٹھے ہیں یہ تو واقعاً آپ کی ہے بھی نہیں۔ جتنی دیر آپ بیٹھے ہیں اتنی دیر آپ کی جگہ ہے۔ آپ اُٹھ جائیں گے قصہ ختم ہو جائے گا۔ لیکن تھوڑی دیر کیلئے جگہ آپ کے قبضہ میں آگئی تو آپ کسی غریب کو دینے کیلئے تیار نہیں ہیں تو جسکا مال ہمیشہ اسکا مال رہنے والا ہے جب وہ نہیں دیتا ہے تو وہ غریب کیوں بخیل کہا جاتا ہے۔ بات صرف یہ ہے کہ ہم بخل کے ایک ہی معنی جانتے ہیں اور دوسری قسموں کو پہچانتے بھی نہیں ہیں۔

مثال کے طور پر ہم غور کر رہے تھے اچانک ایک مصرع یا ایک شعر ذہن میں آگیا۔ کسی نے کہا آپ نے اس زمین میں کوئی شعر کہا ہے۔

ہم نے کہا ابھی تو ہم سوچ رہے ہیں۔

کیوں؟ اسلئے کہ خطرہ یہ ہے کہ اگر شعر اسکو سنا دیا۔ ہو سکتا ہے کہیں یہ پڑھ دے اور اس کے کام آجائے۔ یہ ہمارا کمال کرم ہے ہم بڑے کریم ہیں۔ اسلئے کہ ہم نے اپنا شعر کسی کو نہیں سنایا۔

عزیزو! جیسے شاعر کیلئے شعر ویسے ہی مالدار کیلئے مال۔ وہ اسکا مال ہے یہ اسکا مال ہے۔ مال دار اپنا مال نہ دے تو بخیل کہا جائے گا۔ اور شاعر اپنے کلام میں بخل کرے تو یہ بڑے شاعر ہیں کہ کسی کو اپنا شعر سناتے ہی نہیں ہیں۔ یہ شاعر نہیں ہیں یہ بڑے بخیل ہیں۔ انھیں کرم خدا پر اعتبار نہیں ہے یہ سمجھتے ہیں کہ شائد یہ شعر ان کے ذہن کی پیداوار ہے۔ آخر ذہن میں یہ طاقت یہ صلاحیت کس نے پیدا کی ہے۔ جس نے ذہن میں یہ صلاحیت پیدا کی ہے کیا اس کے بعد وہ عاجز ہو گیا ہے اب نئے شعر کی صلاحیت نہیں پیدا کر سکتا ہے جبکہ مولائے کائنات نے علم اور مال کا یہی فرق بیان کیا ہے کہ مال کی شان یہ ہیکہ خرچ کر دیا جائے تو ختم ہو جائے گا اور علم کی شان یہ ہے کہ جتنا لٹایا جائے گا اتنا ہی بڑھتا جائے گا۔

وہ مال کا بخیل ہے۔ یہ جگہ کا بخیل ہے۔ وہ شعر کا بخیل ہے۔ اور آگے بڑھئے ایک مسئلہ مجھے آتا ہے۔ ایک آدمی مسئلہ پوچھنے کیلئے آ گیا۔ میں نے سوچا کہ اگر میں نے بتا دیا تو مجھ میں اور اس میں فرق ہی کیا رہ جائے گا۔ میں چاہتا ہوں کہ دنیا والے یہ سمجھیں کہ ایک مسئلہ ایسا بھی ہے جسکو میرے علاوہ کوئی نہیں جانتا ہے۔ ہزار پوچھنے والے آئیں۔ میں بتانے کیلئے تیار نہیں۔ مال دار اپنا مال نہ دے تو بخیل اور عالم اپنا علم نہ دے تو بہت بڑے عالم؟ نہیں یہ بہت بڑے عالم نہیں ہیں یہ بہت بڑے بخیل ہیں۔

ہماری کمزوری یہ ہے کہ ہم نے بخل کی قسموں کو نہیں پہچانا ہے۔ ہم یہ سمجھتے ہیں کہ خالی مال ہمارے پاس آجائے اور خدا ایسی توفیق دے دے کہ مال

لٹاتے رہیں نہیں عزیزو، آپ مال لٹاتے رہیں اس کے بعد بھی آپ کریم نہ بنیں گے۔ آپ سارا مال خرچ کردیں اس کے بعد بھی سخی نہ ہوں گے اسلئے کہ زندگی میں سخاوت اور بخل کے بہت سے شعبے ہیں جب تک انسان ہر شعبے میں کرم اور سخاوت کا مظاہرہ نہ کرے گا کریم اور سخی کے جانے کے قابل نہ ہوگا۔ غور کیا آپ نے۔ اگر ان تمام خصوصیات کو آپ نگاہ میں رکھیں تو قرآن کی آیت کے معنی پہچانیں "ومن یوق شح نفسہ فاولئک ھم المفلحون" جو نفس کے بخل سے محفوظ ہوجائے۔ جو نفس کی کنجوسی سے محفوظ ہوجائے بس یہ ہیں جنکی کامیابی یقینی ہے۔

توجہ کی آپ نے۔ کامیابی بخل میں نہیں ہے۔ بخل سے محفوظ ہوجاؤ تو کامیابی ہے۔ کیوں؟ اسلئے کہ اگر بخل سے محفوظ ہوگئے تو آپ سے کون سا کمال بچا ہے۔ مال ہے وہ دیدیا۔ جگہ ہے وہ دیدی۔ علم ہے وہ دیدیا۔ کمال ہے وہ دیدیا جو اتنا لٹانے پر آمادہ ہوجائے وہ اگر کامیاب نہ ہوگا تو کون کامیاب ہوگا۔

میں ایک لفظ اس مقام پر اور کہنا چاہتا ہوں۔ شائد آپ اس کے معنی محسوس کریں۔ کمال کا جمع کرلینا یہ کامیابی نہیں ہے مال اور کمال کا لٹا دینا یہ کامیابی ہے۔ اگر کروڑوں کا خزانہ رکھ کے قارون ہوجائے تو یہ کامیاب نہیں ہے۔ بیت المال میں جھاڑو دیکر مصلٰی بچھا دے تو کامیاب ہے۔ کمال کو دبا کے بیٹھ جائے تو کامیاب نہیں ہے سلونی کا اعلان کرے تو کامیاب ہے۔ اسی لئے تاریخ میں ہم نے دو لفظیں دیکھی ہیں۔ جو مال کو دبا لیتے ہیں انھیں غنی کہا جاتا ہے اور جو لٹا دیتے ہیں انھیں جناب امیر کہا جاتا ہے۔

تو انسان کی کامیابی یقینی ہے اگر انسان کے نفس سے یہ بخل نکل جائے۔ یہ عیب نکل جائے۔ یہ کمزوری یہ نقص جدا ہوجائے۔

یہ ایک راستہ ہے جو قرآن مجید نے کامیابی کیلئے بیان کیا ہے اور جس میں کامیابی کو یقینی قرار دیا ہے۔

اس کے بعد آپ قرآن مجید کھولیں تو پہلے صفحہ پر یہ اعلان موجود ہے "ذلک الکتاب لاریب فیہ ھدی للمتقین الذین یومنون بالغیب ویقیمون الصلوۃ ومما رزقناھم ینفقون والذین یومنون بما انزل الیک وما انزل من قبلک وبالآخرۃ ھم یوقنون ہ اولئک علی ھدی من ربھم واولئک ھم المفلحون"۔

یہ قرآن وہ کتاب ہے جسمیں کسی شک اور شبہ کی گنجائش نہیں ہے۔ یہ صاحبان تقویٰ کیلئے ہدایت ہے اور متّقی وہ افراد ہیں جن کا ایمان غیب پر ہے جو نماز قائم کرنے والے ہیں۔ خدا کے دیئے ہوئے رزق میں سے راہ خدا میں خرچ کرنے والے ہیں۔ یہ وہ ہیں جن کا ایمان اس پر بھی ہے جو نبی پر نازل ہوا ہے اور اس پر بھی ہے جو پیغمبر سے پہلے نازل ہوا ہے اور یہ آخرت پر یقین رکھنے والے ہیں۔ جو یہ کمالات جمع کرلیں یہی وہ ہیں جو خدا کی طرف سے منزل ہدایت پر ہیں "واولئک ھم المفلحون" اور یہی وہ ہیں جو کامیاب ہیں۔

تو قرآن نے کامیابی کو کہاں یقینی قرار دیا ہے؟ کامیابی یقینی ہے متقین کیلئے۔ متقین کون ہیں؟ جن کا ایمان غیب پر ہو۔ اس کے معنی کیا ہوئے کہ اگر انسان متّقی نہیں ہے تو کامیابی یقینی نہیں ہے۔ اگر انسان کا ایمان غیب پر نہیں ہے تو کامیابی یقینی نہیں ہے۔ اگر انسان نماز قائم نہیں کرتا ہے تو کامیابی یقینی نہیں ہے۔ اگر راہ خدا میں خرچ نہیں کرتا ہے تو کامیابی یقینی نہیں اگر تنزیل خدا پر بھروسہ نہیں ہے تو کامیابی یقینی نہیں ہے۔ اگر آخرت کا یقین نہیں ہے تو کامیابی یقینی نہیں ہے۔ جب یہ سارے کمالات جمع ہوجائیں تو قرآن کہتا ہے "اولئک ھم المفلحون" یہ وہ افراد ہیں جنکی کامیابی یقینی ہے۔ جنکو

پروردگار عالم نے فلاح یافتہ قرار دیا ہے۔ یہ وہ مرحلہ ہے جہاں نجات کو یقینی بنایا گیا ہے۔ جہاں نجات کا فقط امکان اور احتمال نہیں ہے بلکہ یقین ہے۔

اس کے علاوہ نجات کے اور بھی مرحلے ہیں اور شائد سب کا وقت نہ رہ جائے۔

قرآن مجید کا سورہ مومنون۔ جہاں پروردگار عالم نے نجات کا اعلان کیا ہے "قد افلح المومنون" فلاح اور کامیابی صاحبان ایمان کیلئے ہے۔ کون صاحبان ایمان؟ "الذین ھم فی صلوتھم خاشعون" وہ صاحبان ایمان جو نماز پورے خضوع و خشوع اور توجہ قلب کے ساتھ ادا کرتے ہیں "والذین ہم عن اللغو معرضون" لغویات سے اعراض کرنے والے ہیں "والذین ھم للزکوۃ فاعلون" جو زکوۃ ادا کرنے والے ہیں۔ راہ خدا میں بہت سی نیکیاں انجام دینے والے ہیں "اولئک ھم الوارثون الذین یرثون الفردوس" یہ وہ جنت کے وارث ہیں جو آخرت میں جنت کے وارث قرار دیئے جائیں گے۔

تو نماز ادا کرے توجہ کے ساتھ۔ لغویات سے اعراض کرے۔ زکوۃ ادا کرے۔ شہادتوں کے ساتھ قیام کرے۔ نیکیوں کو انجام دے۔ جب یہ سارے کمالات پیدا ہو جائیں تو خدا کہتا ہے "قد افلح المومنون" یقیناً ایسے ایمان والے ہیں جنکی کامیابی یقینی ہے۔

تو عزیزان محترم بس میں بات کو آخری مرحلے پر لاتے ہوئے ایک آخری جملہ کہہ کر اس موضوع کو یہیں پر روک دینا چاہتا ہوں انشاء اللہ باقی باتیں آئندہ گذارش کروں گا۔

قرآن مجید کے بیان کی بنیاد پر عالم انسانیت تین حصوں میں تقسیم ہو گیا ہے۔

کچھ وہ ہیں جن کے بارے میں طے ہیکہ کامیاب نہیں ہیں۔

کچھ وہ ہیں جن کے بارے میں امکان اور احتمال کامیابی کا پایا جاتا ہے کہ اگر شرائط کو اکٹھا کریں تو کامیاب ہوجائیں گے اور اگر شرائط سے خالی رہ جائیں تو ناکام ہوجائیں گے۔

یہ کل خلاصہ ہے قرآن مجید کے ان بیانات کا۔ اب آیئے اسلام کی تاریخ کے دو جملے دیکھیں اور بات مکمل ہوجائے۔

اسلام پیغام فلاح ہے۔ اسلام کا پیغام کامیابی کا پیغام ہے۔ پیغمبرؐ اسلام نے راہ تبلیغ میں زبان کھولی تو پہلا جملہ کہا "قولوا لا الہ الا اللہ تفلحوا" لا الہ الا اللہ کہو اسی میں فلاح اور اسی میں کامیابی ہے یعنی پیغمبرؐ کامیابی کا پیغام لیکر آئے ہیں۔ پیغمبرؐ عالم انسانیت کو کامیاب بنانے کیلئے آئے ہیں۔ یہی نبوت کا کام تھا اور اسی ایک کام کی ساری تفصیلات ہیں۔ جن کا ذکر قرآن مجید میں پایا جاتا ہے میں نے ناکامی کا اعلان اسی لیے کیا ہے کہ کامیابی کو پہچانو۔ کامیابی کے راستے اسی لیے بتائے ہیں تاکہ لا الہ الا اللہ کے راستہ پر چلنے کا طریقہ سیکھو۔ کامیاب لوگوں کا تعارف اسی لئے کرایا گیا تاکہ اندازہ ہوجائے کہ کیسے ہوجاؤ تاکہ کامیاب ہوجاؤ۔ تو پیغمبرؐ اسلام کا ابتدائی اجمال "قولوا لا الہ الا اللہ" اور قرآن مجید کی ساری تفصیلات سب کا ایک ماحصل ہے ایسے ہوجاؤ کہ کامیاب کے جاؤ۔ نبی اسی کام کیلئے آیا ہے کہ تم کامیاب ہوجاؤ تو نبی کا مقصد مکمل ہوجائے۔ اب آخری جملہ کو یاد رکھئے گا۔ پیغمبر کا پہلا پیغام فلاح و کامیابی اور قرآن کی یہ ساری آیتیں اسی کامیابی کی تشریح۔ اسی کامیابی کی تفصیل۔ اسی کامیابی کی توضیح۔ جب پیغمبرؐ اور قرآن کا کل مقصد یہ ہے کہ عالم انسانیت کامیاب ہوجائے تو عزیزو مجھے ایک بات کہنا ہے کہ جب نبی کی جگہ پر نبی کے کام کو سنبھالنا ہوگا۔ جب قرآن کی جگہ پر وارث قرآن لانا ہوگا تو ایسے آدمی کو ڈھونڈھنا

پڑے گا جو نبی کی طرح کامیابی کا پیغام لانے والا ہو۔ اور قرآن کی طرح کامیابی کی ضمانت دینے والا ہو۔ شائد یہی راز تھا کہ بچے نے نبی کی گود میں آنے کے بعد جو توریت و انجیل و زبور کی تلاوت کے بعد قرآن کی تلاوت کا آغاز کیا تو سورۂ حمد سے نہیں۔ قل ھواللہ سے نہیں بلکہ سب سے پہلے سورہ مومنون کی آیت پڑھی "قد افلح المومنون" کامیابی صاحبان ایمان کیلئے ہے۔ یعنی نبیؐ نے تبلیغ میں زبان کھولی تو پہلا اعلان تھا "تفلحوا" کامیابی۔ علیؑ نے دنیا میں زبان کھولی تو پہلا اعلان تھا۔ فلاح و کامیابی۔

یہ نبیؐ کی حیات ہے وہ علیؑ کی حیات ہے۔ اور کیا کہنا اس حیات علیؑ کا کہ دنیا میں آکے نبیؐ کی گود میں بولے تو کامیابی کا اعلان اور مسجد کوفہ میں سر پر ضربت لگی تو پھر کامیابی کا اعلان تاکہ اندازہ ہو جائے کہ یہ پوری حیات کامیابی ہی کامیابی ہے۔

یہ حیات علیؑ بن ابی طالبؑ ہے جسکا آغاز بھی کامیابی اور جس کا انجام بھی کامیابی۔ اور اسی لئے جب علیؑ نے سورۂ مومنون کی آیات کی تلاوت شروع کی تو پیغمبرؐ نے ایک جملہ ارشاد فرمایا "بک یفلح المومنون" جو آیتیں تم پڑھ رہے ہو "قد افلح المومنون" صاحبان ایمان کامیاب ہو گئے جو نماز پڑھنے والے، زکوٰۃ دینے والے، برائیوں سے پرہیز کرنے والے ہیں۔ یہ سب صاحبان ایمان کامیاب ہو گئے مگر یا علیؑ یہ کامیابی تمھاری وجہ سے ہے۔ یہ کامیابی تمھارے ذریعہ سے ہے۔ اس کے معنی کیا ہوئے کہ نمازیوں کو کامیابی ملے گی مگر تمھارے ذریعہ۔

یعنی خالی حی علی الفلاح سے کام نہ چلے گا۔ اسے بھی تو درمیان میں لاو جس کے ذریعہ کامیابی کا اعلان ہے "خیر العمل" علیؑ سے وابستگی کا اعلان ہے۔

عالم انسانیت کو منزل فلاح اور کامیابی تک پہونچانے کیلئے سرکار دو عالم نے جتنی زحمتیں برداشت کیں اپنے اقوال کے ذریعہ، قرآن مجید کی آیات کے ذریعہ

تکلیف ہو اور چھوڑ کے آدمی راحتوں کی تلاش میں نکل پڑے۔ وطن میں غربت ہو اور انسان دولت کی تلاش میں نکل پڑے۔ وطن میں پریشانیاں ہوں اور انسان آرام کی تلاش میں نکل پڑے یعنی انسان اس وقت گھر سے نکل رہا ہو جب اس کے سامنے بہترین مستقبل ہو یا انسان اس وقت وطن سے نکل رہا ہو۔ جب نانا کی قبر سے آواز آرہی ہو۔ حسینؑ مشیت تم کو خاک و خون میں ڈوبا ہوا دیکھنا چاہتی ہے۔ حسینؑ جاؤ سر کٹاؤ تاکہ میرا دین باقی رہ جائے۔ ایسے پیغام کے بعد جو کوئی وطن چھوڑ رہا ہو تو اس کے وطن چھوٹنے کا انداز دنیا کے عام غریب الوطن افراد سے یقیناً مختلف ہوگا۔ وہ کتنا نازک اور سنگین موقع تھا جب حسینؑ ۲۸ / رجب کی رات دربار حاکم میں طلب کئے گئے۔ مسجد پیغمبرؐ میں بیٹھے ہوئے ہیں۔ چاہنے والے ساتھ ہیں کہ ایک مرتبہ آنے والے نے ایک پیغام پہونچایا کہ آپ کو حاکم کے دربار میں طلب کیا گیا ہے۔ ساتھ بیٹھنے والے افراد نے کہا کہ یہ وقت کوئی دربار کا نہیں ہوتا ہے۔ اس وقت کیوں دربار میں طلب کیا گیا ہے؟ فرزند رسولؐ نے فرمایا کہ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ شائد شام کے حاکم نے انتقال کیا ہے اور حکومت تبدیل ہو گئی ہے۔ مجھے اس مقصد کے کے لیے بلایا گیا ہے کہ مجھ سے اپنی حکومت اور اقتدار کی موافقت حاصل کی جائے۔ مشورہ دینے والوں نے کہا کہ ایسے موقع پر مناسب نہیں ہے کہ آپ دربار میں جائیں۔ بہتر یہ ہے کہ اگر خطرات زیادہ ہیں تو آپ وطن چھوڑ کے صحراؤں میں نکل جائیں۔ فرزند رسولؐ نے کہا۔ یہ نہیں ہو سکتا ہے۔ میں جاؤں گا اور ان کے مطالبہ کو سنوں گا۔ حق کا اعلان کروں گا اس کے بعد حق کی راہ میں جو قربانی دینا پڑے گی اس قربانی کیلئے تیار ہوں۔

بس ارباب عزاء چند لمحوں سے زیادہ اور نہیں گزارش کروں گا۔ فرزند رسولؐ گھر میں آئے اور آکے بہن سے بیان کیا۔ میں مسجد میں تھا۔ حاکم کے

کامیابی کے طریقے انسانوں کو بتائے۔ اس کے بعد اپنے عمل کے ذریعہ انسانیت کے قافلہ کو اس راستہ پر لیکر چلے جو کامیابی کا راستہ ہے۔ اگر انسان اسی راستہ پر چلتا رہتا تو یقینا کامیاب ہوجاتا۔ اس راستہ کو باقی رکھنا۔ اس راستہ پر چلتے رہنا اور اس راستہ پر چلنے کی عالم انسانیت کو دعوت دینا یہی نبیؐ اور آل نبیؐ کا کارنامہ تھا کہ پیغمبرؐ جس پیغام کو لائے ہیں یہ پیغام فلاح و کامیابی ضایع اور برباد نہ ہونے پائے۔ اسی پیغام کو عام کرنے کیلئے اور عالم انسانیت کو اسی منزل فلاح سے آشنا بنانے کے لیے جب فرزند رسول نے دیکھا کہ دنیا اس راستہ سے ہٹ کے گمراہ ہوئی جارہی ہے اور ناکامی کے راستہ پر چلی جارہی ہے کہ قرآن کہہ رہا تھا کافر کامیاب نہیں ہے اور یہ کفر کے راستہ پر جارہے ہیں۔ قرآن نے کہا تھا کہ ظالم کامیاب نہیں ہیں اور یہ ظلم کے راستہ پر جارہے ہیں۔ قرآن کا کہنا ہے کہ مجرم کامیاب نہیں ہے اور یہ جرم کے راستوں پر جارہے ہیں۔ قرآن نے کہا کہ افترا پرداز کامیاب نہیں ہے اور یہ نبی اور خدا کے خلاف افترا پردازی کررہے ہیں۔ جب حسینؑ نے دیکھا کہ دنیائے انسانیت، دنیائے اسلام ناکامی کے راستہ پر جارہی ہے تو حسینؑ آگے بڑھے کہ میں ہر طرح کی قربانی دے سکتا ہوں مگر کامیابی کی راہوں کو واضح کئے بغیر نہیں رہ سکتا۔ میں بھٹکتی ہوئی انسانیت کو پھر اس راستہ پر لانا چاہتا ہوں جس راستہ پر میرے نانا لگا کے گئے تھے۔ چنانچہ امام حسینؑ تیار ہوگئے اور وہ تاریخ آگئی جب فرزند رسولؐ کو وطن چھوڑنا پڑا۔ اِس درد کو دنیا کا ہر انسان محسوس نہیں کرسکتا لیکن کسی نہ کسی مقدار میں اس درد کا اندازہ ہر غریب الوطن انسان کو ہوتا ہے۔ میرے سامنے جو مجمع ہے ان میں تقریبا سب ہی غریب الوطن ہیں۔ سب ہی اپنا وطن چھوڑ کے آئے ہیں مگر عزیزو، بڑا فرق ہے، وطن میں

حاکم نے انتقال کیا ہے اور مجھے بلایا گیا ہے مجھ سے بیعت طلب کرنے کیلئے۔ کہا بھیا پھر کیا ارادہ ہے۔ کہا میں نے وعدہ کیا ہے میں دربار میں ضرور جاؤں گا تاکہ حق و باطل کا فیصلہ ہو جائے۔ بس یہ سننا تھا کہ بہن نے کہا بھیا اگر آپ نے یہ طے کر لیا ہے کہ دربار میں جائیں گے تو میں آپ کو منع تو نہیں کر سکتی مگر ماںجائے میں آپ کو تنہا بھی نہ جانے دوں گی۔ میں ظالم کے دربار میں آپ کو اکیلے نہ جانے دوں گی۔

آواز دی عباسؑ آقا دربار میں جا رہے ہیں۔ علیؑ اکبر۔ بابا دربار میں جا رہے ہیں۔ بنی ہاشم کے شیرو، مولاؑ دربار میں جا رہے ہیں۔ جاؤ مولا کے ساتھ جاؤ۔

بنی ہاشم کے شیر تیار ہوئے۔ اسلحے سجنے کے بعد اب مولا کے ساتھ آئے۔

روایت کہتی ہے کہ تیس ہاشمی شیر مولا کو اپنے حلقہ میں لئے ہوئے چلے۔ ہاں جس بہن نے یہ منظر دیکھا ہو کہ مدینہ پیغمبرؐ میں فقط دربار تک جانے کا موقعہ آیا تھا تو میرے بھیا کے گرد تیس ہاشمی شیر حلقہ بنائے ہوئے تھے۔ وہی بہن جب عصر کے ہنگام دیکھے گی کہ ماںجایا اس عالم میں تیروں اور تلواروں کے درمیان جا رہا ہے کہ:

نہ لشکرے نہ سپاہے نہ کثرت الناسے

نہ قاسمے نہ علی اکبرے نہ عباسے

حسینؑ چلے۔ دارالامارہ کے دروازے کے قریب پہونچے۔ چاہنے والوں سے، ہاشمی شیروں سے فرمایا۔ تم دربار میں نہ جانا میں دربار میں جاتا ہوں۔ تم ٹھہر جاؤ میں جا کے صورت حال کا جائزہ لیتا ہوں۔ ہاں اگر میری آواز بلند ہو جائے تو پھر کسی اجازت کی ضرورت نہیں ہے میں تمھیں اجازت دیتا ہوں کہ دربار میں آجانا۔ مولا دربار میں آئے خبر وفات سنائی گئی۔ مولا کے سامنے بیعت کا تقاضہ رکھا گیا۔ فرمایا

اتنے اہم مسائل رات کی تاریکی میں طے نہیں ہوتے۔ صبح کو دربار آراستہ ہو جائے تو مجھے طلب کر لینا تاکہ میں لوگوں کے سامنے یہ واضح کر سکوں کہ کون بیعت طلب کرنے کے قابل ہے اور کون بیعت کرے گا۔

حاکم نے کہا بیشک آپ کا بیان بالکل صحیح ہے۔ آپ تشریف لے جائیں۔ یہ فیصلہ کل ہوگا۔ مگر پاس بیٹھے ہوئے مروان نے کہا۔ ولید اگر حسینؑ اس وقت بچ کے نکل گئے تو اس وقت تک دوبارہ تیرے قبضہ میں نہ آئیں گے جب تک مدینہ میں خون کی ندیاں نہ بہہ جائیں۔ بہتر یہی ہے کہ ابھی حسینؑ کا سر قلم کرے۔ یہ بیعت کریں یا گلا کاٹ دیا جائے۔ بس یہ سننا تھا حیدر کرار کے شیر کو جلال آگیا۔ فرمایا "اتھددنی بالقتل یا بن الزرقاء" او زن نیلگوں چشم کے بچے، تو مجھے قتل سے ڈراتا ہے۔ کون مجھے قتل کرے گا۔

حسینؑ کی آواز کا بلند ہونا تھا کہ ایک مرتبہ دار الامارہ کا دروازہ کھلا۔ ہاشمی شیر دار الامارہ میں آگئے۔ کس نے مولا کی شان میں گستاخی کی ہے۔ آگے آگے عباس علمدار۔ مولا نے قبضہ شمشیر پر ہاتھ رکھدیا۔ بھیا ٹھہرو۔ ٹھہرو۔ یہ تلوار چلانے کا وقت نہیں ہے۔

بس عزیزو۔ بیان تمام ہو رہا ہے۔ بنی ہاشم کے شیر اپنے حلقہ میں لئے ہوئے مولا کو بیت الشرف تک واپس لائے۔ اب جو گھر میں قدم رکھا تو بہن نے بڑھ کر گلے میں باہیں ڈالدیں۔ بھیا خیر تو ہے۔ کیا گذری۔ امام حسینؑ نے روداد بیان کی اور فرمایا کہ بہن اب یہ مدینہ رہنے کے قابل نہیں ہے۔ اب یہ وطن چھوڑنا ہوگا۔ بہن سفر کی تیار کر۔

لو عزیزو، بہن نے سامان سفر تیار کرنا شروع کر دیا۔ حسینؑ نے کہا میں جاتا ہوں نانا کی قبر سے رخصت ہونے کیلئے۔ میں جاتا ہوں مادر گرامی کو آخری سلام

کرنے کیلئے۔ پہلے آئے نانا کی قبر کے سرہانے بیٹھ گئے۔ قبر سے لپٹ کے روتے رہے ایک مرتبہ آنکھ لگ گئی تو دیکھا کہ جیسے قبر کھلی اور پیغمبر سامنے آ گئے۔ بیٹا خیر تو ہے۔ حسینؑ یہ تمھارا کیا عالم ہے۔ کہا نانا اب مدینہ رہنے کے قابل نہیں رہ گیا ہے۔ اب مجھے بہت ستایا جا رہا ہے۔ نانا کیا یہ ممکن نہیں ہے کہ آپ مجھے اپنے پاس بلالیں۔ فرمایا بیٹا اگر تم یہاں آجاؤ گے تو کربلا کون جائے گا۔ حسینؑ کربلا جاؤ سر کٹاؤ تاکہ میرا دین زندہ رہ جائے۔ اور حسینؑ یاد رکھنا اکیلے نہ جانا۔ عورتوں اور بچوں کو ساتھ لیکر جانا۔ نانا کی قبر سے اٹھے۔ سلام آخر کیا۔ اب ماں کی لحد کے سرہانے آکے بیٹھ گئے۔ ہائے حسینؑ اس ماں کی قبر کے پاس آئے ہیں جس کے جنازہ کے قریب کھڑے ہو کر حسینؑ نے فقط اتنا کہدیا تھا کہ اماں ہم آپ کے بعد یتیم ہو گئے تو بند کفن ٹوٹ گئے۔ ماں نے بچے کو گلے سے لگالیا۔ آج وہی حسینؑ آکے آواز دے رہے ہیں۔ مادر گرامی اپنے حسینؑ کا آخری سلام لے لیجئے۔ اب میں مدینہ چھوڑ کے جا رہا ہوں۔ یہ کہہ کر حسینؑ چلنا چاہتے ہیں کہ قبر سے آواز آئی "علیک السلام یا غریب الام" اے ماں کے غریب و مظلوم مسافر حسینؑ اماں کا سلام بھی لیتا جا اور حسینؑ تم اکیلے نہ جاؤ گے۔ یہ ماں تمھارے ساتھ رہے گی جہاں جہاں حسین وہاں وہاں فاطمہؑ۔ عاشور کی رات جب مقتل میں آئے تو چاہنے والے کے کانوں میں کسی کے رونے کی آواز آئی۔ کہا مولا یہ کون بی بی ہے جو رو رہی ہے۔ فرمایا تمھیں نہیں معلوم۔ یہ اماں فاطمہؑ زہرا ہیں جب سے میں نے مدینہ چھوڑا ہے ماں اپنے لال کو جدا نہیں کر سکی ہے اور سوچو جس کا گھر اُجڑ رہا ہو وہ فریاد نہ کرے گی تو کیا قبر میں چین سے آرام کرے گی۔ واحسیناہ واحسیناہ وا محمداہ وا محمداہ۔

سیعلم الذین ظلموا ای منقلب ینقلبون

مجلس ۲

حقیقی صاحبان ایمان وہ ہیں جو اس رسولؐ نبیؐ اُمّی کا اتباع کرتے ہیں جس کا تذکرہ توریت میں بھی ہے اور انجیل میں بھی ہے وہ لوگوں کو نیکیوں کا حکم دیتا ہے اور برائیوں سے روکتا ہے۔ طیبات کو حلال قرار دیتا ہے۔ خبیث چیزوں کو حرام قرار دیتا ہے۔ عالم انسانیت کے سروں سے اس بوجھ کو اُٹھا لیتا ہے جسکے نیچے انسانیت دبی ہوئی ہے اور ان زنجیروں کو توڑ دیتا ہے جن میں انسانیت گرفتار ہے۔ پس وہ لوگ جو ایسے پیغمبرؐ پر ایمان لائے جنھوں نے پیغمبرؐ کا احترام کیا اور پیغمبر کی مدد کی اور اس نور کا اتباع کیا جو نبی کے ساتھ نازل کیا گیا ہے یہی وہ افراد ہیں جو کامیاب کہے جانے کے قابل ہیں۔

قرآن حکیم کی اس آیۂ کریمہ کے ذیل میں آغاز عشرۂ محرم کے ساتھ جس سلسلہ مجالس کا آغاز ہوا ہے اس کے دوسرے مرحلہ پر آج کچھ باتیں اس رسولؐ اکرم سے متعلق گذارش کرنا ہیں جسکو اس رسالت الٰہیہ کا ذمہ دار بنایا گیا ہے۔ اس کے پہلے تمہیدی مجالس میں آپ کے سامنے یہ بات گذارش کی جا چکی ہے کہ وہ پیغام جو سرکار دو عالمؐ عالم انسانیت کی فلاح و کامیابی کیلئے لیکر آئے تھے وہ پیغام ہر اعتبار سے جامع اور ہمہ گیر تھا زندگی کا کوئی شعبہ ایسا نہیں ہے جسکا علاج اس پیغام میں نہ کیا گیا ہو اور زندگی کا کوئی رُخ ایسا نہیں ہے جسکی طرف اس پیغام میں توجہ نہ

دی گئی ہو۔ اس پیغام کا تعارف سرکار دوعالم نے پیغام فلاح کے نام سے کرایا ہے "قولوا لا الٰہ الا اللہ تفلحوا"۔ لا الٰہ الا اللہ کہو اسی میں تمہارا فلاح اور تمہاری کامیابی ہے۔

قرآن مجید نے اس فلاح اور کامیابی کے تفصیلات بیان کرتے ہوئے تین طرح کے افراد کی نشاندہی کی اُن لوگوں کا بھی پتہ بتایا جن کے مقدر میں کامیابی نہیں ہے۔ اس راستہ کی بھی نشاندہی کی ہے جس راستہ پر چلنے کے بعد انسانی زندگی کامیاب ہو سکتی ہے اور ان لوگوں کا بھی پتہ بتایا ہے جو واقعاً کامیاب ہیں اسلئے کہ انھوں نے اس طریقہ حیات کو اختیار کرلیا ہے۔ جو طریقہ حیات انسان کی زندگی کو کامیاب بنانے کیلئے پیش کیا گیا تھا۔

آج اس گفتگو کے دوسرے مرحلہ پر جو باتیں آپ کے سامنے گذارش کرنا ہیں۔ ان کا خلاصہ تین عنوانات کے تحت آپ کے سامنے پیش کیا جائے گا۔

پہلا مرحلہ یہ ہے کہ وہ پیغمبر جسکو ایسی رسالت الٰہیہ اور ایسے پیغام کا ذمہ دار بنایا گیا ہے اس پیغمبر کی شان کیا تھی۔ اس پیغمبر کی عظمت کیا تھا اور ایسے پیغام کیلئے واقعاً جسکو پیغامبر ہونا چاہئے تھا سرکار دوعالم میں واقعاً وہ صفات اور کمالات پائے جاتے ہیں یا نہیں۔ قرآن حکیم کی آیات کی روشنی میں اس مسئلہ کا جائزہ لیا جائے گا۔

دوسرا مرحلہ یہ ہے اگر پیغمبر اسلام کو مالک کائنات نے ان تمام صفات اور کمالات کا حامل بنا کر دنیا میں بھیجا ہے جو صفات اور کمالات ایسے پیغام الٰہی کیلئے ضروری تھے تو وہ لوگ جنکی طرف پیغمبر بنا کر بھیجا گیا ہے ان کی ذمہ داریاں کیا ہیں۔ اس پیغمبر کے مقابلہ میں ان کے فرائض کیا ہیں یہ گفتگو کا دوسرا مرحلہ ہے۔

تیسرا مرحلہ یہ ہے کہ وہ اُمتیں جنکی طرف کوئی پیغمبر بھیجا گیا ہے یا وہ اُمت جنکی

طرف پیغمبرؐ عربی کو بھیجا گیا ہے اس اُمت کا برتاؤ پیغمبرؐ کے ساتھ کیا رہا۔ سابق اُمتوں کا برتاؤ اپنے پیغمبروں کے ساتھ کیا رہا۔ تاکہ یہ اندازہ کیا جاسکے کہ اللہ کے پیغامبر اس دنیا کی نجات کیلئے کیسی زحمتیں برداشت کرتے رہے اور اس نافہم دنیا نے ان پیغمبروںؐ کی زحمتوں کی کیسی ناقدری کی ہے۔

یہ میری گفتگو کے تین مراحل ہیں جو میں آپ کے سامنے گزارش کرنا چاہتا ہوں۔ ظاہر ہے کہ ساری تفصیلات کے عرض کرنے کا موقع نہیں ہے لیکن ایک اجمالی خاکہ اگر آپ کے ذہن میں رہے گا تو عظمت پیغمبر کا بھی اندازہ ہوگا اور اُمت کے فرائض کا بھی احساس پیدا ہوگا اور اُمت کی ناقدری کا بھی اندازہ کیا جاسکے گا۔

جہاں تک پیغمبرؐ اسلام کی عظمت کا تعلق ہے۔ مالک کائنات نے اپنے حبیب کی عظمت کا تعارف تین اعتبار سے کرایا ہے۔ یہ میرے سارے مطالعات کا خلاصہ ہے جو میں آپ کے سامنے اجمالی طور سے گزارش کر رہا ہوں۔

مالک کائنات نے اپنے پیغمبرؐ کا تعارف تین اعتبارات سے کرایا ہے۔

ایک اعتبار پیغمبرؐ کے مزاج کا ہے۔

دوسرا اعتبار پیغمبرؐ کی ہمہ گیر شخصیت کا ہے اور تیسرا اعتبار پیغمبرؐ کی قوت اور طاقت کا ہے۔

اگر پیغمبر کے مزاج کو پہچاننا چاہتے ہو تو اسکا تذکرہ بھی قرآن میں پایا جاتا ہے۔ اگر پیغمبر کی شخصیت کی عظمتوں کا جاننا چاہتے ہو تو اسکا تعارف بھی قرآن مجید میں کرایا گیا ہے۔ اگر پیغمبر کی طاقت کو محسوس کرنا چاہتے ہو تو قرآن مجید میں اسکا تذکرہ بھی پایا جاتا ہے۔

پیغمبرؐ اسلام کے مزاج اور پیغمبرؐ کی رسالت کے مزاج کا تعارف قرآن حکیم نے ایک لفظ میں کرایا ہے "وما ارسلناک الا رحمۃ للعالمین" اے پیغمبر ہم نے آپکو

عالمین کیلئے رحمت بنا کر بھیجا ہے۔ پیغمبرؐ کی شریعت میں سوائے رحمت کے کچھ نہیں ہے۔ پیغمبرؐ کے قانون میں سوائے رحمت کے کچھ نہیں ہے۔ پیغمبرؐ کے مزاج میں سوائے رحم اور مہربانی کے کچھ نہیں ہے۔ اگر تمھیں شریعت کے قوانین میں سختیاں نظر آتی ہیں یا تمھیں پیغمبرؐ کا کوئی برتاو نامناسب دکھائی دیتا ہے تو وہ تمھاری سمجھ کی کمزوری ہے پیغمبرؐ کے مزاج کی کمزوری نہیں ہے۔ وہ تمھارے ادراک کی کمزوری ہے پیغمبرؐ کے قانون کی کمزوری نہیں ہے۔ اگر پیغمبرؐ دنیا کو زندگی کا سبق دیتا ہے تو یہ بھی رحمت الٰہیہ کا ایک نمونہ ہے۔ اگر میدان میں جا کر گلا کٹا دینے کا حکم دیتا ہے تو یہ بھی رحمت الٰہیہ کا ایک مرقع ہے۔ پیغمبرؐ اگر کسی محفل میں آنے والے کیلئے سراپا کھڑا ہو جاتا ہے تو یہ بھی ایک رحمت پروردگار ہے اور اگر کسی کو اپنی مجلس سے اٹھا دیتا ہے تو یہ بھی ایک رحمت الٰہی ہے۔

پیغمبرؐ اسلام کے قانون میں سوائے رحمت اور مہربانی کے کچھ نہیں ہے۔ سرکار دوعالم کی اپنی حیات اور حضورؐ کا قانون وہ ہے جسے مالک کائنات نے سراپا رحمت قرار دیا ہے۔ اسی لئے پروردگار عالم نے یہ اعلان نہیں کیا ہے "وما خلقناک الّا رحمۃ للعالمین" ہم نے آپ کو رحمت بنا کر پیدا کیا ہے اگر یہ کہدیا ہوتا تو اس کے معنی یہ ہوتے کہ خلقت پیغمبر رحمت ہے۔

مالک نے فرمایا ہے "وما ارسلناک الّا رحمۃ للعالمین" ہم نے آپ کو رحمت بنا کر بھیجا ہے۔ یعنی آپ کا وجود تو رحمت تھا ہی آپ کی حیات تو رحمت تھی ہی آپ کو پورا پیغام بھی رحمت ہے اور رحمت بھی کسی ایک عالم کیلئے نہیں عالمین کیلئے رحمت ہے۔

اب اگر شریعت پیغمبرؐ کا تعلق زمین سے ہوتا تو رسالت اہل زمین کیلئے

رحمت ہوتی۔ اگر شریعت کا تعلق آسمان سے ہوتا تو قانون آسمان والوں کیلئے رحمت ہوتا مگر شریعت پیغمبرؐ کا تعلق عالمین سے ہے لہٰذا اللہ نے پیغمبر کو عالمین کیلئے رحمت بنا کر بھیجا ہے اور اگر عزیزان محترم آپ میں قرآن فہمی کا ذوق پایا جاتا ہے تو میں ایک جملہ گذارش کرنا چاہتا ہوں تاکہ آپ فرق پہچانیں۔ "وما ارسلناک الا رحمۃ للعالمین" پیغمبرؐ ہم نے آپ کو عالمین کیلئے رحمت بنایا ہے ہم نے آپ کو عالمین کیلئے رحمت بنا کر بھیجا ہے۔ نبی سے عالمین کا رشتہ کیا ہے۔ نبی رحمت بنا کر بھیجے گئے ہیں عالمین کیلئے۔ "للعالمین" عالمین کیلئے۔ یاد رکھئے۔ کسی کیلئے رحمت ہونا اور ہے اور کسی کے درمیان ہونا اور ہے۔ اس فرق کو آپ محسوس کریں گے ابھی آپ کے سامنے ایک چھوٹی سی مثال گذارش کروں گا اپنے بچوں کے سمجھنے کیلئے۔ تو مالک کائنات نے حضورؐ کو بھیجا تو عالمین کیلئے رحمت بنا کر۔ عالمین کیلئے رحمت ہونے کے معنی یہ نہیں ہیں کہ حضورؐ کو عالمین میں بھیجا جائے کہ ایک ہفتہ زمین پر رہیں۔ ایک ہفتہ آسمان پر رہیں۔ ایک مہینہ اس عالم میں رہیں۔ ایک مہینہ اُس عالم میں رہیں۔ نہیں اگر ایسا ہوتا تو خدا نے یہ کہا ہوتا کہ ہم نے عالمین میں آپ کو بھیجا ہے مگر مالک کا اعلان ہے۔ ہم نے عالمین کیلئے بھیجا ہے۔ کسی کیلئے ہونا اور ہے اور کسی میں ہونا اور ہے۔ اب کہاں بھیجا "ھوالذی بعث فی الامیین رسولا منھم" وہ خدا وہ ہے جس نے مکہ والوں میں ایک رسول بھیجا ہے۔ تو جب مکہ والوں کا ذکر آیا تو کہا کہ مکہ والوں میں بھیجا ہے اور جب عالمین کا ذکر آیا تو کہا کہ عالمین کیلئے بھیجا ہے۔ تو جن کے درمیان بھیجا ہے وہ اور ہیں اور جن کے لئے بھیجا ہے وہ اور ہیں۔ کل شائد یہ بات نہ سمجھی جا سکتی ہو لیکن آج اس بات کا سمجھنا بہت آسان ہو گیا ہے۔

آپ بھی جانتے ہیں اور میں بھی جانتا ہوں کہ میری مجلس چودہ برس سے اس زمین کے اوپر، اس ملک میں، اس شہر میں، اس علاقہ میں، اس مجمع کے سامنے ہو رہی ہے۔ تو

جن کے درمیان میں پڑھ رہا ہوں وہ مومنین وہی ہیں جو ابو ظبی میں رہتے ہیں۔ جس جگہ پر پڑھ رہا ہوں وہ مرکز حسینی کی زمین ہے۔ جس شہر میں پڑھ رہا ہوں وہ ابو ظبی ہے۔ لیکن جن کیلئے پڑھ رہا ہوں وہ یہ نہیں ہیں۔ میری نگاہ میں سارے وہ افراد ہیں جہاں یہ کیسٹ جانے والا ہے۔ جہاں یہ خبریں جانے والی ہیں۔ جہاں چھپ کے یہ مجلسیں جانے والی ہیں۔ جہاں یہ پیغام جانے والا ہے۔ لہٰذا ہو سکتا ہے کہ کوئی بات میں کہہ رہا ہوں شائد وہ آپ کے لئے مناسب نہ ہو آپ کے مزاج کے مناسب نہ ہو آپ اسے غیر ضروری سمجھتے ہوں لیکن جہاں جہاں یہ پیغام جانے والا ہے میں اس ضرورت کو پہچانتا ہوں۔ میں اس ماحول کو جانتا ہوں۔ ہو سکتا ہے میں آپ کے درمیان خطاب کر رہا ہوں لیکن خود شہر کے اندر نہ جانے کہاں کہاں یہ آواز جارہی ہو تو جن کے درمیان تقریر ہو رہی ہے وہ اور ہیں اور جن کیلئے تقریر ہو رہی ہے وہ اور ہیں۔ اسلئے کہ کبھی کبھی ایسا ہوتا ہے کہ بعض مومنین کے مزاج پر باتیں بار ہو جاتی ہیں کہ آدھی بات کہی اور آدھی بات چھوڑ دی۔ اگر ذرا اسے واضح کر دیا ہوتا تو اور لطف آجاتا۔ یقیناً ایسا ہوتا اگر وہ بات آپ کے لئے ہوتی لیکن یہ بات تو آپ کے درمیان کہی جارہی ہے مگر آپ کے لئے نہیں کہی جارہی ہے۔ ان کے واسطے بھی کچھ باتیں کہی جاتی ہیں جو آدھی ہی سمجھنے کے لائق ہیں۔ پوری بات سمجھنے کے قابل ہی نہیں ہیں۔

تو عزیزان محترم جن کے درمیان گفتگو ہوتی ہے وہ بھی ایک ماحول ہوتا ہے اور جن کیلئے گفتگو ہوتی ہے وہ افراد بھی اپنی ایک حیثیت رکھتے ہیں۔ مالک نے کہا میں نے بھیجا تو مکہ والوں میں مگر خبردار یہ نہ سمجھ لینا کہ مکہ والوں کیلئے بھیجا ہے اگر مکہ والوں کیلئے بھیجنا ہوتا تو کوئی چھوٹا پڑھا لکھا بھی کافی ہو جاتا۔

میں نے ایک لفظ کہا آپ نے اس کے معنی پر غور نہیں کیا۔ حضور سرور کائنات جس دور میں آئے ہیں اس دور میں عربستان کے علم و فضل و کمال کا

عالم یہ تھا کہ پورے مکہ میں فقط سترہ آدمی تھے جو لکھنا پڑھنا جانتے تھے اور پورے مدینہ میں گیارہ آدمی تھے جو لکھنا پڑھنا جانتے تھے۔ آج دنیا میں آپ کوئی ایسا بد سے بدتر دیہات بھی ڈھونڈھ کے نہیں نکال سکتے جہاں تعلیم کا اوسط اتنا گرا ہوا ہو۔ ہیں دنیا میں ایسے دیہات بھی جہاں تعلیم نہیں پہونچی ہے جہاں کے لوگ لکھنا پڑھنا نہیں جانتے ہیں۔ لیکن جہاں ایک چھوٹا سا پرائمری اسکول بھی قائم ہو گیا ہے وہاں سو پچاس تو پڑھنے لکھنے والے بہرحال مل جائیں گے۔ لیکن سرکار دوعالمؐ جس دور میں آئے ہیں اس دور میں علم و فضل و کمال کا کل معیار یہ تھا کہ سولہ سترہ آدمی اِدھر۔ گیارہ بارہ ادمی اُدھر۔ کل اتنے پڑھے لکھے افراد۔ اگر وہ بھی پڑھے لکھے ہیں تو کوئی بڑی کتابوں کے پڑھے لکھے نہیں ہیں بلکہ وہ افراد ہیں جو کچھ پڑھنا جانتے ہیں۔ کچھ لکھنا جانتے ہیں۔ غور کیا آپ نے تو اگر اللہ نے اس پیغمبرؐ کو ان ہی کیلئے بھیجا ہوتا تو ان کے درمیان تو میں آج کی زبان میں اگر کہوں تو ایک مڈل پاس آدمی بھی کافی ہوتا۔ ایک ہائی اسکول پاس آدمی بھی کافی ہوتا۔ اسلئے کہ بہرحال ان سب سے زیادہ پڑھا لکھا ہوتا اور ان پر اپنی شخصیت کا رُعب قائم کر سکتا تھا اسلئے کہ یہ کچھ نہیں جانتے وہ کچھ تو جانتا ہے۔ مگر سوچئے آپ ایسے ماحول میں جہاں گنے ہوئے افراد اور پورے علاقہ میں ملا کے کل انھائیس انتیس افراد کچھ لکھنا پڑھنا جانتے ہوں ان کے درمیان اتنے بڑے انسان کو بھیجا جائے جس کے پاس زمین کا علم ہو۔ آسمان کا علم ہو۔ دنیا کا علم ہو۔ آخرت کا علم ہو۔ جسکے سینہ میں پوری کتاب سما گئی ہو جسکے بارے میں اعلان ہوتا ہے کہ خشک و تر کائنات کا کچھ نہیں ہے جو اس میں نہ ہو۔

آپ جانتے ہیں کہ ہمارے یہاں جب مدرسہ قائم کئے جاتے ہیں۔ چاہے دینی ہوں چاہے دنیوی تو پرائمری اسکول کو اگر کوئی ٹیچر درکار ہوتا ہے تو پی۔ ایچ۔

ڈی نہیں تلاش کیا جاتا بلکہ اگر کوئی مڈل پاس ہوتا ہے تو اسی کو بٹھا دیا جاتا ہے اور اگر کسی نے کہا کہ بھائی یہ تو مڈل پاس ہیں تو جواب یہ ہوتا ہے کہ پڑھنے والے بھی تو پرائمری اسکول کے طالب علم ہیں۔ ان کے واسطے یہی کافی ہیں۔ جب مڈل والے کو پڑھانا ہوگا تو ہم انٹرمیڈیٹ تلاش کریں گے۔ جب انکو پڑھانا ہوگا تو کوئی بی-اے، ایم-اے تلاش کریں گے۔ جب یونیورسٹی کا کلاس پڑھانا ہوگا تو کوئی پوسٹ گریجویٹ۔ کوئی ڈاکٹر تلاش کریں گے۔ جیسے پڑھنے والے ہوں اس سے کچھ اونچا پڑھانے والا چاہئے۔ جیسے سمجھنے والے ہوں اس سے کچھ اونچا سمجھانے والا چاہئے۔ یہ یکبارگی زمین و آسمان کی نسبت کہ پڑھنے والے اتنے جاہل کہ جہاں کوئی کچھ لکھنا پڑھنا نہیں جانتا اور پڑھانے والا اتنا بڑا عالم۔ کم سے کم وہی فریاد کرتا۔ کبھی کبھی یہ پریشانی میرے سامنے آجاتی ہیں کہ کسی مومن کو مجھ پر کچھ زیادہ ہی مہربانی کا شوق پیدا ہو گیا تو کہا کہ مولانا اگر آپ میرے بچے کو الف ب پڑھا دیتے تو پہلے ہی دن قابل ہو جاتا۔

ارے آپ پڑھے لکھے ہیں اگر آپ آئیں تو شائد مجھے بھی کچھ اطمینان ہو کہ آپ کچھ بات سمجھیں گے۔ یہ بچہ جو الف ب پڑھنے والا ہے اسے میں کیا پڑھاوں گا؟ کہا کہ اتنے پڑھے لکھے ہو کے ایک کتاب نہیں پڑھا سکتے۔ آپ سے اچھے تو وہی مولوی صاحب ہیں جو مکتب میں بیٹھ کے بچوں کو پڑھا دیتے ہیں۔ میں نے کہا بے شک اس اعتبار سے مجھ سے اچھے ہیں۔ اسلئے کہ ان کی سطح ان کی سطح سے ملتی ہوئی ہے وہ اِن کی باتیں سمجھ سکتے ہیں۔ وہ اُن کی باتیں سمجھ سکتے ہیں۔ لیکن نہ میں ان کی بات سمجھ سکتا ہوں کہ کیا کہنا چاہتے ہیں اور نہ میں اپنی بات سمجھا سکتا ہوں۔ اسلئے کہ فاصلہ اتنا زیادہ ہو گیا ہے کہ میں اسے اپنی توہین قرار دیتا ہوں کہ کوئی مجھے لے جا کے مکتب میں بٹھا دے کہ آپ بچوں کو الف ب پڑھائیں۔ میں فریاد کروں گا کہ اگر

کوئی اور سزا ہو تو وہ دیدیجئے مگر یہ سزا نہیں۔ مگر اتنے بڑے علم والا پیغمبرؐ اور ایسے جاہلوں کو پڑھانے کیلئے بھیج دیا گیا۔ کم سے کم وہی پروردگار سے فریاد کرتا کہ میرے معبود میں تو تیرا محبوب ہوں محبوب کو اپنی بارگاہ سے جدا کر دیا یہی کیا کم تھا اس کے بعد ان کے لئے بھیجا ہے جو کچھ سمجھنا ہی نہیں جانتے ہیں۔ کچھ پڑھنا ہی نہیں جانتے ہیں۔ قدرت نے آواز دی۔ نہیں میرے پیغمبرؐ تمہیں ان کے درمیان بھیجا ہے ان کے لئے نہیں بھیجا ہے۔ ان کے درمیان بھیجا ہے کہ کام یہاں سے شروع ہو اور دنیا کو اندازہ ہو جائے کہ جو جانوروں کو انسان بنا سکتا ہے وہ انسانوں کو مسلمان کیوں نہیں بنا سکتا ہے؟

اب بات آگئی ہے تو فقط مناسبت کی بنیاد پر ایک جملہ کہنا چاہتا ہوں۔ یہ باتیں برابر آپ سنتے رہتے ہیں اور میں ایسی باتوں کو دوہرانا نہیں چاہتا لیکن آپ محسوس کریں کہ جن کے درمیان بھیجا ہے وہ اور افراد ہیں اور جن کیلئے بھیجا ہے وہ یہ افراد نہیں وہ عالمین ہیں جن کے واسطے پیغمبرؐ کو پیغمبر بنا کر بھیجا گیا ہے۔ لہٰذا ضرورت تھی کہ پیغمبر کو اتنے کمالات سے آراستہ کیا جاتا کہ زمین و آسمان یا کوئی عالم ہو۔ کسی عالم کی رہنے والی مخلوق ہو۔ کسی عالم میں بسنے والے افراد ہوں۔ وہ جس مرحلہ کمال تک جا سکتے ہوں۔ پیغمبرؐ کے پاس اس سے زیادہ کمالات ہوں ورنہ کل کسی عالم میں کوئی پیدا ہونے والا صاحب کمال چیلنج کر دیگا کہ ان کو میرا مصلح بنایا گیا ہے ان سے زیادہ تو میں ہی جانتا ہوں۔ ان کو ہماری اصلاح کیلئے بھیجا گیا ہے ان سے زیادہ کمال تو ہمارے پاس پایا جاتا ہے۔ ضرورت تھی کہ چاہے وہ چودہ صدی پہلے آیا ہو یا اگلی دنیا سے چودہ ہزار سال پہلے آیا ہو لیکن اتنے کمالات اس کے پاس ہوں کہ کسی دور انسانیت کا کوئی انسان۔ کسی عالم کا بسنے والا کوئی انسان اپنے علم و فضل و کمال میں اس سے آگے نہ

جانے پائے تاکہ وہ سب محتاج اصلاح رہیں اور یہ مصلح رہے۔ وہ سب محتاج ہدایت رہیں اور یہ ہدایت کرنے والا رہے۔ شائد یہ بھی اک راز پروردگار تھا ورنہ اس دور کے انسانوں کو قائل کرنے کیلئے جہاں آخری گفتار بارہ میل فی گھنٹہ ہو۔ فی گھنٹہ تو میں نے کہہ کر اس دور کی عظمت کو بڑھا دیا ورنہ پرانے زمانے میں جو فاصلے شمار کئے جاتے تھے تو بارہ میل روزانہ کا حساب تھا اور اسی لئے کہا گیا ہے کہ نماز قصر کب ہوگی۔ جب دو دن کا فاصلہ طے ہو جائے گا۔ دو دن کے فاصلے سے مراد کیا ہے۔ پرانے چوبیس میل۔ جسکو آج چوالیس کلومیٹر کہا جاتا ہے۔ اس کے معنی کیا ہیں کہ ایک آدمی بہت سے بہت جائے گا تو بارہ میل۔ تو جس دور میں ایک آدمی کے چلنے کی آخری مقدار کل بارہ میل ہو یا تیز سے تیز رفتار کوئی سواری ہوگی تو ایک گھنٹہ میں کوئی بارہ میل چلا جائے گا۔ اس دور میں اگر کوئی اتنا بڑا کمال دکھلادے کہ ایک گھنٹہ میں سو میل چلا جائے تو اس دور کے انسان کو قائل کرنے کیلئے کافی ہے۔

توجہ نہیں کی آپ نے.....

اس دور کے انسان کیلئے یہی معجزہ تھا کہ کوئی آدمی ایک گھنٹہ میں سو میل چلا جائے تو اگر پیغمبرؐ اسلام کی رسالت اسی دور کیلئے ہوتی تو پیغمبر کہتے کہ کل رات میں سو میل گیا تھا اور اتنا کام بھی معجزہ بننے کیلئے کافی تھا۔ اسلئے کہ اسے بھی کوئی چیلنج کرنے والا نہ تھا۔ مگر کہاں سو میل، کہاں دو سو میل۔ کہاں ہزار میل، کہاں گھنٹوں کا حساب، بیان کرنے والا یہ بیان کر رہا ہے کہ میں چند لمحوں میں یہاں سے اٹھا۔ مسجد اقصیٰ تک گیا۔ مسجد اقصیٰ سے اٹھا آسمانوں کو طے کیا۔ آسمانوں کو طے کرنے کے بعد عرش پروردگار تک گیا اور جب پلٹ کے آیا تو بستر ویسے ہی گرم تھا۔ اتنے بڑے کمال کے اعلان کی ضرورت مکہ والوں کو کیا تھی؟

اتنے بڑے کمال کا اعلان تو مکہ والوں کو انکار پر آمادہ کر سکتا تھا اقرار پر نہیں۔ آپ اہل نظر ہیں میری بات کی قیمت پہچانیں گے۔ اتنا بڑا اعلان مکہ والوں کو انکار پر تو آمادہ کر سکتا تھا کہ یہ بات عقل میں آنے والی ہی نہیں۔ یہ تو کوئی جنون آمیز گفتگو معلوم ہوتی ہے۔ اس سے کوئی اعجاز کا قائل نہیں ہو جائے گا اس سے تو انکار کے حوصلے اور بڑھ جائیں گے مگر پیغمبرؐ اتنے بڑے کمال کا اعلان کر رہے ہیں۔ خدایا اس قوم کیلئے آنے والے پیغمبرؐ کو اتنا بڑا کمال دینے کی کیا ضرورت تھی۔ قدرت آواز دے گی بے شک میں نے مکہ والوں میں بھیجا ہے مگر مکہ والوں کیلئے نہیں بھیجا ہے۔ اگر کل یہ دنیا آگے بڑھ گئی اور لوگ لمحوں میں، منٹوں میں ہزاروں میل کے فاصلے طے کرنے لگے تو انھیں یہ کہنے کا موقع مل جائے گا کہ ان کی رسالت ہمارے کام آنے والی نہیں ہے۔ وہ بہت پیچھے رہ گئے ہیں ہم بہت آگے بڑھ گئے ہیں۔

قدرت نے آواز دی جتنا بھی عالم انسانیت آگے بڑھتا جائے گا یہ عالم ترقی کر کے معراج پیغمبرؐ کو نہیں پا سکتا ہے۔ اُس دور میں اتنی بڑی سرعت رفتار کا اظہار اس بات کی علامت ہے کہ مکہ میں آئے تھے مگر مکہ والوں کیلئے نہیں آئے تھے۔

یہ ہے سرکار دو عالمؐ کے قانون کا مزاج۔ تو گویا حضورؐ کا مزاج مزاج رحمت ہے۔ رسالت کا مزاج مزاج رحمت ہے جہاں سوائے مہربانی اور رحمت کے کچھ نہیں ہے تو یہیں سے آپ خود پہچان لیں گے کہ جس کے قانون کا مزاج رحمت ہو۔ جسکا اپنا مزاج رحمت ہو جسکی شریعت کا مزاج رحمت ہو جہاں رحمت ہی رحمت ہو۔ وہاں تازیانوں کا گذر کہاں ہے۔ وہاں دروں کا گذر کہاں ہے۔ وہاں ایسی تلواروں کا گذر کہاں ہے جہاں مہربانی کا کوئی شائبہ بھی نہ پایا جاتا ہو۔

اس کے بعد جب معبود نے اپنے حبیبؐ کے کمالات کا اعلان کیا تو ارشاد ہوا "یا ایھا النبی انا ارسلناک شاہدا و مبشرا و نذیرا و داعیا الی اللہ باذنہ و سراجا منیرا" اے میرے پیغمبرؐ ہم نے آپ کو بھیجا تو شاہد بنا کر بھیجا۔ ساری کائنات کے اعمال کا گواہ بنا کر بھیجا۔ ہم نے ثواب کی بشارت دینے والا عذاب سے ڈرانے والا بنا کر بھیجا۔ ہم نے آپ کو خدا کی طرف دعوت دینے والا بنا کر بھیجا۔ مگر اذن خدا سے' اس لفظ کی بلاغت کو پہچانیں۔ پیغمبرؐ بھی دعوت دینے والے ہیں دین خدا کی طرف، پروردگار کی طرف بلانے والے ہیں مگر اذن خدا سے۔ اس کے معنی یہ ہیں کہ اسلام میں دعوت بھی اتنی عام نہیں ہے کہ جسکا جی چاہے وہ دعوت دینے کیلئے کھڑا ہو جائے۔ جسکا جی چاہے وہ خدا کی طرف دعوت دینے والا بن جائے۔ دین خدا میں دعوت الی اللہ بھی بلا اجازت نہیں ہو سکتی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ جتنی دیر تک اجازت رہے گی اتنی دیر تک دعوت دینے کا حق بھی رہے گا اور جب خدا اپنی اجازت کو منسوخ کر دیگا تو دیا ہوا پیغام بھی واپس لے لیا جائے گا۔ کسی کو یہ کہنے کا حق نہیں ہے کہ اب تو ہم دعوت کیلئے نکل پڑے ہیں اب تو ہم پیغام لیکر نکل پڑے ہیں اب تو ہم آیتیں لیکر نکل پڑے ہیں کوئی غلط کام تو نہیں کرنے جا رہے ہیں قرآن ہی تو پڑھنے جا رہے ہیں دین خدا کی دعوت ہی تو دینے جا رہے ہیں کہا نہیں ہماری دعوت بھی "باذنہ" ہے۔ اذن خدا کے ساتھ ہے جہاں تک خدا نے جانے کی اجازت دی وہاں تک آپ جا سکتے ہیں اور جہاں خدا روک دیگا آپ کو واپس آنا پڑے گا پھر جسے اجازت ملے گی وہ آگے بڑھے گا۔

"و سراجا منیرا" اور ہم نے آپ کو روشن چراغ بنا کر بھیجا ہے۔ جب اللہ نے اپنے حبیبؐ کو عالمین کیلئے شاہد بنایا عالمین کیلئے گواہ بنایا اُمت کے سارے اعمال اور عالمین کے سارے اعمال کے نگران ہیں سرکار دو عالمؐ۔ یہ مسئلہ فقط ایک

اُمت سے متعلق نہیں ہے۔ خود قرآن نے کہا ہے "کیف بک اذا جئنا" پیغمبرؐ وہ دن کیا دن ہوگا جب ہم ہر اُمت کو لائیں گے عرصہ محشر میں، قیامت کے میدان میں اس کے گواہ کے ساتھ یعنی اس کے پیغمبرؐ کے ساتھ۔ اُمت موسیٰؑ آئے گی جناب موسیٰؑ کے ساتھ۔ اُمت عیسیٰؑ آئے گی جناب عیسیٰؑ کے ساتھ۔ اُمت نوحؑ آئے گی جناب نوحؑ کے ساتھ۔ اُمت ابراہیمؑ آئے گی جناب ابراہیمؑ کے ساتھ۔ ہم ہر اُمت کو لائیں گے اس کے گواہ یعنی اس کے پیغمبر کے ساتھ۔ "وجئنا بک علی ھولاء شھیدا" اور آپ کو ان سب کا گواہ بنا کر لائیں گے یعنی جو اُمتوں کے گواہ تھے وہ ابتک کے پیغمبر تھے مگر آپ کو فقط اُمتوں کا گواہ نہیں بنایا گیا ہے بلکہ آپ سب اُمتوں کے بھی گواہ ہیں اور ان کے گواہوں کے بھی گواہ ہیں۔

تو ہر نبی اپنی اُمت کے اعمال کو دیکھ رہا ہے۔ ہر نبی اپنی اُمت کے اعمال سے باخبر ہے۔ ہر نبی اپنی اُمت کے اعمال کا گواہ ہے۔ جو روز قیامت آکر اُمت کی اچھائی یا برائی کی گواہی دے گا اور سرکار دو عالمؐ آکے سب کی گواہی دیں گے تو عزیزان محترم یہ بات تو سمجھ میں آتی ہے کہ جناب ابراہیمؑ اپنی اُمت کی گواہی دیں اسلئے کہ اُمت نظر کے سامنے تھی۔ یہ بات تو سمجھ میں آتی ہے کہ جناب نوحؑ اپنی اُمت کے گواہ ہوں اسلئے کہ اُمت نوحؑ کی نگاہ کے سامنے تھی۔ یہ بات تو سمجھ میں آتی ہے کہ جناب موسیٰؑ اور جناب عیسیٰؑ اپنی قوموں کے گواہ ہوں اسلئے کہ قومیں انبیاء کی نگاہوں کے سامنے تھیں مگر سرکار دو عالمؐ کو سب کا گواہ بنا کر لایا جائے گا یہ بات سمجھ میں نہیں آتی ہے۔

حضورؐ ابراہیمؑ یا اُمت ابراہیمؑ کی گواہی کیسے دیں گے؟ وہ پہلے یہ بعد میں۔

حضورؐ نوحؑ یا اُمت نوحؑ کے گواہ کیسے بنیں گے؟ وہ پہلے چلے گئے یہ بعد میں آئے۔

حضورؐ جناب موسیٰؑ اور جناب عیسیٰؑ اور ان کی اُمتوں کی گواہی کیسے دیں گے وہ پہلے جانے والے ہیں یہ بعد میں آنے والے ہیں۔ بس جو موجود ہے وہ تو گواہی دے سکتا ہے لیکن جو بعد میں پیدا ہونے والا ہے وہ اپنے پہلے والوں کے اعمال کی کس طرح گواہی دے گا۔

قرآن مجید نے کہا مگر ہم نے اپنے حبیبؐ کو ساری اُمتوں کا گواہ بنایا ہے۔ سارے انبیاء کا گواہ بنایا ہے تاکہ میرے اس اعلان ہی سے اندازہ ہو جائے کہ تمہارے سامنے بعد میں آئے ہیں عالم میں بعد میں نہیں آئے ہیں۔

تم نے دیکھا کہ نوحؑ چلے گئے تو بعد میں پیغمبرؐ آئے مگر ہم جانتے ہیں کہ جیسے نوحؑ اپنی اُمت کی نگرانی کر رہے تھے یہ نوحؑ کے سفینہ کی نگرانی کر رہے تھے۔

تم نے دیکھا کہ ابراہیمؑ چلے گئے تو یہ آئے مگر ہم جانتے ہیں کہ اُمت کی نگرانی ابراہیمؑ کر رہے تھے اور ابراہیمؑ آگ میں جا رہے تھے تو یہ دیکھ رہے تھے۔

تم نے دیکھا کہ انبیاء اپنی اُمتوں کی نگرانی کر رہے ہیں مگر ہمیں خبر ہے کہ میرا پیغمبرؐ سارے اعمال کا نگراں ہے۔ ہم نے اسے شاہد بنا کر بھیجا ہے۔ تو اگر میرے حبیبؐ کے کمالات کی وسعتوں کو پہچانتا ہے تو نبی کا مزاج ہے مزاج رحمت اور نبی کا کمال وہ کمال شہادت ہے جہاں حضورؐ کو ساری اُمتوں اور سارے انبیاء کا گواہ بنایا گیا ہے۔

تیسرا مرحلہ ہے نبی کی قوت۔ اعلان ہوتا ہے "ھوالذی ارسل رسولہ بالھدی و دین الحق لیظھرہ علی الدین کلہ" وہ خدا وہ ہے جس نے اپنے رسولؐ کو ہدایت کے ساتھ اور دین حق کے ساتھ بھیجا ہے۔ کیوں؟ تاکہ پیغمبرؐ اس دین کو تمام ادیان پر غالب بنائیں۔ یہ کام طاقت کا ہے۔ یہ کام قوت کا ہے۔

بعض مفسرین نے گھبرا کے یہ تاویل کر دی کہ اللہ نے پیغمبرؐ کو ہدایت

اور دین حق کے ساتھ بھیجا ہے تاکہ پیغمبرؐ اسلام کے قوانین کو دوسرے مذاہب کے قوانین پر غالب بنائیں۔ یعنی نبی یہ ثابت کردیں کہ اسلام کا قانون دیگر قوانین سے بہتر ہے۔ نبی یہ ثابت کردیں کہ اسلام کے احکام دیگر احکام سے افضل ہیں۔ لیکن عزیزو! اس میں پیغمبرؐ کا کیا کام ہے۔ قانون تو اللہ کا بنایا ہوا ہے۔ اللہ نے پہلے ہی اتنا طاقتور بنایا ہوتا کہ دیگر مذاہب سے بہتر ہوتا۔ اگر خدانکردہ معاذاللہ خدا نے قانون کمزور بنایا ہے تو پیغمبرؐ کیسے بہتر ثابت کردیں گے اور اگر خدا نے قانون ہی بہتر بنایا ہے تو اسمیں کسی کے ثابت کرنے کا کیا کام ہے جو قانون بہتر ہے وہ بہتر ہے۔

مسئلہ قانون کا قوانین سے افضل ہونے کا نہیں ہے۔ مسئلہ دین کے ادیان پر غالب آنے کا ہے اور یہ کام طاقت اور قوت کے بغیر نہیں ہوسکتا ہے۔ اسی لئے میں نے عرض کیا تھا کہ اللہ نے اپنے پیغمبرؐ کا تعارف تین اعتبارات سے کرایا ہے۔

مزاج پیغمبرؐ مزاج رحمت۔

کمال پیغمبرؐ کمال شہادت۔

طاقت پیغمبرؐ طاقت اظہار دین خدا۔ غلبہ دین پروردگار۔ اور دین کو بھی غالب آنا ہے تمام ادیان پر اور یہی وہ وعدہ الٰہی ہے جسکی وفا کا انتظار ہو رہا ہے۔

اسمیں کوئی شک نہیں ہے کہ اس بیسویں صدی میں اسلام ایک باعزت دین ہے۔ اب اسلام کی وہ حیثیت نہیں ہے اب وہ دن چلے گئے جب مکّہ والے سوچ رہے تھے کہ ہم جب چاہیں گے انھیں نکال باہر کردیں گے۔ اب وہ زمانہ چلا گیا جب لوگ یہ سوچ رہے تھے جب چاہیں گے اسلام کو فنا کردیں گے۔ اب اسلام فنا ہونے والی طاقت نہیں ہے۔ اب اسلام استقلال رکھتا ہے۔ اب اسلام قوت رکھتا ہے۔ اب اسلام اپنی ایک حیثیت رکھتا ہے۔ اس سے کوئی انکار نہیں کرسکتا ہے

لیکن یہ بھی طے ہے کہ اسلام دنیا کے مذاہب پر غالب بھی نہیں ہے بلکہ اگر مسلمانوں کی حالت زار کا جائزہ لیا جائے تو شائد دیگر مذاہب ہی غالب ہیں۔ ان کے ذہن پر یہودیت غالب ہے۔ ان کے ذہن پر عیسائیت غالب ہے۔ ان کے ذہن پر کوئی اور ازم غالب ہے۔ کلمہ پڑھنے والے سب مسلمان ہیں مگر کسی کا اسلام دیگر مذاہب پر غالب نظر نہیں آتا ہے کہ شرک اس بات کا اقرار کرے کہ اب اسلام غالب ہے اور ہم مغلوب ہیں۔ یہودیت اس بات کا اقرار کرے کہ اب اسلام غالب ہے اور ہم مغلوب ہیں۔ اور کیسے یہودیت یہ اقرار کرے گی جبکہ یہودیت یہ منظر دیکھ رہی ہے کہ اسلام اتنی بڑی طاقت رکھنے کے بعد بھی ہم سے ہاتھ ملانا چاہتا ہے۔ ہم پر حکومت نہیں کرنا چاہتا ہے ہم سے زندگی کی بھیک مانگ رہا ہے۔ کل میں اور آج میں اتنا فرق پیدا ہو گیا ہے کہ کل ہم مسلمانوں سے رہنے کی جگہ مانگ رہے تھے ایک خطہ زمین کا تقاضا کر رہے تھے جہاں ہم جا کے بسیں، آباد ہوں اور آج مسلمان ہم سے زندگی کی بھیک مانگ رہا ہے۔ ان یہودیوں کو یہ خیال کیسے پیدا ہو گا کہ اسلام ہم پر غالب آگیا ہے اور اگر یہ بات نہیں ہے تو اس کے معنی یہ ہیں کہ ابھی وعدہ خدا منظر عام پر نہیں آیا ہے۔ عیسائیت کے نام سے اگر مسلمان لرز جائے تو اس کے معنی یہ ہیں کہ ابھی مسلمان مستقل ہو کر بھی عیسائیت پر غالب نہیں آیا ہے اور خدا کہتا ہے کہ ہم نے پیغمبرؐ کو اسلئے بھیجا ہے تا کہ یہ دین سارے ادیان پر غالب آجائے اگر ابھی تک وعدہ خدا پورا نہیں ہوا ہے تو کسی ایسے وقت کا انتظار کرنا پڑے گا ۔جب دین خدا تمام ادیان پر غالب آجائے۔

اور واضح کر دوں کسی ایسے شخص کا انتظار کرنا پڑے گا جو دین خدا کو ادیان عالم پر غالب بنائے۔ مگر اس شرط کے ساتھ کہ باہر والا نہ ہو کہ پیغمبرؐ پر احسان جتائے بلکہ پیغمبرؐ ہی کے دل کا ٹکڑا ہو تا کہ اس کا غلبہ پیغمبرؐ کا غلبہ کہا جائے۔

یہ ہے پیغمبرؐ اسلام کے قانون کی حیثیت۔ یہ ہے پیغمبرؐ اسلام کی عظمت و فضیلت و کمال کی حیثیت۔ اس کے بعد مالک کائنات نے اُمت کے سامنے جب عظمت پیغمبرؐ کو پیش کیا تو اسکی جو ذمہ داریاں قرار دیں انھیں بھی جلدی جلدی آپ سن لیں باقی باتیں آئندہ گذارش کروں گا۔

مالک نے قوم کے سامنے تین طرح کی ذمہ داریاں رکھیں۔

ایک ذمہ داری عملی ذمہ داری۔ ایک ذمہ داری مالی ذمہ داری اور ایک ذمہ داری دینی ذمہ داری۔

عملی ذمہ داری کیا ہے؟ ایمان والو تمھاری ذمہ داری ہے "استجیبوالله وللرسول اذادعاکم"۔ لفظ رسول نہ بھولئے گا۔ ایمان والو۔ اگر تم ایمان والے ہو تو اللہ اور رسولؐ کی دعوت کو قبول کرو جب تمھیں بلائیں "اذادعاکم"۔ جب تمھیں دعوت دیں۔ جب تمھیں بلائیں تو اللہ و رسولؐ کی دعوت کو قبول کرو۔ خطرات مت دیکھو۔ کیوں؟ "لما یحییکم" وہ بلاتے ہی وہاں ہیں جہاں زندگی ہوتی ہے۔ وہ دعوت ہی وہاں دیتے ہیں جہاں حیات ہوتی ہے۔ ان کا پیغام سراپا حیات ہے۔ جہاں نہ موت ہے نہ ہلاکت یہ تو اگر موت کی بھی دعوت دیں گے اور تم ان کی آواز پر لبیک کہہ کر گلا کٹا دو گے تو ہم اسی موت کو حیات جاودانی بنا دیں گے۔

دوسری ذمہ داری۔ ایمان والو۔ "اذا ناجیتم الرسول فقدموا بین یدی نجواکم صدقہ" جب پیغمبرؐ سے راز کی باتیں کرنے کا شوق پیدا ہو تو پیغمبرؐ سے راز کی باتیں کرنے سے پہلے صدقہ دیدینا اس کے بغیر بزم پیغمبرؐ میں نہ آنا۔ یہ تمھاری مالی ذمہ داری ہے کہ جب راز کی باتیں کرنے جاؤ تو صدقہ دے کے جاؤ اور ایک عام ذمہ داری ہے "ما آتاکم الرسول فخذوہ" جو نبی دیدیں اسے لے لو۔

بس یہ تین جملے یاد رکھئے گا باقی انشاءاللہ آئندہ گذارش کروں گا۔ یہ اُمت کی

ذمہ داریاں ہیں اب اس کے بعد اس کا ردعمل کیا ہے۔ یہ کل عرض کروں گا کہ نبی کیطرف سے تین فرائض اُمت کے سامنے آئے۔ جب بلائیں تو لبیک کہنا۔ راز کی بات کرنا ہو تو صدقہ دینا اور جو دیدیں وہ لے لینا تاکہ تم ان کے اُمتی کہے جاؤ۔ یہ مجسم رحمت ہیں۔ یہ شاہد ہیں۔ یہ باکمال ہیں۔ ان کا پیغام رحمت ہے۔ اور اب تمہارا حساب کرنا ہے کہ تمہارا برتاؤ ان کے ساتھ کیا ہے۔

میں لفظوں کو پھر دوہراؤں گا۔ تمھیں بلائیں تو ان کی آواز پر لبیک کہنا۔ اسی میں حیات ہے۔ یہ نہ سوچنا کہ مر گئے تو کیا ہوگا؟ اب دیکھئے قرآن نے لفظوں کو دوہرادیا "اذا دعاکم"۔ جب تم کو دعوت دیں، بلائیں تو لبیک کہو۔ یہ ہے فریضہ۔ اب اس فریضہ کے مقابلہ میں عمل کیا ہے۔ اس دن کو یاد کرو جب تم پہاڑیوں کی بلندیوں پر جارہے تھے "والرسول یدعوکم" حالانکہ پیغمبرؐ تمھیں بلا رہا تھا۔ اب رشتہ پہچانا آپ نے۔ فریضہ تو یہ تھا کہ جب وہ بلائیں تو لبیک کہو اسمیں زندگی ہے موت نہیں ہے۔ اور حال یہ ہیکہ وہ وہ بلا رہے تھے اور تم بلندیوں پر جارہے تھے۔ کیوں اسلئے کہ تم آنے کو موت سمجھ رہے تھے۔ ہم یہ کہہ رہے ہیں کہ نبی جہاں بلائے گا وہاں موت نہیں ہوگی زندگی ہوگی۔ تمہارا خیال ہے کہ اسمیں موت ہے زندگی نہیں ہے۔

دوسرا مرحلہ خدا نے نبیؐ کو گواہ بنایا ہے اب جب پیغمبرؐ روز قیامت آئے گا تو کسی اور گواہ کی ضرورت ہی نہیں ہے۔ اُمت کے اعمال کا تو نبی گواہ بن کے آیا ہے اب نبی گواہی دے رہا ہے کہ میں انھیں بلا رہا تھا یا تو عمل کی کمزوری تھی کہ میری بات پر لبیک نہ کہی یا عقیدے کی کمزوری تھی کہ میں زندگی کیلئے بلا رہا تھا اور یہ زندگی کو موت سمجھ رہے تھے۔

تو عزیزان گرامی، اعمال کے سلسلہ میں تو الگ الگ تذکرے کئے گئے کہ

بلانے کا ذکر کہیں اور ہے اور نہ آنے کا ذکر کہیں اور ہے لیکن مالیات کا تذکرہ تو اسی جگہ پر ہے جہاں پہلے یہ اعلان ہوا کہ راز کی باتیں کرنا ہے تو صدقہ دینا اس کے بعد اسی جگہ پر بلا فاصلہ اعلان ہو رہا ہے کہ ہمکو معلوم ہے کہ تم صدقہ دینے سے ڈر گئے۔ تو جاؤ ہم نے اپنے حکم کو منسوخ کر دیا۔ ہمارے قانون پر عمل کرنے والے نے عمل کر لیا ہم نے اپنے قانون کو ختم کر دیا۔ اب اس کے بعد کبھی آپ میں حوصلہ پیدا ہو تو اب پیدا ہونے والا حوصلہ بے کار ہے۔ اب آئندہ سوچنے کی کوئی گنجائش نہیں رہ گئی ہے۔ ہم نے مالیات میں بھی آزمالیا۔ اعمال سے بھی آزمالیا۔

اعمال میں بھی آزمائے گئے۔ اموال میں بھی سب آزمائے گئے۔ اب ایک آزمائش باقی رہ گئی ہے جو نبی دیدیں وہ لے لو۔ آدمی تمہائی مہت کرنا۔ جو دیدیں وہ لے لو۔ اگر ایک چیز دیں تو ایک لے لینا۔ اگر دو دیں تو دو لے لینا۔ پیغمبرؐ نے کہا کہ بلانے کا تجربہ تو بہت پہلے ہو چکا۔ مالیات کا تجربہ بعد میں ہو گیا۔ اب چلتے چلتے یہ آخری تجربہ بھی ہو جائے۔ فرمایا میں دو چیزیں چھوڑ کے جا رہا ہوں تاکہ یہ اندازہ ہو جائے کہ جو دیا وہ سب لیا۔ یا دیا کچھ اور لیا کچھ اور اور لیا کچھ اور۔

وہ تھا سرکار دوعالمؐ کا پیغام۔ وہ تھا سرکار دوعالمؐ کا مزاج رحمت۔ وہ تھی سرکار دوعالم کی عظمت اور حضورؐ کی طرف سے عائد ہونے والی قوم پر ذمہ داریاں اور ان ذمہ داریوں کو ادا نہ کرنے والوں کا تذکرہ۔ یہ سارے تذکرے قرآن حکیم کے اندر موجود ہیں۔ اب اس کے بعد صرف تتمہ باقی رہ گیا ہے وہ انشاءاللہ میں کل گزارش کروں گا اسلئے کہ شائد اس سلسلہ کا سب سے اہم نکتہ وہی ہوگا جو کل میں آپ کے سامنے عرض کروں گا۔ آپ پڑھیں قرآن مجید۔ جتنا میں نے آپ کے سامنے کل عرض کیا ہے۔ جو کچھ آج گزارش کی ہے اور اس کے بعد جو کچھ گزارش

کروں گا۔ ان سارے مسائل کا تعلق رسالت سے ہوگا اور سب قرآن مجید کی روشنی میں ہوگا اس لئے کہ اللہ نے پیغمبرؐ کی رسالت کا مسلسل تذکرہ قرآن مجید میں کیا ہے۔

ایک جملہ بطور مقدمہ آپ کو یاد دلادوں کل کے واسطے تاکہ یہ بات آپ کے ذہن میں رہ جائے۔ بڑی عجیب و غریب بات ہے کہ اللہ نے پیغمبرؐ کی رسالت، رسالت کی عظمت، اور رسالت کی ذمہ داریوں کا مختلف انداز سے تذکرہ قرآن مجید میں کیا ہے مگر عجیب بات ہے کہ پیغمبرؐ کو رسول کہہ کر زندگی میں دو ہی مرتبہ بلایا ہے۔

توجہ کریں گے آپ۔ ذکر رسالت تو بارہا ہوا۔ مختلف آیات میں، مختلف سوروں میں، مختلف مقامات پر، مختلف مناسبتوں سے، رسالت، رسول، رسل، ارسلنا۔ لیکن اتنے تذکروں کے بعد بھی اللہ نے پیغمبرؐ کو اگر رسول کہہ کر بلایا ہے تو پوری حیات رسالت میں صرف دو مواقع پر اور وہ یہی دو مواقع ہیں جن کے بارے میں کل گذارش کروں گا آج تفصیل کا موقع نہیں رہ گیا ہے اور بغیر تفصیل کے آپ کو ان باتوں کا لطف حاصل نہ ہوسکے گا۔

یہ میں نے صرف اسلئے عرض کردیا ہے تاکہ آپ کے ذہن میں یہ بات رہے کہ آخر وہ مواقع کتنے اہم ہوں گے کہ جن مواقع پر اللہ نے پیغمبرؐ کو رسول کہہ کے خطاب کیا ہے۔ "یا ایہاالنبی" تو کہا۔ "طہٰ، مزمّل، یا ایہاالمدثر"۔ ایسے سارے تذکرے تو بہت پائے جاتے ہیں مگر رسول کہہ کر پروردگار عالم نے اپنے حبیب کو پوری حیات پیغمبرؐ میں صرف دو ہی مرتبہ پکارا ہے اور ظاہر ہے کہ جب رسالت اتنی اہم، اتنی ہمہ گیر، اتنی جامع، اتنی باعظمت شئے ہے تو وہ مسائل کتنے اہم ہوں گے

جن کے تذکرے کیلئے خدا نے کوئی اور حوالہ نہیں دیا ہے۔ اگر حوالہ دیا ہے تو رسول کے رسول ہونے کا حوالہ دیا ہے۔

یہ تذکرہ انشاء اللہ کل میں آپ کے سامنے گزارش کروں گا۔ آج سلسلہ بیان کو تمام کرتے ہوئے یہ عرض کرنا چاہتا ہوں کہ اللہ نے پیغمبرؐ کو اعمال اُمت کا نگراں بنا کر بھیجا ہے کہ پیغمبرؐ جب کسی بات کی دعوت دے تو پیغمبرؐ کی آواز پر لبیک کہنا۔ اسی میں حیات ہے۔ اسی میں زندگی ہے۔ پیغمبرؐ نے کن کن مسائل کی قوم کو دعوت دی وہ ساری باتیں عرض کرنے کا موقع نہیں ہے۔ صرف ایک منزل۔ سرکار دوعالم مسجد میں ہیں۔ منبر پر موعظہ فرما رہے ہیں۔ دیکھا ایک کمسن شہزادہ مسجد میں داخل ہوا۔ دیکھنے والوں نے یہی منظر دیکھا کہ جیسے پیر دامن میں اُلجھ رہا ہے اور بچہ زمین پر گر رہا ہے اور پیغمبرؐ خطبہ توڑ رہے ہیں۔ غرض آپ منبر سے اُترے۔ بچے کو گود میں اٹھایا۔ منبر پر لے گئے۔ کسی ایک صحابی یا مجمع میں بیٹھنے والے سے نہ کہا۔ کہ میرا بچہ گر گیا ہے۔ اسے اٹھالو بلکہ خود منبر سے اُتر کر اٹھایا۔ نبی جانتے ہیں کہ حسینؑ کے اٹھانے کا کام قوم نہیں کر سکتی ہے۔ یہ کام میرا ہے۔ یہ ذمہ داری میری ہے۔ خطبہ توڑ دیا۔ حسینؑ کو لیکر منبر پر آئے۔ اب قوم کی نئی ذمہ داریوں کا اعلان ہو رہا ہے۔ قرآن آواز دے رہا تھا کہ نبیؐ جس بات کی دعوت دے قبول کرنا۔ پیغمبرؐ نے فرمایا "ھذا حسین فاعرفوہ" یہ حسینؑ ہے اسے پہچانو۔ یہ پہلی ذمہ داری ہے۔ "و فضلوہ" اسکی فضیلت کا اقرار کرو۔ تم نہیں دیکھتے کہ اس کے واسطے میں نے خطبہ توڑا ہے۔ تم نہیں دیکھتے کہ اسکی فضیلت کا یہ عالم ہیکہ میں منبر سے اُتر آیا ہوں۔ اب اسکی فضیلت کا اقرار کرو اور اس کے بعد آخر میں ایک جملہ فرمایا "وانصروہ" اور جب وقت آجائے تو اسکی مدد کرنا۔ اب اُمت کی حیات انہیں تین باتوں میں ہے۔ حسینؑ کو پہچانے۔ حسینؑ کی فضیلت کا اقرار کرے۔ حسینؑ

کی مدد کرے۔

یہ نبی کی دعوت ہے جس پر لبیک کہنا اُمت کی ذمہ داری ہے۔ مگر کیسی اُمت ہے نہ حسینؑ کو پہچانا۔ نہ حسینؑ کی فضیلت کا اقرار کیا۔ نہ وقت آنے پر کوئی حسینؑ کے کام آیا۔ حد یہ ہوگئی کہ حسین آواز دیں "ہل من ناصر ینصرنا" کوئی ہے جو ہماری مدد کیلئے آئے اور فضا میں آواز پیغمبرؐ گونج رہی ہو "وانصروہ" حسینؑ کی مدد کرو مگر کوئی مدد کرنے کیلئے تیار نہ ہو۔ اسی لیے حسینؑ نے روز اول سے جب سے مدینہ چھوڑنے کا ارادہ کیا قدم قدم پر یہ اعلان کرتے رہے کہ میرا رُخ کربلا کی طرف ہے۔ میرا رُخ مصائب کیطرف ہے تاکہ اُمت کو معلوم ہو جائے کہ نصرت کا وقت آگیا ہے مدد کا وقت آگیا ہے۔ کل کوئی یہ نہ کہہ سکے کہ ہمیں معلوم ہی نہیں تھا کہ مدد کا وقت ہے۔ ورنہ حسینؑ خاموشی سے چلے جاتے۔ یہ حسینؑ بار بار منزل مصائب کا حوالہ دیتے جا رہے ہیں تاکہ اُمت پر حجت تمام ہو جائے کہ میں انہیں مدد کیلئے بلا رہا تھا مگر کوئی مدد کیلئے تیار نہیں تھا۔ کتنے واضح طریقہ سے حسینؑ مدینہ سے نکلے۔ جب لوگوں نے کہا فرزند رسولؐ آپ کہاں جا رہے ہیں؟ فرمایا میں جا رہا ہوں اسلئے کہ نانا نے مجھ سے فرمایا ہے کہ جاؤ حسینؑ قربانی دو۔ اسی میں میرے دین کی حیات ہے۔ کیا اب بھی لوگوں کو نہ معلوم ہو سکا کہ مدد کا وقت آگیا ہے۔

حسینؑ نکلے اور ایسے اعلان کے ساتھ نکلے کہ گھروں میں جا کے اعلان کیا، محفلوں میں جا کے اعلان کیا، ہر مرحلہ پر اعلان کیا میں منزل شہادت کیطرف جا رہا ہوں۔ اب تو تمہیں معلوم ہو جائے کہ اس دعوت پر لبیک کہنے کا وقت آگیا ہے جو میرے جد بزرگوار نے دی تھی جو میرے نانا نے کہا تھا کہ حسینؑ کی مدد کرنا۔ عزیزو اب وقت مدد آگیا ہے اس کے بعد بھی سوائے چند افراد کے کوئی مدد کرنے کیلئے تیار نہ ہوا۔

عجیب بات ہے کتنے تھے جو مدد کرنے کے قابل تھے مدینہ میں تھے مگر کوئی حسینؑ کے ساتھ نہیں آیا اور کتنے ایسے تھے جو مدد کرنے کے قابل نہ تھے چھ مہینہ کے تو کربلا میں آ کے ہوئے جب مدینہ چھوڑا ہے تو دس پندرہ دن سے زیادہ کی عمر نہیں تھی مگر کسی کی گود میں بچہ ٹھہر نہیں سکتا۔ یہ جذبہ نصرت حسینؑ ہے جو آج اصغر کو مدینہ سے لیکر چلا ہے۔ یہی جذبہ ہوگا جو کل علی اصغر کو مجبور کرے گا کہ اپنے کو جھولے سے گرادیں۔

جہاں جذبہ نصرت حسینؑ پایا جاتا ہے وہاں سن و سال کی قید نہیں ہوتی ہے۔ جہاں یہ جذبہ نصرت نہیں پایا جاتا ہے وہاں کوئی مدد کرنے کیلئے تیار نہیں ہوتا ہے۔

لو ارباب عزا حسینؑ چلنا چاہتے ہیں اور اعلان عام کے ساتھ نبیؐ کی قبر پر آئے۔ ماں کی لحد سے آ کے رخصت ہوئے۔ بھائی کو آخری سلام کیا۔ ایک مرتبہ جناب اُم سلمہ کے پاس آئے نانی میں کل رخصت ہو رہا ہوں۔ میں مدینہ سے جا رہا ہوں۔ ایک مرتبہ جناب اُم سلمہ نے کہا۔ بیٹا کہاں کا ارادہ ہے؟ کہا نانی میں اور واضح بتا دوں میں کربلا جا رہا ہوں۔ کہا بیٹا پیغمبرؐ نے کربلا کے بارے میں عجیب خبریں بیان کی ہیں۔ یہ تم نے کربلا کا ارادہ کیوں کرلیا۔ کہا نانی میں قربانی دینے کیلئے جا رہا ہوں۔ میں نانا کی قبر پر گیا تھا۔ فرمایا جاؤ حسینؑ کربلا میں قربان ہو جاؤ۔ اب میں قربانی دینے کیلئے جا رہا ہوں۔ بس یہ سننا تھا کہ ایک مرتبہ تڑپ کے جناب اُمّ سلمہ نے کہا بیٹا۔ تم تو چلے جاؤ گے مگر مجھے کیسے معلوم ہوگا کہ تم پر کیا گزر گئی۔ کہا نانی اماں میں پورے علم و ادراک کے ساتھ جا رہا ہوں۔ مجھے وہ جگہ بھی معلوم ہے جہاں میں مارا جاؤں گا۔ وہ دن بھی معلوم ہے جب شہید ہوں گا۔ وہ جگہیں بھی معلوم ہیں جہاں میرے عزیز قربان ہوں گے۔ وہ منزلیں بھی معلوم ہیں۔ جہاں میرے

چاہنے والے قربان ہوں گے۔ اور اگر آپ چاہیں تو میں آپ کو بھی وہ جگہ دکھلا دوں۔ اُم سلمہ کا دل لرز رہا ہے کہ یہ حسینؑ کیا کہہ رہے ہیں۔ ایک مرتبہ حسینؑ نے اشارہ کیا زمینیں پست ہو گئیں زمین کربلا بلند ہوئی۔ فرمایا نانی اماں دیکھ لیجئے یہ جگہ ہے کہ جہاں آپ کا حسینؑ مارا جائے گا اور اگر آپ پہچاننا چاہتی ہیں تو میں ایک نشانی چھوڑ کے جاتا ہوں۔ یہ کہہ کر ہاتھ بڑھایا۔ ایک مٹھی خاک اٹھائی۔ کہا نانی اس خاک کو آپ محفوظ رکھیں۔ جب تک یہ مٹی مٹی رہے۔ سمجھیں آپ کا حسینؑ زندہ ہے اور جب یہ خاک خون میں تبدیل ہو جائے تو آپ سمجھیں کہ اب آپکا حسینؑ دنیا میں نہیں ہے۔

یہ کہہ کر حسینؑ رخصت ہوئے۔ جناب اُم سلمہ کو بھی الوداع کہا۔ لیکن اب جو حسینؑ کا قافلہ چلنے لگا سیدانیاں محملوں میں سوار ہو گئیں۔ قاسم نے جناب اُم فروہ کو سوار کیا۔ علی اکبر نے بڑھ کے لیلیٰ کو سوار کیا۔ جوانوں نے بڑھ کے جناب اُم کلثوم کو سوار کرایا اور جب ثانی زہراؑ کی سواری کا وقت آیا تو حسینؑ خود کرسی سے کھڑے ہو گئے۔ دیکھنے والے نے گھبرا کے پوچھا اب یہ کون بیت الشرف سے برآمد ہو رہا ہے کہ سارے جوانان بنی ہاشم کے ساتھ حسینؑ بھی مصروف خدمت ہیں۔ کہا یہ علیؑ کی بڑی بیٹی ہیں زینب۔ عباسؑ نے بازو تھامے۔ علی اکبر نے پردہ محمل اٹھایا۔ قاسم نے نعلین سیدھی کی۔ حسینؑ نے سہارا دیا تو زینبؑ سوار ہوئیں۔ قافلہ چلنا چاہتا ہے ایک مرتبہ مدینہ کی عورتیں آگے بڑھیں۔ کہا مولا ہم سمجھ گئے کہ اب یہ قافلہ پلٹ کر نہ آئے گا۔ ہم نے جانے کا انداز دیکھ لیا۔ ہمیں معلوم ہو گیا کہ اب یہ قافلہ پلٹ کر نہ آئے گا۔ اتنی اجازت دیں کہ ہم دو رویہ قطار بنالیں اور سیدانیوں کی سواری درمیان سے گذر جائے۔ اے رونے والو حسینؑ نے اجازت دی۔ بیبیوں نے صفیں بنائیں۔ اب سیدانیوں کی سواری گذر رہی ہے۔ الوداع الوداع بیبیو

خدا حافظ۔ جاؤ سیدانیو خدا حافظ۔ اے میرے مولا آج یہ قافلہ بیبیوں کے درمیان سے گذر رہا ہے۔ کل یہ قافلہ کوفہ اور شام کے بازاروں سے گذرے گا جہاں عابدؑ بیمار قافلہ سالار۔ منادی کی آواز تماشائیو تماشا دیکھو دختران پیغمبرؐ ہیں جنھیں قیدی بنا کرلے جایا جا رہا ہے۔

سیعلم الذین ظلموا ای منقلب ینقلبون

مجلس ۳

صاحبان ایمان وہ ہیں جو اس رسولؐ نبی اُمّی کا اتباع کرتے ہیں جسکا تذکرہ توریت میں بھی ہے اور انجیل میں بھی ہے۔ وہ لوگوں کو نیکیوں کا حکم دیتا ہے اور برائیوں سے روکتا ہے۔ پاکیزہ چیزوں کو حلال قرار دیتا ہے اور خبیث چیزوں کو حرام قرار دیتا ہے انسانیت جس بوجھ کے نیچے دبی ہوئی ہے اور جن زنجیروں میں جکڑی ہوئی ہے ان سے آزادی دلاتا ہے۔ وہ لوگ جو ایسے پیغمبرؐ پر ایمان لائے اسکا احترام کیا اور اسکی مدد کی اور اس نور کا اتباع کیا جو پیغمبرؐ کے ساتھ نازل کیا گیا ہے یہی لوگ وہ ہیں جو زندگی میں کامیاب ہیں۔

آیۂ کریمہ کے ذیل میں رسالت الٰہیہ کے عنوان سے جو سلسلۂ بیان آپ کے سامنے پیش کیا جا رہا تھا اس کے تیسرے مرحلہ پر آج کچھ باتیں تسلسل رسالت سے متعلق گزارش کرنا ہیں لیکن اس حقیقت کو پہچاننے سے پہلے ایک نکتہ پر توجہ دینا ہوگی اور وہ ہے کہ کسی برادری میں بھی جب افراد زیادہ ہوجاتے ہیں تو برادری ہونے کے باوجود اختلافات بھی زیادہ ہوجاتے ہیں۔ ایک باپ کے دو بیٹے ہیں حقیقی بھائی ہیں لیکن بھائیوں کے درمیان نظریات کا اختلاف نہ ہو یہ ممکن نہیں ہے۔ دونوں کی پسند الگ الگ ہے۔ دونوں کا مزاج الگ الگ ہے۔ دونوں کی طبیعت الگ الگ ہے۔ دونوں کے خیالات الگ الگ ہیں۔ یہ سب ہونے کے بعد

بھی دونوں حقیقی بھائی کہے جاتے ہیں۔ تو جب تک یہ بھائی دو رہیں گے اختلافات دو ہی ہوں گے۔ اِن کا مزاج الگ اُن کا مزاج الگ۔ دو حقیقی بھائی دسترخوان پر بیٹھے ہیں۔ ایک مٹھاس کو پسند کرتا ہے ایک نمکین کو۔ ایک کا مزاج نزلاوی ہے ٹھنڈی چیز استعمال نہیں کر سکتا ہے ایک کا مزاج گرم ہے وہ ٹھنڈا پانی ہی پینا چاہتا ہے۔ نہ اس سے کوئی برادری پر اثر پڑتا ہے نہ قرابت پر کوئی اثر پڑتا ہے لیکن بہرحال دو ہیں تو مزاج دو ہوں گے۔ پھر یہی برادری اگر بڑھ کر تین اور چار تک پہونچ جائے تو اختلافات بھی تین چار طرح کے ہوجائیں گے۔ جتنی برادری میں وسعت ہوتی جائے گی اتنا ہی اختلاف بڑھتا جائے گا۔ یہ غلط سمجھا جاتا ہے کہ برادری کے معنی یہ ہوتے ہیں کہ اختلاف نہ ہو۔ اگر بھائیوں کے پاس عقل نہ ہو اگر بھائیوں کے پاس شعور نہ ہو، اگر بھائیوں کے پاس فکر نہ ہو۔ اگر بھائیوں کے پاس مزاج نہ ہو۔ اگر بھائیوں کے پاس طبیعت نہ ہو تب تو یہ ممکن ہے کہ سو پچاس بھی ہوں تو ایک ہی جیسے ہوں۔ جس طرح کہ ایک سانچے میں اگر ہزار گلاس ڈھال کر نکال لیے جائیں تو انشاءاللہ کسی طرح کا اختلاف گلاسوں میں نہیں ہوگا اسلئے کہ گلاسوں کے پاس نہ عقل ہے نہ شعور ہے۔ نہ ارادہ ہے نہ فکر۔ نہ مزاج ہے نہ طبیعت۔ لیکن مالک نے انسان کو ان نعمتوں سے بھی نوازا ہے تو اگر یہ نعمتیں پائی جاتی ہیں تو یہ اختلافات بہرحال ہوں گے۔ اب ان ختلافات کو کن حدوں میں رہنا چاہئے اور کہاں نہ ہونا چاہئے۔ یہ الگ مسئلہ ہے لیکن افراد کی زیادتی اختلافات کی زیادتی کا سبب بہرحال ہوتی ہے جس سے دنیا کا کوئی آدمی انکار نہیں کر سکتا ہے۔

اگر یہ مسئلہ جاہلوں تک محدود رہتا تو شائد یہ خیال پیدا ہوتا کہ یہ اختلاف جہالت کی پیداوار ہے۔ نہیں اگر آپ اہلِ فکر، اہل فن، اہل ہنر کی دنیا میں آئیں

گے تو وہاں بھی یہ بات آپ کو نظر آئے گی۔ اگر ایک صاحب فکر ہو اور ایک کے پاس قوت فکر نہ ہو تو ممکن ہے یہ جو کہے وہ تسلیم کر لے۔ لیکن اگر یہ بھی صاحب فکر ہے اور وہ بھی صاحب فکر ہے تو افکار کا اختلاف تو بہرحال ہوگا اگر یہ بھی صاحب فن ہے وہ بھی صاحب فن ہے تو فن کا اختلاف بہرحال ہوگا۔ بلکہ کبھی کبھی ایسا ہوتا ہے کہ اتحاد پسند بھی نہیں کیا جاتا ہے اگر ایک محفل میں دس شاعر اکٹھا ہو جائیں اور کمال اتحاد کو ظاہر کرنے کیلئے سب ایک ہی قصیدہ پڑھ دیں کہ دیکھئے کہ ہمارے درمیان نہ فکر کا کوئی اختلاف ہے نہ فن کا کوئی اختلاف ہے۔ نہ سوچنے کا کوئی اختلاف ہے۔ جو انھوں نے پڑھا ہے وہی ہم پڑھیں گے۔ جو ہم پڑھیں گے وہی ہمارے بعد والا پڑھے گا۔ تو دو کو برداشت کرنے کے بعد لوگ کہیں گے جناب اس کے بعد آپ زحمت نہ فرمائیں۔ ہمیں تو اختلاف ہی چاہئے۔ اختلاف کے معنی لڑائی نہیں جھگڑا نہیں مگر الگ چیز چاہئے۔ آپ کچھ اور کہیں وہ کچھ اور کہیں۔ ان کے اشعار الگ ہوں آپ کے اشعار الگ ہوں۔ ان کی فکر الگ ہو، آپ کی فکر الگ ہو۔ یہ اگر متحد ہو جائیں تو ناقابل برداشت ہو جائیں گے اور اگر الگ الگ خیالات پیش کریں تو اس سے بہتر کوئی شئے نہیں ہے کیوں؟ اسلئے کہ جہاں فکر ہوتی ہے جہاں شعور ہوتا ہے، جہاں عقل ہوتی ہے، جہاں سمجھ ہوتی ہے، جہاں نظر ہے، جہاں نظریات ہیں وہاں اختلافات ضرور ہوں گے۔ چاہے برادری ایک ہو، شجرہ ایک ہو، نسب ایک ہو، خاندان ایک ہو۔ کتنا ہی اتحاد کیوں نہ پیدا ہو جائے جہاں عقل و فکر و شعور ہے وہاں اختلاف نظر و نظریات ضرور ہوگا۔

توجہ فرمائیں۔ یہ تمہید جو میں آپ کے سامنے گذارش کر رہا ہوں اسے اگر کسی نے محسوس نہ کیا تو اس کے بعد جتنی باتیں کہنے والا ہوں وہ اسے محسوس نہیں کر سکتا۔

یہ ہے عالم انسانیت کا مزاج۔ یہ ہے عالم انسانیت کی ایک انسانی دنیا کہ جہاں اہل فکر و نظر و شعور زیادہ ہوں گے تو جتنے ہوں گے اتنے نظریات، اتنے خیالات، اتنے مزاج اور اتنی طبیعتیں بھی ہوں گی۔ ان میں اختلاف چاہے ٹکراؤ کے معنی میں نہ ہو لیکن خیالات کے معنی میں اختلاف ضرور پیدا ہوگا۔

تو عزیزو جب دو بھائیوں کا یہ حال ہے۔ جب برادری کے چار آدمیوں کا یہ حال ہے۔ جب چھ علماء کا یہ حال ہے۔ جب دس شعراء کا یہ حال ہے تو اگر کسی برادری میں ایک لاکھ چوبیس ہزار افراد ہوں تو وہاں کا حال کیا ہونا چاہئے۔ یہ بھی ایک برادری ہے۔ جسطرح مومنین کی ایک برادری ہوتی ہے۔ علماء کی ایک برادری ہوتی ہے۔ شعراء کی ایک برادری ہوتی ہے۔ ایسے ہی رسولوں کی ایک برادری ہے۔ پیغمبروں کی ایک برادری ہے۔ جس میں ایک لاکھ چوبیس ہزار افراد پائے جاتے ہیں تو جس برادری میں اتنے زیادہ افراد پائے جاتے ہوں اور سب صاحبان عقل ہوں۔ ایسے صاحبان عقل کہ کسی کی اُمت کے پاس ایسی عقل نہ ہو جیسی عقل پیغمبر کے پاس ہے ورنہ اگر قوم کے پاس فکر و شعور کی مقدار پیغمبر سے زیادہ ہو گئی تو یہ ظلم ہوگا کہ ایسی قوم کیلئے ایسا پیغمبر بھیجا جائے۔ تو ہم تو یہی سمجھ رہے تھے کہ جس برادری میں ایک لاکھ چوبیس ہزار ہوں گے اس برادری میں ایک لاکھ چوبیس ہزار قسم کے اختلافات ہوں گے۔ اور جو بچے نہیں جانتے ان کے معلومات کیلئے ایک لفظ گزارش کرنا چاہتا ہوں۔

پروردگار عالم نے جنکو نبی بنایا ہے ان کی تعداد ہے ایک لاکھ چوبیس ہزار اور ان ایک لاکھ چوبیس ہزار نبیوں کے درمیان اب میں نے لفظ بدل دیا ہے پیغمبروں کے درمیان نہیں کہہ رہا ہوں اسلئے کہ ہمارے یہاں نبی کا ترجمہ پیغمبر کیا جاتا ہے جو کہ غلط ہے۔ ایک لاکھ چوبیس ہزار خدائی منصب دار نبیوں کے

درمیان جنکو پیغمبر بنایا گیا ہے وہ صرف تین سو تیرہ ہیں جنھیں رسول کہا جاتا ہے۔

میری ابتدائی تقریر یں اگر آپ کے ذہن میں ہیں تو جس کے پاس خدائی خبر آتی ہے وہ ہے نبی اور جس کے پاس خدائی پیغام آتا ہے وہ ہے رسول۔ تو جس کے پاس پیغام آئے گا وہی تو پیغمبر ہوگا پیغام کا لے جانے والا ہوگا۔

تو نبی تھے ایک لاکھ چوبیس ہزار اور ان کے درمیان رسول ہیں تین سو تیرہ۔

تو اگر اس برادری میں ایک لاکھ چوبیس ہزار اختلافات نہ بھی ہوں تو کم سے کم تین سو تیرہ اختلافات تو ہونے چاہئیں اسلئے کہ یہ بھی پیغامبر ہیں۔ اِن کے پاس بھی کوئی پیغام ہے۔ وہ بھی پیغامبر ہیں اُن کے پاس کوئی پیغام ہے۔ یہ بھی ایک بشر ہیں وہ بھی ایک انسان ہیں۔ یہ بھی صاحب فکر ہیں وہ بھی صاحب نظر ہیں۔ تو ان کے درمیان کوئی اختلاف تو ہونا چاہئے لیکن جب ہم نے تاریخ مرسلین پڑھی تاریخ انبیاء پڑھی تو نہ ایک لاکھ چوبیس ہزار نبیوں کے درمیان کوئی اختلاف دیکھا۔ نہ تین سو تیرہ رسولوں کے درمیان کوئی اختلاف دیکھا تو آخر کیا وجہ ہے کہ دو حقیقی بھائیوں کے درمیان مزاج و طبیعت و فکر و نظر کا اختلاف ہو جاتا ہے اور تین سو تیرہ کے درمیان اختلاف نہیں ہے۔ کیا ان کے پاس کوئی مزاج نہیں ہے۔ نہ سرد نہ گرم۔ ان کے پاس کوئی طبیعت نہیں ہے ان کے پاس کوئی فکر نہیں ہے ایسا تو نہیں ہو سکتا اور اگر یہ سب ہے تو اختلاف کیوں نہیں ہے۔

اب میں پہلے چند لمحوں میں آپ کے سامنے تاریخ قرآن گذارش کرنا چاہتا ہوں اس کے بعد میں اس مسئلہ کو حل کروں گا جسکو میں نے ابتدا میں آپ کے سامنے رکھدیا تھا تاکہ اتنی دیر تک آپ خود بھی کچھ سوچتے رہیں۔

رسول ایک دو نہیں تین سو تیرہ کی تعداد جو روایات میں بیان کی گئی ہے اور قرآن مجید نے ان کا حوالہ دیا ہے۔ پہلا اعلان قرآنی "لکل امۃ رسول" اللہ کی طرف سے

ہر اُمت کیلئے ہر قوم کیلئے ایک رسول ہے کوئی قوم ایسی نہیں ہے کہ جس کے لیے اللہ نے کوئی رسول نہ بنایا ہو۔ خدا نے ہر قوم کیلئے ایک رسول بنایا ہے۔ ہر قوم کیلئے ایک رسول ہے۔ ہر قوم میں رسول نہیں ہر قوم کیلئے خدا نے ایک رسول بنایا ہے۔ لیکن ہر قوم میں ایک رسول ہو ایسا نہیں ہے۔ تو کیا بعض قومیں ایسی ہیں کہ جن کیلئے خدا نے ہدایت کا کوئی انتظام نہیں کیا ہے؟

قرآن مجید دوسرا اعلان کرتا ہے "ان من اُمتہ الاخلا فیھا نذیر" کوئی اُمت کوئی قوم ایسی نہیں ہے جس کے درمیان کوئی ڈرانے والا نہ آیا ہو۔ اگر آپ ذہنوں پر تھوڑا زور دیں تو میری یہ محنت ضایع نہ ہو۔ کوئی قوم ایسی نہیں ہے جس کے درمیان کوئی ڈرانے والا نہ آیا ہو۔ اب یہ "درمیان" اور "لیے" کا آپ فرق محسوس کر رہے ہیں۔ کل میں نے عرض کیا تھا کہ اللہ نے پیغمبرؐ کو بھیجا مکہ والوں کے درمیان۔ مگر رسولؐ بنایا عالمین کیلئے۔ تو اب اس لفظ کے فرق کو پہچان لیں کہ کوئی قوم ایسی نہیں ہے جس کے درمیان خدا نے کوئی ڈرانے والا نہ بھیجا ہو۔ تو جو درمیان میں آیا ہے وہ ہے ڈرانے والا اور جو قوموں کیلئے آیا ہے وہ ہے رسولؐ۔ دونوں کا فرق پہچانا آپ نے۔ ڈرانے والا الگ ہوتا ہے اور رسولؐ الگ ہوتا ہے۔ اگر کسی قوم میں کسی قریہ میں کسی گاؤں میں کوئی عالم چلا جائے تو وہ کس کام کیلئے جاتا ہے؟ خود قرآن مجید نے کہا کہ تمھاری ذمہ داری ہے کہ تم میں سے کچھ افراد نکلیں اور جا کر علم دین حاصل کریں اور جب علم دین حاصل کر کے پلٹ کے آئیں تو ان کا کام ہوگا "لنیذروا قومھم اذا رجعوا الیھم" جب قوم میں پلٹ کے آئیں تو قوم کو ڈرائیں۔ اس کے معنی کیا ہوئے کہ ڈرانا رسولؐ کا کام بھی ہے، ڈرانا نبی کا کام بھی ہے، ڈرانا عالم کا کام بھی ہے۔ یہ کام ایسا مشترک ہے جو خدا کبھی نبیؑ سے لیتا ہے کبھی یہ کام رسول سے لیتا ہے اور کبھی یہ کام عالم سے لیتا ہے۔ تو جب قرآن نے

کہا کہ کوئی قریہ کوئی گاؤں کوئی جگہ ایسی نہیں ہے جس میں خدا نے کوئی ڈرانے والا نہ بھیجا ہو تو یہ کام تو عالم سے بھی ہو جائے گا۔ یہ کام وصی سے بھی ہو جائے گا۔ یہ کام نبیؑ سے بھی ہو جائے گا لیکن خدا نے ہر قوم "کیلئے" رسولؐ بنایا ہے۔ تو اگر ہر قوم میں رسول ہوتا تو تین سو تیرہ نہ ہوتے۔ اقوام عالم کی تعداد تین سو تیرہ نہیں۔ اقوام عالم کی تعداد ہزاروں میں ہے تو خدا نے ان ساری قوموں کیلئے جنکو رسول بنایا ہے وہ ہیں تین سو تیرہ اور جنکو اتمام حجت کیلئے ان کے درمیان بھیجا ہے ان کا نام رسول نہیں ہے ان کا نام ڈرانے والا ہے۔

تو جو قوموں کے درمیان آئے وہ تھے نذیر اور جو قوموں "کیلئے" آئے وہ تھے رسول۔

آپ تھوڑی دیر اپنے ذہنوں کو میرے ساتھ رکھیں پروردگار عالم نے تین سو تیرہ رسول بھیجے اتنی اقوام کیلئے جو ہزاروں کی تعداد میں تھیں اور ہیں۔ مگر سب کیلئے خدا نے تین سو تیرہ رسول بھیجے۔ تو اس کے معنی یہ ہوئے کہ خدا نے ایک کو پیغام دیکر بھیجا اور دس کو اس پیغامبر کے ساتھ لگا دیا کہ اس کے پیغام کو آگے بڑھائیں۔ توجہ کر رہے ہیں آپ۔ پیغام لانے والا ایک اور اس پیغام کو گاؤں گاؤں، شہر شہر، علاقے علاقے پہونچانے کیلئے متعدد۔ کسی کے ساتھ دس ہیں۔ کسی کے ساتھ بیس ہیں۔ کسی کے ساتھ سو ہیں۔ کسی کے ساتھ ہزار ہیں۔ یہاں تک کہ تین سو تیرہ کے درمیان ایک لاکھ چوبیس ہزار کی تعداد پوری ہو گئی۔ یہ تین سو تیرہ کا پیغام تھا جو ایک لاکھ چوبیس ہزار پہونچا رہے تھے۔ یہ تو انبیاء تھے اس کے علاوہ جو پہونچانے والے اوصیاء ہیں وہ الگ ہیں جو پہونچانے والے علماء ہیں وہ الگ ہیں اور چونکہ علماء کے سر وہ ذمہ داری رکھی گئی ہے جو کل رسولوں کے ساتھ نبی انجام دیتے تھے۔ اسی لیے پیغمبرؐ نے فرمایا تھا کہ میری امت کے علماء بنی اسرائیل کے

انبیاء جیسے ہیں۔ یہ مرسلین جیسے نہیں ہیں اسلئے کہ انھیں پیغامبر نہیں بنایا گیا ہے یہ انبیاء جیسے ہیں ان کا کام پیغام کو عام کرنا ہے اور اس پر عمل کرانا ہے۔

تو خدا نے ہر قوم کیلئے رسول بنائے پھر اعلان کیا "ثم ارسلنا رسلنا تترا" ہم نے مسلسل رسولوں کے بعد رسول بھیجے۔ برابر رسول آتے رہے۔ کچھ کی مثالیں بیان کر دیں کہ ہم نے نوحؑ کو رسول بنایا۔ ہم نے ابراہیمؑ کو رسول بنایا۔ ہم نے ہود و لوطؑ و شعیبؑ و صالحؑ کو رسول بنایا۔ ہم نے موسیٰؑ اور عیسیٰؑ کو رسول بنایا۔ مگر فقط اتنے رسول نہیں ہیں۔ یہ ایک سلسلہ تھا جس کا اعلان قرآن مجید نے کیا ہے کہ ہم نے رسول تو بہت سے بھیجے "منہم من قصصنا علیک" کچھ وہ ہیں جن کے قصے ہم نے بیان کر دیئے ہیں اور کچھ وہ ہیں جن کے قصے بھی بیان نہیں کئے۔ مگر ساری اُمت اسلامیہ کا فرض ہے کہ چاہے قرآن میں ان کا ذکر ہو چاہے نہ ہو مگر مانیں۔

دیکھئے میری بات ضایع نہ کیجئے گا۔ اگر چہ یہ طے ہے اور خود خدا کہتا ہے کہ ہم نے ذکر بھی نہیں کیا ہے مگر مسلمان کا فرض ہے کہ مانے۔ تو اتنی عقل تو ہر مسلمان کے پاس ہونی چاہئے کہ اگر ایک لاکھ چوبیس ہزار پیغمبروں پر ایمان ہے تو کبھی کسی مسئلہ میں یہ نہیں کہے گا کہ قرآن میں نہیں ہے تو نہ مانیں گے۔

دیکھئے کتنا احمقانہ مطالبہ ہے اکثر مسائل کے بارے میں جو لوگ کہتے ہیں کہ یہ قرآن میں کہاں ہے۔ قرآن میں نہیں ہے تو نہیں مانیں گے۔ ایک لاکھ چوبیس ہزار پیغمبرؑ قرآن میں کہاں ہیں اور ایک لاکھ چوبیس ہزار تو بہت ہوتے ہیں تین سو تیرہ رسول کہاں ہیں قرآن میں۔ قرآن میں تو بیس بائیس کا تذکرہ ہے بس اتنے ہی کو مانئے باقی کو چھوڑ دیجئے۔ اسلئے کہ ہم تو وہی مانیں گے جو قرآن میں ہے ہمارے لیے قرآن کافی ہے۔ مگر جب بات ایمان پر آپڑی تو کہا کہ یہ ضروری نہیں ہے کہ سب کچھ قرآن ہی میں ہو بلکہ جو قرآن میں ہے وہ بھی مان لیں گے اور

جو حضورؐ نے فرمایا ہے وہ بھی مان لیں گے۔ تو دیکھئے اب بات قرآن سے آگے بڑھ گئی کہ حضورؐ نے فرمایا ہے کہ اتنے رسول تھے لہذا مان لیں گے۔ حضورؐ نے کہا ہے کہ اتنے نبی تھے لہذا مان لیں گے۔ چاہے قرآن میں ان کا ذکر ہو یا نہ ہو۔ تو مسئلہ عقیدہ میں کم سے کم مسلمان اتنا آگے تو بڑھا کہ صرف اتنا نہ مانیں گے جتنا قرآن میں ہے بلکہ جو قرآن میں ہے وہ بھی مانیں گے اور جو حضورؐ نے فرمایا ہے وہ بھی مانیں گے حالانکہ اگر آپ انصاف کریں تو جتنا قرآن میں ہے وہ بہت کم ہے۔ اور جتنا حضورؐ نے فرمایا ہے وہ بہت زیادہ ہے۔ کہاں بیس بائیس اور کہاں ایک لاکھ چوبیس ہزار۔ اگر کم سے کم یہی ہوتا کہ چوبیس ہزار قرآن میں ہوتے اور باقی ایک لاکھ حضورؐ نے فرمائے ہوتے تو کم سے کم تگنے چوگنے کا فرق ہوتا۔ یہ بیس بائیس کہاں اور ایک لاکھ چوبیس ہزار کہاں۔ مگر جب حضورؐ نے بیان کر دیا تو ہر مسلمان سر جھکا کے ایمان لے آیا۔ ارے ایک لاکھ چودہ ہزار تو صحابی تھے حضورؐ کے۔ ایک لاکھ چودہ ہزار صحابی حضورؐ مدینہ میں چھوڑ کے گئے تھے۔ کاش صحابہ نے ہم پر اتنا ہی احسان کیا ہوتا کہ ہر ایک نے ایک ایک نبی کا نام یاد کر لیا ہوتا تو یہ بالکل اندھیرے کا ایمان نہ ہوتا۔ ایک آتا حضورؐ ایک نبی کا نام بتائیے۔ دوسرے نے کہا ہوتا حضورؐ ایک نبی کا نام بتائیے۔ جنکا حافظہ اچھا تھا کہ پورا پورا قرآن یاد کر سکتے تھے وہ دو چار کے نام یاد کر لیتے اور اسطرح ایک لاکھ چوبیس ہزار تو پورے ہو ہی جاتے اور آج مسلمانوں کے پاس کم سے کم ان کے عقیدے کی ایک سند تو ہوتی کہ آج دوسری قوم کا کوئی آدمی اٹھ کے کہدے کہ ایک لاکھ چوبیس ہزار کو مانتے ہو ذرا چوبیس ہزار کے نام تو بتاؤ تو سوائے اس کے کہ کہدیں کہ ہمارے حضورؐ نے فرمایا ہے۔ اس کے آگے کیا کہیں گے جبکہ طنز کرنے والا کہے گا سبحان اللہ یہ عجب ایمان ہے کہ نہ نام معلوم ہیں نہ نسب معلوم

ہے نہ قوم معلوم ہے نہ جگہ معلوم ہے۔ نہ کچھ معلوم ہے۔ خالی ایمان لے آئے ہیں۔ کیوں؟ اسلئے کہ انھوں نے فرما دیا ہے۔ تو جب وہ فرما رہے تھے تو کہیں آسمانوں پر تو نہیں فرمایا تھا۔ بزم اصحاب ہی میں تو فرمایا تھا آپ نے پوچھا کیوں نہیں۔

دیکھئے یہ ایک عجیب مسئلہ ہے کہ میں ہر بات کو وضاحت سے گذارش نہیں کر سکتا ہوں لیکن ایک لمحہ آپ میرے ساتھ رہیں شائد آپ کے ذہن اس مسئلہ کی طرف متوجہ ہو جائیں تو یہ مسئلہ بھی حل ہو جائے گا۔ اکثر لوگ کہا کرتے ہیں کہ اگر قرآن مجید کے یہ معنی نہیں ہیں جو لوگ بیان کرتے ہیں اور کوئی اور معنی ہیں تو اتنے چاہنے والے اہل بیتؑ کے گرد رہا کرتے تھے انھوں نے پوچھ لیا ہوتا کہ اس آیت کے معنی کیا ہیں اور نوٹ کر لیا ہوتا تو آپ کے معنی الگ ہوتے اور ہمارے معنی الگ ہوتے۔

اس کے معنی کیا ہیں کہ فلاں امام کی تاریخ ولادت یہ ہے یا وہ ہے آخر اتنے آدمی امام کے پاس تھے کسی نے پوچھ کر نوٹ کر لیا ہوتا کہ یہ جھگڑا ہی نہ ہوتا۔ عزیزو! یہ جتنے مطالبے ہم سے ہیں۔ یہی مطالبہ ہمارا اُمت اسلامیہ سے ہے۔

تاریخ ولادت تو کوئی مذہب نہیں ہے۔ اگر کسی آدمی کو نہیں معلوم ہے کہ پیغمبرؐ کس تاریخ کو پیدا ہوئے تو کیا وہ آدمی مسلمان نہیں ہے۔ تاریخ ولادت، وفات کا عقیدے سے کوئی تعلق نہیں ہے لیکن شخصیت کا تعلق ہے۔ کوئی نبی ہی کو نہ جانتا ہو تو کیسے ایمان لائے گا۔ تو ہم سے یہ مت پوچھئے کہ تاریخ ولادت کیوں نہ طے ہو گئی۔ تاریخ وفات کیوں نہ طے ہو گئی۔ ہم آپ سے یہ پوچھتے ہیں کہ اتنے انبیاء کیوں نہ طے ہو گئے۔ ایک لاکھ چودہ ہزار سکھنے والے اور ایک لاکھ

چوبیس ہزار کا ایمان۔ کم سے کم شخصیتیں تو معلوم ہو جاتیں۔ موسٰیؑ اور عیسٰیؑ کے درمیان کتنے آدمی تھے اور ان کے نام کیا تھے۔ کسی نے نہ پوچھا۔

سمجھ ہی میں نہیں آتا کہ آنکھ بند کر کے لوگ کیسے ایمان لے آئے۔ ہم تو اس لیے ایمان لائے کہ کس سے پوچھنے جائیں۔ نہ عالم کو خبر نہ جاہل کو۔ نہ قوم کو خبر نہ مرشد کو۔ نہ قاری کو خبر نہ حافظ کو۔ کسی کو نہیں معلوم۔ ہم کس سے پوچھیں۔ مگر حضور کو تو خبر تھی جو حضورؐ کے سامنے بیٹھے تھے اگر انھوں نے پوچھ لیا ہوتا تو کیا پیغمبر بھی کہہ دیتے کہ مجھے نہیں معلوم۔ پیغمبرؐ تو یہ نہیں کہہ سکتے تھے۔ حضور نے بتا دیا ہوتا۔

مگر مسلمان نے کہا کہ بس حضورؐ نے فرما دیا یہی کافی ہے۔ حضورؐ سے کیا پوچھنا ہے وہ اگر کہتے دس لاکھ تو ہم وہ بھی مان لیتے۔ نہ ہمیں نام پوچھنے کی ضرورت ہے نہ شجرہ دریافت کرنا ہے۔ نہ باپ کا نام نہ ماں کا نام۔ نہ قوم نہ قبیلہ۔ نہ جگہ نہ پیدائش۔ نہ وفات۔ بس حضورؐ نے کہدیا اتنا ہی کافی ہے۔

اللہ! مسلمان جب ماننے پر آتا ہے تو اتنا شریف ہو جاتا ہے کہ بغیر نام، نسب، شجرہ، تاریخ ولادت و وفات، ایک لاکھ چوبیس ہزار کا ذکر سن لیا اور سادگی سے ایمان لے آیا اور جب نہ ماننا ہو تو ایک کا پتہ بھی دیدیا نام بھی بتا دیا۔ باپ کا نام بتایا۔ شجرہ بتایا۔ غیبت صغریٰ بتائی۔ غیبت کبریٰ بتائی۔ ظہور بتایا۔ انقلاب بتایا۔ سب کچھ بتایا مگر اب تک بات سمجھ میں نہیں آئی۔

تو عزیزان محترم! میں یہ گذارش کر رہا تھا کہ رسولوں کا ایک سلسلہ ہے جسکی طرف قرآن مجید نے بار بار اشارہ کیا ہے۔ اب میرا بنیادی مسئلہ جہاں سے میں نے اپنی گفتگو کا آغاز کیا تھا کہ اختلاف کیوں نہیں ہے۔ اتنی بڑی برادری اور برادری میں بھی اگر سب برابر والے ہوتے تو شائد اختلاف نہ ہوتا لیکن کبھی کبھی ایسا

ہوتا ہے کہ حقیقی بھائیوں میں ذرا اونچ نیچ پیدا ہو گئی اور اختلاف پیدا ہو گیا۔ چھوٹا بھائی کہتا ہے کہ بڑے بھائی ایسے کیوں ہو گئے اور بڑا بھائی سوچ رہا ہے کہ چھوٹے بھائی اتنے آگے کیوں بڑھ گئے۔ ارے تمہارا بھائی ہی تو آگے بڑھ گیا ہے تم کو کیا پریشانی ہے۔ پریشانی باہر والوں کو ہونی چاہئے۔ مگر بلاوجہ اختلاف پیدا ہو جاتا ہے ورنہ ظاہر ہے کہ آدم ہی کے بیٹے کا نام ہابیل ہے اور آدم ہی کے بیٹے کا نام قابیل ہے اگر ایک بھائی کسی وجہ سے آگے بڑھ گیا تو دوسرے بھائی کو خوش ہونا چاہئے کہ میں تو اتنا اونچا نہیں مگر میرا چھوٹا بھائی اتنا اونچا ہے مگر یہ حسد جہاں داخل ہو جائے وہاں پھر برادری کام نہیں کرتی ہے۔ جہاں حسد آجائے وہاں نہ شجرہ کام آتا ہے نہ رشتہ کام آتا ہے۔ نہ نسب کام آتا ہے۔ خالی حسد کام کرتا ہے جب پہلے دن دیکھا تو یہ دیکھا کہ ایک باپ کے دو بیٹے مگر بڑے بھائی سے یہ برداشت نہیں کہ چھوٹا بھائی کیسے آگے بڑھ گیا۔ اور جب یہ نفسانیت بڑھ کے آخری مرحلہ پر آئی تو باپ یہ سوچ رہا ہے کہ میرے ہوتے ہوئے بیٹا کیسے آگے بڑھ گیا۔ یہ عجب تاریخ انسانیت ہے کہ نہ بھائی سے بھائی برداشت ہوتا ہے نہ باپ سے بیٹا برداشت ہوتا ہے مگر یہ سب وہاں ہوتا ہے جہاں نفسانیت پائی جاتی ہے لیکن جہاں نفسانیت نہ پائی جاتی ہو وہاں جب باپ پر طنز کیا جائے گا کہ تمہارے ہوتے ہوئے تمہارے بیٹے کو وصی، وزیر، جانشین بنا دیا گیا تو وہ کہے گا۔ ہو تو کوئی ایسا مقدر والا باپ جس کا فرزند کائنات کا امیر ہو جائے تو عزیزان محترم یہ تین سو تیرہ کی برادری یا ایک لاکھ چوبیس ہزار کی برادری ہے اور سب برابر کے بھی نہیں ہیں خود قرآن مجید کہتا ہے تیسرے پارے کے آغاز میں۔ "تلک الرسل فضلنا بعضھم علی بعض" ہم نے ان رسولوں میں بعض کو بعض سے افضل بنایا ہے تو ایسا بھی نہیں ہے کہ سب برابر ہیں لہٰذا اختلاف نہیں ہے بلکہ برابر بھی

نہیں ہیں بعض بعض سے افضل ہیں تو جو افضل نہیں تھے انھیں کو سوچنا چاہئے تھا کہ یہ افضل کیوں ہو گئے اور جو افضل تھے انھیں کو اکڑ جانا چاہئے تھا کہ یہ کیا ہیں ہمارے سامنے۔ ان کی کیا حقیقت ہے۔

اتنی طویل و عریض برادری، کتنے افراد، کتنے مزاج، کتنی طبیعتیں، افضلیت اور غیر افضلیت کے مسائل مگر کوئی اختلاف نہیں۔ آخر یہ اختلاف کیوں نہیں ہے آپ میرے ساتھ چلیں انشاء اللہ جب نتیجہ گذارش کروں گا تو آپ کو لطف آئے گا۔ اب پروردگار عالم اعلان کرتا ہے پہچانو اختلاف کیوں نہیں ہے پیغمبرؐ! "ما ارسلنا من قبلک من رسول الا نوحی الیہ انہ لا الہ الا انا فاعبدون" آپ سے پہلے ہم نے جو رسول بھی بھیجا اسکی طرف ایک ہی وحی کی۔ اسے ایک ہی پیغام دیا "لا الہ الا انا" میرے علاوہ کوئی خدا نہیں ہے۔ "فاعبدون" میری بندگی کرو۔ پروردگار عالم نے ہر رسول کو ایک پیغام دیکر بھیجا ہے کہ قوم کو جا کر یہ بتا دو کہ میں تم سب کا خدا ہوں میرے علاوہ کوئی خدا نہیں ہے تم سب کی ذمہ داری ہے کہ میری عبادت کرو۔ یہ خدا نے کیوں کہا تا کہ تمھیں معلوم ہو جائے کہ اختلاف اس وقت پیدا ہوتا ہے جب پیغامات الگ الگ ہوتے ہیں اگر ان کا پیغام کچھ اور ہوتا، ان کی بات کچھ اور ہوتی تو اختلاف پیدا ہو جاتا۔ ہم نے تو جسکو بھیجا ایک ہی بنیادی پیغام دیا کہ ہم سب کے پروردگار ہیں۔ سب کے خدا ہیں اور سب کی ذمہ داری ہے کہ ہماری عبادت کریں تو جناب نوحؑ یہی پیغام لیکر آئے۔ جناب ابراہیمؑ یہی پیغام لیکر آئے۔ جناب موسٰیؑ نے یہی کہا کہ وہ خدا ہے اسکی عبادت کرو۔ جناب عیسٰیؑ نے یہی کہا کہ وہ خدا ہے اسکی عبادت کرو۔ سب کے پاس پیغام ایک تھا اور اگر شریعتوں کا کوئی اختلاف ہے تو وہ اختلاف طریقہ عبادت میں ہے پیغام میں نہیں ہے۔

مثلاً اگر جناب ابراہیمؑ کی شریعت جناب موسیٰؑ سے الگ ہے تو اس کے معنی کیا ہیں؟

پیغام ایک ہے خدا کی بندگی کرو۔

ابراہیمؑ کی قوم نے کہا کیسے۔ کہا ایسے۔

جناب موسیٰ نے کہا وہ تمھارا خدا ہے تم اسکی عبادت کرو۔

قوم نے کہا کیسے؟

جناب موسیٰؑ نے کہا ایسے۔

ہر ایک نے اپنی قوم کو اس قوم کی صلاحیت کے مطابق طریقہ بندگی سکھایا ہے تو طریقہ بندگی الگ الگ ہے پیغام میں کوئی فرق نہیں ہے۔ خدا نے سبکو بھیجا تھا ایک پیغام دیکر۔

پہلی وحدت پیغام میں ہے۔ اور جب اتنی بڑی قوم کے سامنے ایک انسان کو اتنا بڑا پیغام دیکر بھیجا ہے کہ وہ خدا ہے باقی کوئی نہیں ہے تو یہ پتھروں والے کہاں جائیں گے۔ درختوں والے کہاں جائیں گے۔ چاند سورج والے کہاں جائیں گے۔ ہر طرف سے حملہ ہی تو ہوگا کہ ہمارے سارے خداؤں کو باطل کرنے کیلئے آگئے۔ خدا نے کہا اگر ہم نے بھیجا ہے اور یہ پیغام دیکر بھیجا ہے تو خالی ہاتھ نہیں بھیجا ہے۔ اسلحہ ساتھ کیا ہے "لقد ارسلنا رسلنا بالبینات وانزلنا معھم الکتاب والمیزان" ہم نے جو رسول بھیجا اسکو دلیلوں کے ساتھ، معجزات کے ساتھ بھیجا۔ اب جسکا جی چاہے مقابلہ پر آجائے جو مقابلہ پر آئے گا اتنا ہی کرسکتا ہے جتنا بشر کی طاقت میں ہو۔ اور معجزہ وہ کرسکتا ہے جو طاقت بشر سے بالاتر ہو۔ تو ہم نے جسکو بھیجا لاوارث بنا کے نہیں بھیجا۔ معجزات ساتھ کئے ہیں اور اگر پوچھئے آپ کیا کرنے کیلئے آئے ہیں تو "انزلنا معھم الکتاب والمیزان" ان کے ساتھ کتاب کردی ہے تاکہ

پیغام سنا سکیں اور اگر اچھے برے کو طے کرنا ہے تو ان کے ساتھ ایک میزان ایک ترازو بھی کردی ہے۔ تا کہ شخصیتوں کو تول لیا جائے۔ اعمال کو تول لیا جائے۔ کون اچھا عمل ہے کون برا عمل ہے اور اتنا اگر ناکافی ہو گیا تو "انزلنا الحدید" پھر ہم نے آسمان سے لوہا بھی نازل کر دیا اسلئے کہ سب اتنے سمجھدار نہیں ہوتے ہیں کہ معجزہ دیکھ کر مان جائیں۔ سب اتنے شریف نہیں ہوتے ہیں کہ کتاب پڑھیں اور سمجھ جائیں۔ سب ایسے نہیں ہوتے ہیں کہ میزان سامنے آئے اور میزان پر تل جائیں۔ کچھ شریر بھی ہوتے ہیں۔ لڑنے جھگڑنے والے بھی ہوتے ہیں۔ تو ہم نے انبیاء و مرسلین کو خالی ہاتھ نہیں رکھا۔ ہم نے لوہا بھی نازل کر دیا۔ ایسا لوہا "فیہ باس شدید" اس میں طاقت پائی جاتی ہے یعنی ہم نے ان کو مسلح بنا دیا معجزات سے مسلح، کتاب سے مسلح اور لوہے سے مسلح۔ تا کہ شریف آئیں تو کتاب سنائیں۔ جاہل آئیں تو معجزات دکھلائیں۔ شریر آئیں تو لوہا سامنے آئے۔

میرے ایک ایک لفظ پر غور کریں گے آپ۔ معجزات عام طور سے اہل علم کے لیے نہیں ہوتے ہیں۔ اہل علم کیلئے تو کتاب ہوتی ہے۔ معجزات بے چارے جاہلوں کیلئے ہوتے ہیں جو غریب سمجھ نہیں پاتے ہیں کہ کتاب میں کیا لکھا ہے۔ کہا بتایئے آپ پیغمبر ہیں؟ کہا دیکھو چاند توڑے دیتے ہیں۔ اس میں کسی علم کا کام تو نہیں ہے۔ کسی نے کہا اگر یہ جانور گواہی دے گا تو ہم مان لیں گے۔ جانور نے گواہی دیدی اس میں کسی علم کا کام تو نہیں ہے۔ کسی نے کہا یہ ذرے اگر تسبیح پڑھ لیں گے تو ہم مان لیں گے۔ ذرات ہاتھ میں لے لیے اور تسبیح پڑھنے لگے۔ مان گئے۔ یہ تو خالی دیکھنے کا مسئلہ ہے یہ کوئی عقلی مسئلہ تو ہے نہیں۔ گویا عوام الناس کیلئے ہوتے ہیں معجزات اور خواص، پڑھے لکھے لوگوں کیلئے ہوتی ہے کتاب، اور دونوں سے ہٹ کر شریر طبیعت والوں کیلئے ہوتے ہیں اسلحے۔ ان کیلئے ہوتی

ہے تلوار۔ ان کیلئے ہوتا ہے لوہا اسلئے کہ یہ لوہا ہی ہے جو ان شریروں سے لوہا منوا سکتا ہے۔

عزیزان محترم اب آپ کی زحمت تمام ہو گئی۔ آخری نکتہ پر توجہ دیں تاکہ اتنی دیر کی میری محنت ضایع نہ ہونے پائے۔ تو پروردگار نے کہا کہ ہم نے جب بھی کوئی رسول بھیجا اسے تین طرح سے مسلح کر دیا۔ معجزات دیدیئے۔ کتاب دیدی۔ لوہا نازل کر دیا۔

کتاب دیدی تاکہ پڑھے لکھے سمجھیں۔ معجزات دیدیئے تاکہ عوام الناس سمجھیں۔ لوہا دیدیا تاکہ شریروں کا علاج ہو جائے۔

اب ہمکو پرانے رسولوں کی تاریخ میں تو ان کے نام تک نہیں معلوم ہیں۔ ان کی کتاب کے بارے میں کیا بتائیں۔ ان کے معجزات کی بارے میں کیا بتائیں۔ ان کے اسلحوں کا کیا پتہ بتائیں۔ ہمیں تو انھیں کا پتہ نہیں معلوم ہے تو ہم مسلمانوں سے یہ نہ پوچھیں گے کہ تین سو تیرہ کے نام کیا تھے۔ ان کی کتابیں کیا تھیں۔ ان کے معجزات کیا تھے۔ ان کا اسلحہ کیا تھا۔ اسلئے کہ جب مسلمان کو نام تک نہیں معلوم ہیں تو یہ سب پوچھنا ہی بے کار ہے۔ لیکن جس کے بارے میں سب معلوم ہے کہ کم سے کم اپنے پیغمبرؐ کا حال تو معلوم ہے۔ نام معلوم ہے۔ باپ کا نام معلوم ہے۔ ماں کا نام معلوم ہے۔ ولادت معلوم ہے۔ وفات معلوم ہے۔ شجرہ معلوم ہے۔ اس کے بارے میں کتاب تو ہمیں بھی معلوم ہے۔ خدا نے پیغمبرؐ کو جو کتاب دی ہے وہ ہمیں بھی معلوم ہے، یہی قرآن مجید ہے۔

خدا نے پیغمبرؐ کو جو معجزات دیئے ہیں وہ سبکو معلوم ہیں شق القمر سے لیکر سنگریزوں کی تسبیح تک۔ اب ایک آخری سوال رہ گیا کہ پرانے مرسلین کا لوہا نہ بتاؤ تو کم سے کم اپنے پیغمبر کا اسلحہ بتا دو۔ وہ لوہا کون سا تھا جو نبی پر نازل کیا گیا۔

میں یہی کہوں گا کہ میدان جہاد میں آ کے دیکھو۔ خود ہی معلوم ہو جائے گا۔ فرق یہ ہے کہ معجزات ملے تو تمہارے حوالے کر دیئے۔ کتاب ملی تو اہل کے حوالے کر دیا اور جب ذوالفقار آئی۔ جو اس کے قابل تھا اسے اس کے حوالے کر دیا۔

تو مالک کائنات نے مرسلین کو بھیجا ایک پیغام دیکر۔ پیغام میں کوئی اختلاف نہیں ہے۔ ان کی مدد کیلئے۔ ان کی نصرت کیلئے انھیں مسلح بنا کر بھیجا۔ اب آخری جملہ سن لیں ورنہ بات بہت طویل ہے اور وقت زیادہ گذر جائے گا۔

مالک کائنات نے تمام مرسلین کے درمیان جہاں سے سلسلہ شروع ہوا ہے اور سرکار دوعالم تک ایک رشتہ رکھا ہے تاکہ کہیں سے اختلاف نہ پیدا ہونے پائے اور وہ رشتہ یہ ہے کہ جسے پہلے بھیجا اس سے کہا کہ بعد والے کی بشارت دو اور جسے بعد میں بھیجا اس سے کہا کہ پہلے آنے والے کی تصدیق کرو۔ پہلے آنے والے کا نام ہوگا مبشِّر یعنی بشارت دینے والا اور بعد میں آنے والے کا نام ہو گیا مصدّق یعنی تصدیق کرنے والا۔ اب اختلاف کہاں سے پیدا ہوگا۔ اگر پہلے والے کو مبشّر نہ بنایا ہوتا اور وہ کہتا کہ ہم نہیں جانتے کہ بعد میں کون آنے والا ہے۔ خبردار کوئی آئے تو ماننا نہیں تو اختلاف ہوتا لیکن اس کی تو ذمہ داری ہے کہ کہے کہ جب آئے تو ماننا اور جو بعد میں آیا اسے بھی یہ کہنے کا حق نہیں ہے کہ پتہ نہیں پہلے کون آیا تھا۔ ہم سے کیا تعلق ہے۔ کہا، نہیں تم بعد میں آئے ہو تم پہلے آنے والے کی تصدیق کرو۔ وہ بھی پیغمبر تھا تو خدا نے اس پوری برادری میں اتنا بڑا اتحاد قائم کر دیا کہ ہر پہلے والے کو مبشّر بنا دیا اور ہر بعد والے کو مصدق بنا دیا۔ اُسکی بشارت کا تقاضا یہ ہے کہ بعد والے پر ایمان لاؤ اِسکی تصدیق کا تقاضا یہ ہے کہ پہلے والے پر ایمان لاؤ۔ تو اب اختلاف کہاں سے پیدا ہوگا۔ اسی لیے جناب عیسیٰؑ آئے تو اعلان کیا "مبشراً برسول یاتی من بعدی اسمہ احمد" میں تمھیں بشارت

دینے آیا ہوں ایک ایسے رسول کی۔ لفظ رسول نہ بھولئے گا۔ جو میرے بعد آئے گا اور اسکا نام احمد ہوگا۔ تو جناب عیسیٰؑ اپنے بعد والے پیغمبر کی بشارت دینے آئے ہیں اور جب حضور آئے تو حضورؐ نے کیا کیا۔ یہی کہدیا ہوتا کہ اس کے پہلے جو لوگ آئے تھے ہم نہیں جانتے یہ کون لوگ تھے۔ نہیں "والذی اوحینا الیک من الکتاب ھوالحق مصدّقاً لما بین یدیہ" پیغمبرؐ یہ کتاب جو ہم نے آپ کے حوالے کی ہے یہ کتاب حق ہے اور اپنے پہلے کے سارے پیغامات کی تصدیق کرنے والی ہے۔ یہ قرآن وہ قرآن ہے جو توریت کی تصدیق کرنے آیا ہے۔ یہ قرآن وہ قرآن ہے جو انجیل کی تصدیق کرنے آیا ہے۔ یہ قرآن وہ قرآن ہے جو صحیفوں کی تصدیق کرنے والا ہے۔ یہ پیغمبرؐ وہ ہے جو سارے پیغمبروں کی تصدیق کرنے والا ہے۔ پیغمبرؐ نے بھی کہا کہ مجھے یہ گوارا نہیں ہے کہ مجھے مانو اور آدمؑ کا انکار کردو۔ مجھے یہ گوارا نہیں ہے کہ مجھے مانو اور نوحؑ کا انکار کردو۔ مجھے یہ گوارا نہیں ہے کہ مجھے مانو اور ابراہیم کا انکار کردو۔ اگر مجھے ماننا ہے تو سب کو ماننا ہوگا۔ تو خدا نے اس رسالتی برادری میں اتنا بڑا اتحاد پیدا کردیا کہ پہلے والے کو بعد والے کا مبشر بنادیا اور بعد والے کو پہلے والے کا مصدّق بنادیا۔ اب اختلاف کہاں سے پیدا ہوگا۔

یہاں تک آپ کے ذہن میرے ساتھ آئے ہیں تو اب آخری جملہ سنیں۔ تقریر تمام ہوگئی۔ پیغام میں اختلاف نہیں سب کا پیغام ایک ہے۔ عہدوں میں اختلاف نہیں اسلئے کہ پہلے والا مبشّر ہے اور بعد والا مصدّق۔ اب ایک جگہ تھی اختلاف کی۔ وہ تھا مزاجوں اور خیالات کا اختلاف جہاں سے میں نے گفتگو شروع کی تھی کہ حقیقی بھائی بھی ہوں تو اُنھیں کچھ پسند ہے اِنھیں کچھ پسند ہے۔ ان کی سوچ کچھ اور ہے ان کی فکر کچھ اور ہے۔ تو یہ تین سو تیرہ ہیں ان میں کم سے کم مزاجوں کا اختلاف تو ہونا چاہئے۔ طبیعتوں کا اختلاف تو ہونا چاہئے۔ چاہے پیغام کا

اختلاف نہ ہو۔ چاہے رسالت کا اختلاف نہ ہو۔ مزاجوں کا اختلاف تو ہونا چاہئے۔ یہ اختلاف کیوں نہیں ہے؟ یہی نکتہ سمجھنے کا ہے جس کے لیے اتنی دیر میں نے آپ کو زحمت دی ہے اور وہ یہ ہے کہ پروردگار یہ واضح کرنا چاہتا ہے کہ جسکو ہم عہدہ دار بناتے ہیں اسکا مزاج ہماری وحی کے سانچہ میں ڈھلا ہوا ہوتا ہے۔ اسکا مزاج مشیت کے سانچہ میں ڈھلا ہوا ہوتا ہے۔ وہ مزاج سے نہیں بولتا مشیت سے بولتا ہے۔ وہ طبیعت سے کام نہیں کرتا ہے مشیت سے کام کرتا ہے۔ تو یاد رکھئے گا اگر مزاج سے کام ہوتا ہے تو دو حقیقی بھائیوں میں بھی اختلاف ہو جاتا ہے اور اگر مشیت سے کام ہوتا ہے تو چودہ بھی ہو جائیں تو ذرہ برابر اختلاف نہ ہوسکے گا۔ نبیؐ کے سامنے چودہ تو نہ تھے مگر جتنے تھے نبیؐ نے چاہا کر پہچنوادیں کہ یہ مشیت والے ہیں۔ طبیعت والے نہیں ہیں۔ کیسے سمجھائیں گے۔ آؤ کاندھوں پر بیٹھ جاو۔ آدھی زلفیں اِن کے حوالے۔ آدھی زلفیں اُن کے حوالے۔

اب جو حضورؐ نے زلفوں کو دو بچوں کے درمیان تقسیم کردیا تو اب یہاں سے طبیعت اور مشیت کا فرق سامنے آگیا۔ اگر یہ طبیعت والے ہوتے تو دونوں اپنی برتری کو ثابت کرتے کہ نانا اُدھر جاتے ہیں جدھر ہم لے جاتے ہیں۔ آپ اُدھر نہیں لے جاسکتے جدھر آپ چاہیں۔ وہ کہتے نہیں نہیں میری ناز برداری زیادہ کریں گے۔ جدھر ہم چاہیں گے ادھر جائیں گے۔ جدھر آپ چاہیں گے ادھر نہیں جائیں گے۔ لیکن یہاں طبیعت کام نہیں کرتی ہے۔ یہاں مشیت کام کرتی ہے۔ نہ یہ کہیں لے جائیں گے نہ وہ کہیں لے جائیں گے۔ دونوں اُدھر لے جائیں گے جدھر مشیت لے جائے گی۔

اب ایک لفظ آ ہی گیا ہے درمیان میں تو بات مکمل کردوں۔ طبیعت اور مشیت کا فرق یاد رکھئے گا۔ طبیعت کے تقاضے الگ ہوتے ہیں اور مشیت کے

تقاضے الگ۔ پروردگار کہتا ہے اگر حق طبیعت کا اتباع کر لیتا تو زمین و آسمان برباد ہو جاتے "لو اتبع الحق اھوائھم" اگر حق خواہشات کا اتباع کر لیتا تو زمین و آسمان برباد ہو جاتے۔ یعنی مزاج، طبیعت، خواہش۔ حق اسکا اتباع نہیں کر سکتا ورنہ حق اگر طبیعتوں کے پیچھے چلنے لگے تو زمین و آسمان برباد ہو جائیں گے۔ آپ نے پہچانا کہ جہاں طبیعت ہوتی ہے وہاں طبیعت والے کو حق کے پیچھے چلنا پڑتا ہے۔ طبیعت کی ذمہ داری ہے کہ حق کے پیچھے پیچھے چلے۔ لیکن جہاں مشیت ہوتی ہے وہاں وہ حق کے پیچھے نہیں چلتا ہے بلکہ خدایا حق کو اُدھر اُدھر موڑ دینا جدھر جدھر علیؑ مڑ جائیں۔

طبیعت کا کام ہے حق کا اتباع کرنا۔ حق کا کام ہے مشیت کا اتباع کرنا۔ سرکار دو عالمؐ نے اپنی حیات میں اس حقیقت کو واضح کر دیا کہ یہ وہ ہیں جو مشیت کے سانچہ میں ڈھلے ہوئے ہیں۔ یہ وہ ہیں جو مشیت کے پیکر بنے ہوئے ہیں۔ "نحن محال مشیت اللہ" ہم محل مشیت پروردگار ہیں۔ اگر مشیت الہٰی کو پہچاننا ہے تو ہمیں دیکھو۔ مشیت سمجھ میں آجائے گی۔ ہمیں مشیت کے سانچہ میں ڈھالا گیا ہے۔ اسی لیے پیغمبر نے کہا "خدایا حق کو ادھر ادھر پھیر دینا جدھر جدھر علیؑ جا رہے ہوں" اسلئے کہ حق مشیت کے ساتھ چل سکتا ہے طبیعت کے ساتھ نہیں چل سکتا ہے۔ بس یہی سلسلہ تھا کہ اہل دنیا طبیعت والے تھے اور آل محمدؐ مشیت والے تھے اور حق درمیان میں تھا۔ طبیعت والوں کی ذمہ داری تھی کہ حق کے پیچھے چلیں اور حق کی ذمہ داری تھی کہ مشیت والوں کے پیچھے چلے۔ اب اگر حق کو پہچاننا ہے تو یوں پہچانو کہ مشیت والے کا نام ہے حسینؑ اور طبیعت والے کا نام ہے یزید۔ یزید کا فرض ہے کہ حق کے پیچھے چلے۔ حق تو حسینؑ کے ساتھ خود ہی چلتا رہے گا۔ لہٰذا

کسی طبیعت والے کو یہ کہنے کا حق نہیں ہے کہ مشیت والا ہماری بیعت کرلے۔ یہ طبیعت والوں کی ذمہ داری ہے کہ مشیت والوں کی بیعت کریں۔ جو بندہ خدا ہیں ان کو مشیت کے اشاروں پر چلنا ہوگا۔ کسی کو مشیت کو اپنے اشارے پر چلانے کا حق نہیں ہے۔

کربلا کا کل اختلاف یہی تھا۔ کربلا کی کل بنیاد یہی تھی کہ طبیعت مشیت کو اپنے اشاروں پر چلانا چاہتی تھی اور حسینؑ طبیعتوں کو مشیت کے اشارہ پر چلانا چاہتے تھے۔ اب اس راہ میں جو قربانی دینا پڑے ہر قربانی گوارہ ہے مگر مشیت طبیعت کی تابع نہ ہوسکے گی۔ مشیت کے نمائندے، مشیت کے ترجمان، مزاجوں اور خواہشوں کے پابند نہ ہوسکیں گے۔

اسی لیے حسینؑ جب مدینہ سے نکلے تو یہ کہہ کر نکلے "ان کان دین محمدؐ لم یستقم الابقتلی یا سیوف خذینی" اگر دین پیغمبرؐ میں استحکام نہیں آتا ہے جب تک میں قتل نہ ہو جاؤں تو آؤ تلوارو یہ گردن حاضر ہے۔ میں سر دے سکتا ہوں مگر حق کی بربادی کو برداشت نہیں کرسکتا ہوں۔

بڑا مفصل موضوع تھا عزیزو! میں نے سب چھوڑ دیا۔ بس آخری جملے ہیں مجلس تمام کرنے کیلئے۔ جو مشیت کے پیکر ہوتے ہیں ان کی شان الگ ہوتی ہے اور جو طبیعت والے ہیں۔ ان کا مزاج اور ان کا انداز فکر، انداز عمل الگ ہوتا ہے۔ طبیعت اور خواہش والے ہمیشہ اپنی برتری کے بارے میں سوچتے ہیں کہ دنیا ہمیں اونچا مان لے۔ دنیا ہماری بزرگی تسلیم کرلے۔ دنیا ہماری بڑائی کو مان لے۔ مگر جو مشیت والے ہوتے ہیں وہ خود بلند ہوتے ہیں اور دوسروں کو بلند کرنا چاہتے ہیں۔ کتنا فرق ہوتا ہے ان انسانوں میں جو گھروں میں غلام لاکر رکھتے ہیں تاکہ لوگ یہ سمجھیں کہ بڑے آدمی ہیں اس لیے کہ ان کے گھر میں غلام ہیں اور اُن

انسانوں میں جو غلاموں کو اتنا اونچا کرنا چاہتے ہیں کہ اگر غلام سے کبھی یہ کہہ بھی دیں کہ جا تجھے راہ خدا میں آزاد کردیا تو غلام یہ کہے کہ آپ کے قدموں کو چھوڑ کے کہاں جاؤں گا۔ اس آزادی کو لیکر کیا کروں گا جو آپ کے قدموں سے جدا ہونے کے بعد ملے۔

کتنا فرق ہے اہل دنیا میں اور اہل مشیت میں۔

آج چونکہ مجھے سلسلہ کربلا میں ان قربانیوں کا تذکرہ کرنا ہے جو قربانیاں راہ خدا میں غلاموں نے پیش کی ہیں اور حسینؑ کی اس غلام نوازی کا تذکرہ کرنا ہے جہاں یہ اندازہ ہوتا ہے کہ اہل مشیت اپنی بڑائی اور اپنی برتری کیلئے کام نہیں کرتے ہیں وہ دنیا کو اونچا کرنا چاہتے ہیں اور انھوں نے غلاموں کو اونچا کردیا۔

یہ پوری تاریخ ہے آل محمدؐ کی۔ دو لباس مولائے کائنات بازار سے لائے ہیں۔ اچھا لباس، معمولی لباس۔ جو لباس قیمتی تھا وہ قنبر کو دیدیا۔ جو معمولی لباس تھا وہ خود اختیار فرمالیا۔ قنبر نے ہاتھ جوڑے۔ مولاؑ آپ مولاؑ ہیں۔ میں غلام ہوں۔ آپ امیرالمومنینؑ ہیں۔ میری تو کوئی اوقات نہیں ہے۔ آپ حاکم ہیں۔ میں محکوم ہوں۔ مولا یہ اچھا لباس آپ کو زیب دیتا ہے۔ فرمایا نہیں قنبر تم جوان ہو گیا کوئی بندہ پرور غلام نواز اپنے غلاموں کو اتنا اونچا کرسکتا ہے۔ کیا تاریخ میں کوئی ایسی مثال ملے گی جتنا بلند مولائے کائناتؑ نے قنبر کو کردیا ہے۔ غلامی کی تاریخ میں کوئی مثال نہیں ہے اور جتنا بلند صدیقہ طاہرہؑ نے فضہ کو کردیا ہے کنیزی کی تاریخ میں اسکی کوئی مثال نہیں ہے۔ اسی لیے اس راہ پر چلنے والوں میں سب کا ایک طریقہ تھا کہ جب حبیب گھوڑے پر سوار ہونے لگے اور مڑ کے غلام کو دیکھا۔ کہا تو نے بڑی خدمت کی ہے۔ بڑا کام کیا ہے۔ جا میں نے تجھے راہ خدا میں آزاد کردیا تو یہ سننا تھا کہ غلام نے بڑھ کے قدم تھام لیے۔ آقا جب تک اپنی خدمت کا وقت تھا مجھے ساتھ

رکھا اور جب فرزند رسولؐ کی خدمت کا وقت آیا تو اب مجھے جدا کرنا چاہتے ہیں۔ یہ نہ ہو سکے گا۔ عزیزو! یہ وہ گھرانہ ہے کہ جہاں کی غلامی دنیا کی شہنشاہی سے بہتر ہے۔ جنھوں نے غلاموں کے مرتبہ کو اتنا بلند کر دیا کہ سلسلہ تاریخ بڑھتے بڑھتے کربلا تک آگیا۔

اب جو کربلا میں وہ وقت آیا جو قربانی کا وقت تھا اور وہ رات آئی جب فرزند رسولؐ محضر شہادت پڑھ کر سنا رہے تھے اور ایک ایک کو بتا رہے تھے کہ حبیب کل تم کام آو گے۔ مسلم کل تم مارے جاو گے۔ زہیر کل تم قتل ہو جاو گے۔ چاہنے والو کل تمھارے سر کٹ جائیں گے۔ اپنے عزیزوں کے بارے میں خبر سنائی حسینؑ نے۔ ہر ایک کو آگاہ کر دیا یہاں تک کہ جب قربانی کا وقت آگیا اور ایک ایک اجازت لیکر مولا سے میدان میں جانے لگا مگر مولا کی غلام نوازی کا عالم یہ تھا کہ جب کوئی میدان سے آواز دیتا تھا " یا مولاہ ادر کنی " مولا غلام دنیا سے جا رہا ہے آیئے غلام کی خبر لیجئے۔ تو آقا کو یہ گوارہ نہیں تھا کہ فرماتے علیؑ اکبر تم چلے جاؤ۔ حبیب تم چلے جاو۔ زہیر تم چلے جاؤ۔ حسینؑ کی ذمہ داری تھی کہ خود میدان میں آئیں۔ تا کہ جانے والے کو یہ احساس ہو کہ جسکی غلامی اختیار کی ہے وہ اپنے غلاموں کو کتنا اونچا کرنا چاہتا ہے۔ عزیزو یہ سب تو وہ تھے جو معنوی غلام تھے۔ جو واقعی غلام کربلا میں تھے ان کا بھی یہ عالم تھا کہ جب قربانی کا وقت آگیا تو ایک مرتبہ جونؑ سامنے آئے مولا کے سامنے ہاتھ جوڑ کے کھڑے ہوئے۔ آقا اب مجھے بھی اجازت دیدیجئے۔ کیا شہادت میں غلاموں کا حصہ نہیں ہے۔ کیا غلام اس قابل نہیں ہیں کہ آپ کے قدموں پر ان کے سر قربان ہو سکیں۔

فرزند رسولؐ جون کو دیکھ رہے ہیں۔ جون کا اصرار بڑھتا جا رہا ہے۔ مولا اجازت دیجئے۔ حسینؑ خاموش ہیں۔ جون نے عجیب فقرہ کہا۔ مولا کیا اسلئے مجھے اجازت

نہیں مل رہی ہے کہ میرا رنگ سیاہ ہے۔ کیا اسلئے اجازت نہیں مل رہی ہے کہ میں غلام ہوں۔ کیا اسلئے مجھے اجازت نہیں دے رہے ہیں کہ میرے پسینہ سے بو آرہی ہے۔ تو مولا اگر یہ غلامی سچی ہے۔ آقا اگر یہ غلامی سچی ہے تو اسی غلامی کے اعتماد پر یہ گزارش کر رہا ہوں کہ یہ خون آپ کے خون سے الگ نہ رہ سکے گا۔ یہ غلام آقا سے جدا نہ رہ سکے گا۔ بس یہ سننا تھا کہ امام حسینؑ برداشت نہ کر سکے۔ فرمایا جون میں نے تم کو اپنے بیمار بیٹے کی خدمت کیلئے بچا کے رکھا تھا۔ اگر وہ رخصت کر دیں تو مجھے کوئی عذر نہیں ہے۔ میں روکنے والا نہیں۔ میں اجازت دیدوں گا۔ آئے جون بیمار کربلا کے خیمہ کے قریب پشت خیمہ پر کھڑے ہو کر آواز دی۔ فرزند رسولؐ! جون کی آواز بیمار کربلا کے کانوں میں آئی۔ بیمار نے آنکھیں کھول دیں۔ جون خیر تو ہے۔ کہا مولا آپ کو تو خبر ہے کہ صبح سے راہ خدا میں قربانیاں پیش ہو رہی ہیں۔ میں مولا کی خدمت میں حاضر ہوا۔ میں نے میدان میں جانے کی اجازت مانگی۔ مولا نے فرمایا کہ جون میں نے تم کو اپنے بیمار بیٹے کی خدمت کیلئے بچا کے رکھا ہے۔ اگر زین العابدینؑ اجازت دیدیں تو میری طرف سے اجازت ہے۔ مولاؑ فرمایئے آپ کیا فرماتے ہیں۔ عجب فقرہ فرمایا۔ جون! اگر میری قسمت میں نہیں ہے کہ میں بابا پر قربان ہو جاؤں تو کوئی تو ایسا فدیہ ہو جو میری طرف سے بابا پر قربان ہو جائے۔ جون جاؤ جلدی جاؤ۔ آئے مولا کی خدمت میں۔ آقا اجازت مل گئی ہے۔ حسینؑ نے مقتل میں بھیج دیا۔ لو اب جون کا وعدہ پورا ہو رہا ہے۔ گھوڑے سے گرے راہ خدا میں کام آئے۔

اب جو ابن عباس نے نبی کو خواب میں دیکھا تو آپ نے فرمایا کہ میں اس شیشہ میں سارے شہیدوں کا خون جمع کر رہا ہوں۔

یہ تو ایک غلام تھا جسکی غلامی کی لاج خدا نے رکھ لی۔ نبی نے اسکا خون وہیں

رکھا جہاں نواسہ کا خون تھا۔ اب ایک اور غلام راہ خدا میں قربانی دینے کیلئے اجازت لیکر میدان میں آیا ہے۔ جب گھوڑے سے گرنے لگا تو آواز دی "یا مولا ادرکنی"۔ مولا غلام کی خبر لیجئے۔ حسینؑ دوڑتے ہوئے مقتل میں آئے۔ اب جو غلام کے قریب پہونچے تو دیکھا کہ اتنا زخمی ہو گیا ہے کہ بیہوش ہو گیا ہے۔ حسینؑ نے دیکھا کہ زخموں کی تاب نہ لا کے چاہنے والا غلام بے ہوش ہو گیا ہے۔ حسینؑ سرہانے بیٹھ گئے۔

رونے والو آپ جانتے ہیں کہ اگر کسی بے ہوش کو ہوش میں لانا ہوتا ہے تو پانی چھڑکا جاتا ہے مگر جس کے خیموں میں تین دن سے قحط آب ہو جس کے بچے العطش العطش کی آوازیں بلند کر رہے ہوں۔ وہ مظلوم کیا کرے۔ حسینؑ نے اپنا رخسار غلام کے رخسار پر رکھدیا۔ اب جو آنسوؤں کے قطرے ٹپکے تو غلام نے آنکھیں کھول دیں یہ منظر دیکھ کر دل بے چین ہو گیا۔ ارے مولاؑ یہ کیا کر رہے ہیں۔ فرمایا یہ تمھاری غلامی کا حق ہے۔ کہا آقا یہ نہ کریں۔ مولا یہ غلام کا سر آپ کے زانو پر۔ یہ آپ کا رخسار غلام کے رخسار پر۔ مگر جب آپ کا آخری وقت آئے گا تو آپ کا سر کس کے زانو پر ہوگا۔ عجب نہیں ماں آواز دے آ میرے لال۔ آ میرے حسینؑ آ۔ میری آغوش میں آجا۔ زہراؑ کا زانو حسینؑ کا سر۔۔۔۔

سیعلم الذین ظلموا ای منقلب ینقلبون

مجلس ۴

صاحبان ایمان وہ ہیں جو اس رسول نبیؐ اُمی کا اتباع کرتے ہیں جسکا تذکرہ توریت میں بھی ہے اور انجیل میں بھی ہے۔ جو نیکیوں کا حکم دیتا ہے۔ برائیوں سے روکتا ہے۔ پاکیزہ چیزوں کو حلال قرار دیتا ہے۔ خبیث چیزوں کو حرام قرار دیتا ہے۔ انسانیت جس بوجھ کے نیچے دبی ہوئی ہے اور جن زنجیروں میں جکڑی ہوئی ہے ان سے اس انسانیت کو آزادی دلاتا ہے۔ پس جو لوگ اس پیغمبرؐ پر ایمان لائے۔ جنھوں نے اس پیغمبرؐ کا احترام کیا۔ اسکی مدد کی اور اس نور کا اتباع کیا جو پیغمبر کے ساتھ نازل کیا گیا ہے یہی لوگ وہ ہیں جو زندگانی دنیا میں کامیاب ہیں۔

آیہ کریمہ کے ذیل میں رسالت الٰہیہ کے عنوان سے جو سلسلہ کلام آپ کے سامنے پیش کیا جارہا تھا اس کے چوتھے مرحلہ پر آج پیغمبرؐ اسلام کی اس صفت کے بارے میں کچھ باتیں گذارش کرتا ہیں جنکی طرف قرآن مجید کی ان دو لفظوں میں اشارہ کیا گیا ہے "یامرھم بالمعروف وینھم عن المنکر" پیغمبرؐ لوگوں کو نیکیوں کا حکم دیتا ہے اور برائیوں سے روکتا ہے۔

اس سلسلہ میں چند مسائل انتہائی اہم ہیں اور ان کی اہمیت اسلئے بھی زیادہ ہے کہ یہ مسئلہ فقط حیات پیغمبرؐ سے متعلق نہیں ہے بلکہ یہ، وہ کمال ہے جسکو مالک کائنات نے پیغمبرؐ کی نشانیوں میں قرار دیا ہے اور پیغمبرؐ نے قوم کے

فرائض میں قرار دیا ہے۔

نیکیوں کا حکم دینا اور برائیوں سے روکنا یہ اسلام کے فرائض اور واجبات میں اسی طرح شامل ہے جس طرح کہ مسلمان کیلئے نماز واجب ہے۔ روزہ واجب ہے۔ صاحب استطاعت کیلئے حج واجب ہے۔ صاحب نصاب کیلئے زکوۃ واجب ہے۔ ایسے ہی واجبات اسلامی میں یہ دو واجبات بھی شامل ہیں جنکی ذمہ داری ہر مسلمان مرد پر ہے۔ ہر مسلمان عورت پر ہے۔ نیکیوں کا حکم دینا اور برائیوں سے روکنا۔

سلسلۂ کلام کو آگے بڑھانے سے پہلے دو تین چھوٹی چھوٹی باتیں آپ سماعت فرمالیں، تاکہ اصل مسئلہ کی وضاحت آسان ہوجائے۔ یہ دو الفاظ جو امر و نہی کے ساتھ استعمال ہوتے ہیں "امر بالمعروف اور نہی عن المنکر" ہماری زبان کے اعتبار سے بھی اور عربی زبان کے اعتبار سے بھی معروف اسے کہا جاتا ہے جو پہچانا ہوا ہو، اور منکر اسے کہا جاتا ہے جو ناپسندیدہ ہو۔ جسے ہر آدمی پہچاننے سے انکار کردے۔ آپ نے اپنے ماحول میں دیکھا ہوگا کہ اگر آپ کے خاندان میں انتہائی دور کا رشتہ دار بھی صاحب کمال ہوجائے اور کوئی آپ سے پوچھے کہ آپ فلاں کو پہچانتے ہیں تو آپ فوراً کہیں گے ہاں ہاں کیوں نہیں پہچانتے۔ ہمارے نانا کی خالہ کی نانی کے نواسے ہیں۔ لیکن آپ ہی کا بیٹا۔ آپ ہی کا بھائی۔ آپ ہی کا رشتہ دار خدانکردہ اگر نالائق نکل جائے اور کسی محفل میں آجائے اور کوئی پوچھ لے کہ آپ اسے پہچانتے ہیں؟ تو آپ کوئی جواب نہیں دینا چاہتے ہیں۔ وہ چاہے پہچانا ہوا نہ ہو مگر اسے پہچان لیا۔ یہ پہچانا ہوا رشتہ دار ہے مگر پہچاننے سے انکار کردیا۔ دونوں کا بنیادی فرق یہ ہے کہ جو باکمال ہوتا ہے اسے سب پہچانتے ہیں اور جو بے کمال ہوتا ہے اسے کوئی نہیں پہچاننا چاہتا ہے۔

اسلام نے یہ لفظ معروف اور منکر اسی لیے استعمال کیا ہے تاکہ دنیا کو اندازہ

ہو جائے کہ ہم جن باتوں کے حکم دینے کیلئے تمھیں تعلیم دے رہے ہیں وہ باتیں ایسی نہیں ہیں کہ جو فطرت بشر کی پہچانی ہوئی نہ ہوں۔ بلکہ جنھیں انسان کی فطرت سلیم پہچانتی ہے انھیں کو معروف کہا جاتا ہے اور جسکو پہچانتے سے فطرت بشر انکار کردیتی ہے اسی کو منکر کہا جاتا ہے۔

پیغمبر کا کمال اور پیغمبرؐ کی شان یہ ہے کہ پیغمبرؐ ان باتوں کا حکم دیتا ہے جو معروف ہیں یعنی فطرت کی پہچانی ہوئی ہیں۔ اسلام کا کوئی قانون ایسا نہیں ہے جو فطرت بشر کے خلاف ہو۔ اسلام کا کوئی حکم ایسا نہیں ہے جسے فطرت انسانی نہ پہچانتی ہو۔ سماج نہ پہچانتا ہو یہ ممکن ہے۔ معاشرہ نہ جانتا ہو۔ یہ ممکن ہے اہل مصلحت نہ جانتے ہوں۔ یہ ہوسکتا ہے اہل غرض نہ جانتے ہوں یہ ہوسکتا ہے۔ مگر فطرت نہ پہچانتی ہو یہ نہیں ہوسکتا ہے۔ یہ اللہ کی وہ فطرت ہے جس پر مالک نے ساری کائنات کو پیدا کیا ہے۔ اسی لیے سرکار دوعالمؐ نے اپنے دین اسلام کا تعارف کرانے کیلئے یہ اعلان فرمایا تھا کہ " اسلام اس دین فطرت کا نام ہے جس پر پروردگار عالم ہر انسان کو پیدا کرتا ہے۔" یہ تو بعد کے مراحل ہیں کہ ماں باپ اسے یہودی یا عیسائی بنا دیتے ہیں۔ ورنہ "کل مولود یولد علی فطرۃ الاسلام" ہر پیدا ہونے والا بچہ فطرت اسلام پر پیدا ہوتا ہے۔ یعنی اگر اسکو اسکی فطرت کے حوالے کر دیا جائے تو فطرت اسلام سے اس قدر قریب ہے کہ اگر کوئی روکنے والا نہ ہو تو اسلام چھوڑنے کیلئے تیار نہیں ہوسکتا۔ یہ حالات ہیں جو انسان کو بہکا کے لے جاتے ہیں۔ یہ حالات ہیں جو انسان کو گمراہ کر دیتے ہیں۔ ورنہ الہی قانون فطرت انسانی کے عین مطابق ہے اور ہونا بھی چاہئے اسلئے کہ جس نے فطرت بنائی ہے اسی نے تو قانون بنایا ہے۔ اگر فطرت بشر کا بنانے والا کوئی اور ہوتا اور قانون کا بنانے والا کوئی اور ہوتا تو کبھی فطرت کے تقاضوں سے بے خبر ہوتا۔ کبھی قانون کو فطرت

سے الگ کر دیتا۔ لیکن جب دونوں کا بنانے والا ایک ہی ہے تو وہ تو جانتا ہے کہ فطرت کا تقاضا کیا ہے۔ وہ جانتا ہے کہ فطرت بشر کس قانون کو برداشت کرے گی اور کس قانون کو برداشت نہ کرے گی تو جو قانون فطرت کا پہچانا ہوا تھا وہی قانون بنایا اور جو فطرت کیلئے قابل انکار تھا ناقابل برداشت تھا اسلام نے ایسا کوئی قانون نہیں بنایا۔

تھوڑی دیر آپ اپنے ذہنوں کو میرے ساتھ رکھیں گے تاکہ آپ کو اندازہ ہو کہ اسلام نے اپنے قوانین کو فطرت سے کتنا ہم آہنگ کیا ہے۔ پہلے تو جتنے قوانین بنائے سب فطرت بشر کے مطابق۔ اس کے بعد اگر کبھی حالات کی بنیاد پر انسان کیلئے قانون ناقابل عمل ہو جائے اور فطرت یہ اعلان کر دے کہ اگرچہ قانون قابل عمل ہے مگر اب قابل عمل نہیں رہ گیا ہے تو یہ کمال اسلام ہے کہ اسلام قانون کو پیچھے ہٹا لیتا ہے۔ توجہ۔ یہ مسائل ہمارے آپ کے سمجھنے کے ہیں۔ اسلام ہمارا ہی آپ کا دین ہے۔ ہم نہیں چاہتے ہیں کہ ہمارے بچے، ہمارے نوجوان، دین اسلام کو اس لیے اختیار کئے رہیں کہ ماں کا مذہب ہے، باپ کا مذہب ہے، خاندان کا مذہب ہے، سماج کا مذہب ہے، آپ اسلام کے خصوصیات کو، اسلام کے امتیازات کو پہچانیں۔ ایک انسان کیلئے یہ بہت آسان ہے کہ بازار میں ملنے والے دس طرح کے گوشت میں دو قسموں کو استعمال کرے۔ اور آٹھ کو چھوڑ دے۔ سوال یہ ہے کہ اگر گوشت کھانے ہی کا شوق ہے تو کتنی قسمیں بازار میں پائی جاتی ہے۔ کیا یہ واجب ہے کہ آپ یہی ایک قسم استعمال کریں۔ آپ کا کام دوسری قسموں سے بھی چل سکتا ہے۔ جسکو دین خدا نے حلال قرار دیا ہے لیکن کبھی ایسا بھی ہو سکتا ہے کہ دنیا میں کوئی غذا نہ مل رہی ہو نہ گوشت اور نہ گوشت کے علاوہ کوئی غذا۔ اور اگر بازار میں کوئی شئی ہے تو فقط حرام گوشت ہے اور انسان

کی زندگی اس مرحلہ پر آگئی ہے کہ اگر نہ کھائے گا تو بھوک سے مر جائے گا۔ تو ابھی تک قانون یہ کہہ رہا تھا کہ آپ اس گوشت کو ہاتھ نہیں لگا سکتے اسلئے کہ آپ کے جینے کے سہارے موجود ہیں۔ آپ کی زندگی کے وسائل موجود ہیں۔ لیکن اب انسان اس منزل پر آگیا ہے جہاں زندگی کا یہی ایک سہارا ہے جسکو حرام گوشت کہا جاتا ہے۔ اب فطرت فریاد کر رہی ہے قانون سے اگر آپ نے اپنے قانون کو باقی رکھا تو اس کے معنی یہ ہیں کہ آپ نے بشر کو موت کیطرف ڈھکیل دیا ہے۔ آپ انسان کی زندگی پسند نہیں کرتے ہیں اسلئے کہ اس انسان کی زندگی کا ایک ہی سہارا ہے اور اسے بھی آپ نے حرام کر رکھا ہے۔ تو جیسے ہی فطرت نے مخصوص حالات میں فریاد کی آواز بلند کی کہ اب یہ آپ کا قانون ہمارے لیے قابل برداشت نہیں ہے اسلام نے اپنے قانون کو فوراً پیچھے ہٹا لیا اور کہا، ایسے انسان کیلئے یہ گوشت بھی حلال ہے جب تک تمھاری زندگی کا سہارا تھا ہم نے تمھیں پابند بنا کے رکھا تھا لیکن جب تمھاری زندگی کا کوئی سہارا نہیں رہ گیا ہے تو زندگی زیادہ عزیز ہے۔ زندگی کی قدر و قیمت زیادہ ہے۔ زندہ رہو گے تو آئندہ قانون الٰہی پر عمل کرو گے۔ مر جاؤ گے تو عمل کرنے والے کہاں سے لائے جائیں گے۔ تو اسلام نے پہلے قوانین کو فطرت کے مطابق بنایا اور اگر کبھی وہی قانون کسی بنیاد پر فطرت سے ٹکرانے لگا تو اسلام نے فطرت کی آواز کو آگے بڑھا دیا تاکہ کوئی جگہ ایسی نہ آئے جہاں قانون فطرت سے ٹکرا کے مر جائے۔ اسلئے کہ فطرت بشر مرنے والی نہیں ہے۔ قانون فطرت کے ساتھ چلے گا تو زندہ رہے گا اور فطرت سے ٹکرا جائے گا تو مر جائے گا۔ میں کہاں آپ کو دور لے جاؤں گا۔ بہت سامنے کی مثال اسی سال کی ہے ابھی سال ڈیڑھ سال

کے اندر ہی کا مسئلہ ہے ایک دو دن نہیں ۱۹۱۷ء سے ۱۹۹۲ء تک سارا زور ساری دنیا کی آدمی طاقت کا زور لگا رہا کہ فطرت بشر کو کمیونزم سے قریب کر دیا جائے یا اشتراکیت کو فطرت انسانی کیلئے قابل قبول بنا دیا جائے۔ انسان کی فطرت یہ برداشت کرے کہ ہماری ذاتی کوئی ملکیت نہیں ہے ہم سماج کی ملکیت پر زندگی گذار لیں گے۔ اسلحوں کا زور، حکومت کا زور، طاقت کا زور، دنیا کی آدمی قوت کا زور، اتنا زور ستر اسی سال تک لگا رہا مگر ستر اسی سال کا زور بھی فطرت کی آواز کو دبا نہ سکا اور جیسے ہی ایک بندہ خدا نے فطرت کی آواز کو ذرا سہارا دیدیا۔ ایسا انقلاب آگیا کہ جو نظام کل آدمی دنیا پر قبضہ کئے ہوئے تھا اب وہ نظام خود اپنے ملکوں میں نظر نہیں آرہا ہے۔ توجہ کی آپ نے۔ روس اور روس سے متعلق ملکوں میں اشتراکیت کی موت اس بات کا کھلا ہوا اعلان ہے کہ کوئی قانون، فطرت سے ٹکرا کے زندہ نہیں رہ سکتا ہے۔ تو مجھے ایک لفظ کہنے دیجئے کہ فقط اسی سال تک اتنا زور لگانے کے بعد فطرت سے ٹکراو کی بنیاد پر قانون نہ رہ سکا اور جہاں کوئی زور لگانے والا نہیں ہے۔ وہ قانون چودہ سو برس سے آج تک زندہ ہے حکومتیں اسلام کو نہیں زندہ رکھے ہوئے ہیں۔ فطرت سے ہم آہنگی ہے جو اسلام کو زندہ رکھے ہوئے ہے۔

اگر فطرت انسانی علم کو دوست رکھتی ہے تو اسلام نے طلب العلم کو واجب بنا دیا ہے۔ اگر فطرت انسانی سچائی کو پسند کرتی ہے تو اسلام نے صداقت کو واجب قرار دیدیا ہے۔ اگر فطرت انسانی جھوٹ کو برا سمجھتی ہے تو اسلام نے جھوٹ کو حرام کر دیا ہے۔ اگر فطرت انسانی دوسری کے مال کو ہاتھ لگانے سے روکتی ہے تو اسلام نے غصب کو حرام کر دیا ہے۔ اگر فطرت انسانی دوسرے کی آبرو پر ہاتھ ڈالنے سے روکتی ہے تو اسلام نے بدکاری کو حرام کر دیا

ہے۔ جہاں جہاں فطرت نے ناپسندیدگی کا اعلان کیا وہیں اسلام نے حرام ہونے کا اعلان کر دیا۔ اور جن جن باتوں کو فطرت نے پسند کر لیا۔ اسلام نے اسے واجب یا مستحب بنا دیا۔ اگر فطرت یہ کہتی ہے کہ جو محسن ہے اسکا شکریہ ادا کرو تو اسلام نے عبادت کو واجب کر دیا۔ اگر فطرت نے کہا کہ جو انعام دینے والا ہے اس کے سامنے سر جھکاؤ تو اسلام نے سجدہ پروردگار کو لازم قرار دیدیا۔ جہاں جہاں فطرت نے پسندیدگی کا اعلان کیا وہیں اسلام نے فرائض قرار دیئے اور جہاں فطرت نے ناپسند کر دیا اسلام نے اسی کو حرام بنا دیا۔ بس فرق اتنا تھا کہ چونکہ فطرت کے پہلو میں خواہشات بیٹھے ہوئے تھے۔ توجہ کریں فطرت کے پہلو میں خواہشات بیٹھے ہوئے تھے۔ یہ بے چارہ انسان سمجھ ہی نہیں پاتا تھا کہ فطرت کا تقاضا کیا ہے۔ اور خواہش کا تقاضا کیا ہے۔ اور اکثر دھوکہ کھا جاتا تھا۔ کبھی فطرت کو خواہش کہتا تھا اور کبھی خواہش کو فطرت کہتا تھا ورنہ اگر خواہشات کا حملہ نہ ہوتا تو شائد شریعت کی کوئی ضرورت ہی نہ ہوتی۔ فطرت خود انسان کو راستہ پر لانے کیلئے کافی ہوتی۔ نہ شریعت، نہ انبیاء، نہ مرسلین، نہ آئمہؑ۔ مگر فطرت کے پہلو میں بیٹھی ہوئی خواہش قدم قدم پر گمراہ کر رہی ہے۔ اپنے کو فطرت بنا کے پیش کر رہی ہے۔ اپنے فعل کو عقل بنا کے پیش کر رہی ہے۔ اپنے کو شعور بنا کے پیش کر رہی ہے اسلئے ضرورت تھی کوئی درمیان میں آئے جو یہ آپس کے اختلاف کو دور کرے ایک دوسرے کو مخلوط نہ ہونے دے۔ فطرت کی آواز کو الگ کرے خواہش کے تقاضہ کو الگ کرے۔ یہی کام شریعت نے کیا۔ یہی کام مرسلین نے کیا۔ یہی کام آئمہ نے کیا اور یہی کام ہر وہ آدمی کر سکتا ہے جس کی فطرت خواہشات سے مخلوط نہ ہوتی ہو۔ نہیں توجہ کی آپ نے اگر بتانے والے کے یہاں بھی فطرت اور خواہش دونوں کا گذر رہے گا تو وہ خود بھی دھوکہ کھاتا رہے گا۔ وہ لوگوں کو سمجھائے گا

گیا۔ بتانے والے کیلئے شرط ہے کہ اس کے پاس فطرت کے تقاضے ہوں۔ خواہش کے تقاضے نہ ہوں۔ یہی وجہ ہے کہ خدا نے جسکو رسول بنا کے بھیجا۔ کہا "وما ینطق عن الھوی" یہ تو اپنی خواہش سے بولتا بھی نہیں ہے۔ اسلئے کہ اگر اس کے بیان پر بھی خواہش کا قبضہ ہو گیا تو اسکا بیان بھی فطرت کی آواز نہ بنے گا خواہش کی آواز بن کر رہ جائے گا۔

بس یہ ایک مختصر تمہید تھی اس معروف اور منکر کو پہچانتے کیلئے۔ اس کے بعد دو جملے اصل موضوع کی وضاحت کیلئے اور یہ بھی ایک بڑا لطیف مرحلہ ہے۔ اسلام نے جو واجبات ہمارے لیے قرار دیئے ہیں ان کا نام کیا ہے "امر بالمعروف"۔ نیکیوں کا حکم دینا۔ امر کے معنی ہیں حکم۔ "نہی عن المنکر" برائیوں سے روکنا۔ اگر چہ ہم نے بھی دینیات میں یہی لکھا ہے کہ "نیکیوں کی ہدایت دینا"۔ "برائیوں سے روکنا" لیکن امر کے معنی ہدایت دینے کے نہیں ہے یہ خالی بچوں کو سمجھانے کیلئے کہا جاتا ہے کہ کہیں بچوں میں حکم دینے کی ادا نہ پیدا ہو جائے ورنہ امر کے معنی ہیں حکم دینا تو ہر مسلمان کی ذمہ داری ہے۔ "نیکیوں کا حکم دینا۔ ہر مسلمان کی ذمہ داری ہے"۔ برائیوں سے روکنا۔ آپ نے ابھی امر و نہی کی قدر و قیمت کو نہیں پہچانا۔ ہر انسان اندر سے یہ چاہتا ہے کہ مجھے ایسا شرف ایسا مرتبہ مل جائے کہ میں حکم دوں اور لوگ عمل کریں۔ مگر کیا کرے بے چارہ نہ اس کے ہاتھ میں حکومت ہے نہ اس کے ہاتھ میں اقتدار ہے نہ اس کے پاس کوئی قوت ہے۔ یہ ایک حسرت ہے جو دل ہی میں رہ جاتی ہے۔ کوئی آدمی دنیا میں ایسا نہیں ہے جو آمر نہ بننا چاہتا ہو۔ جو حاکم نہ بننا چاہتا ہو۔ اسکی مثال ہر گھر میں صبح و شام آپ دیکھتے ہیں کہ حکومت ہاتھ نہیں آئی۔ اقتدار نہیں ملا، ملک نہیں، صوبہ نہیں ہے، شہر نہیں، محلہ نہیں ہے۔ حسرت دل میں ہے کہ مجھے بھی آمریت نصیب ہو جائے تو اس آمریت

کا مظاہرہ کہاں کریں۔ چھوٹا بچہ دو برس کا۔ تین برس کا۔ چار برس کا کچھ نہیں سمجھتا۔ لیکن آپ کیا کریں انسان اپنی حسرت آمریت نکالنا چاہتا ہے۔ اِدھر آؤ۔ اُدھر جاؤ۔ سن رہے ہیں آپ میں کیا کہہ رہا ہوں۔ یہ آپ ہی کا حال زار ہے یہ میری ہی زندگی ہے کہ چھوٹا بچہ کچھ سمجھے یا نہ سمجھے مگر مسلسل اس پر آرڈر پر آرڈر دیئے جا رہے ہیں۔ یہ کام کرو۔ یہ کام نہ کرو۔ اِدھر آؤ۔ اُدھر جاؤ۔ اِدھر نہ جاؤ۔ اُدھر چلے جاؤ۔ یہ کیا ہے انسان کے اندر جو آمریت پائی جاتی ہے یہ حسرت کہاں نکالے۔ مجھ سے کے گا میں سنوں گا ہی نہیں۔ میں آپ سے کہوں گا آپ برداشت ہی نہ کریں گے۔ کسی بڑے سے کے گا کوئی قبول نہ کرے گا۔ ملک کا اقتدار اپنے ہاتھ میں نہیں ہے۔ تو کیا کرے چھوٹا سا ملک جو خدا نے دے دیا ہے چار بچوں کا ساری آمریت کا مظاہرہ وہیں ہو رہا ہے۔ اگر کبھی بس چلتا ہے تو بچوں سے آگے بڑھ کے ہمت کرکے دو چار اوامر اور نافذ کر دیتے ہیں مگر جب دیکھا حالات ٹھیک نہیں ہیں تو وہیں پر احکام واپس لے لیتے ہیں۔ لیکن ہر انسان میں اندر سے یہ خواہش پائی جاتی ہے کہ میں حکم دوں اور لوگ عمل کریں۔ اس سے کوئی آدمی خالی نہیں ہے۔ نہ عالم نہ جاہل۔ نہ غریب نہ امیر کسی کو حالات نصیب ہوتے ہیں کسی کو نہیں ہوتے ہیں مگر یہ تڑپ ہر ایک کے اندر پائی جاتی ہے اگر کوئی صاحب اقتدار ہے اس کے پاس یہ صلاحیت موجود ہے تو وہ اپنی حسرت نکال لیتا ہے ورنہ اگر صاحب اقتدار نہیں ہے تو بے چارہ ہی رہ سکتا ہے۔

قصہ آپ نے سنا ہوگا کہ جب بادشاہ وقت کا اقتدار زائل ہوا اور اسے گرفتار کرکے جیل میں ڈال دیا گیا تو جیل میں ڈالنے والوں نے سوال کیا کہ آپ کی تمنا اور آرزو کیا ہے؟ آپ جیل میں کیا چاہتے ہیں۔ کھانا پینا غذا اچھا سامان راحت۔ تکلیف کیا چاہتے ہیں؟ کہا مجھے کچھ نہیں چاہئے۔ چند بچے لا کر بٹھا دیجئے پڑھانے کے

واسطے۔ جیسے اب انھیں شوق پیدا ہوا ہے تعلیم دینے کا جب پورے ملک کا اقتدار ہاتھوں میں تھا تب تعلیم نہیں یاد آئی تھی۔ تب یہ جاہل تھے اب جیل میں جا کر قابل ہو گئے ہیں۔ کسی نے کہا آپ کو یہ شوق کیوں پیدا ہو گیا؟ کہا کیا کروں عادت پڑی ہوئی ہے حکم دینے کی عادت پڑی ہوئی ہی احکام نافذ کرنے کی جیل میں جانے کے بعد تو خالی احکام سننا پڑیں گے اب حکم دینے کی نوبت نہیں آئے گی لیکن اگر یہ چار پانچ بچے بطور شاگرد مل جائیں تو کم سے کم حسرت اقتدار تو پوری ہو جائے حکم دینے کی حسرت تو نکل جائے۔

اگر آپ میری باتوں پر غور کر رہے ہیں تو یہ یاد رکھئے گا کوئی دنیا کا انسان ایسا نہیں ہے جس کے اندر یہ حسرت نہ پائی جاتی ہو کہ میں حکم دوں لوگ عمل کریں کسی کے لیے حالات پیدا ہو جاتے ہیں کسی کے لیے نہیں پیدا ہوتے ہیں۔ مگر اندر سے سب میں یہ خواہش پائی جاتی ہے۔ اسلام نے ہر مسلمان کی اس خواہش کو پورا کر دیا کہ جب اس پر فریضہ عائد کیا تو فریضہ کا نام نہ تبلیغ رکھا نہ بیان رکھا نہ تشریح رکھا نہ ہدایت رکھا۔ فریضہ کا نام رکھا "امر بالمعروف" نیکیوں کا حکم دینا یعنی اگر تمھیں حکم دینے کا شوق ہے تو ہم مسئلہ کو تمھارے شوق پر نہیں رکھیں گے ہم مسئلہ کو فریضہ بنا دیں گے۔ ہر مسلمان کا فرض ہے کہ وہ حکم دے اب تو آمریت کی حسرت نکل گئی اب تو حکم دینے کی حسرت نکل گئی۔ مگر ایک بات یاد رکھنا جو دنیا میں آمر بن جاتے ہیں وہ جو چاہتے ہیں حکم دیتے ہیں اسلئے کہ اقتدار ان کے ہاتھوں میں آ گیا ہے لیکن ہم مسلمان کو ایسا آمر نہ بننے دیں گے حاکم تو بنا دیں گے مگر شرط یہ ہے کہ جب حکم دینا تو نیکیوں کا حکم دینا۔ برائیوں کا حکم نہ دینا۔ دنیا کی آمریت میں اور اسلام کی آمریت میں یہی فرق ہے کہ

دنیا میں آمریت جو چاہے حکم دیدے مگر اسلام کی آمریت اس شرط کی ہے کہ وہ کہے جو صحیح ہو۔ وہ کہے جو فطرت کے مطابق ہو۔ وہ کہے جو قانون الٰہی کے مطابق ہو۔ اس سے ہٹ کر کسی کو حکم دینے کا حق نہیں ہے اور ایک دوسرا جملہ بھی اضافہ کردوں تاکہ میں جہاں آپ کے ذہنوں کو لے جا رہا ہوں آپ میرے ساتھ چلیں تو آپ کو لطف آئے گا۔

اسلام نے ہر مسلمان کو حق حکم دیدیا کہ حکم دو مگر کیسے حکم دو؟

ایک آدمی نماز پڑھ رہا ہے اسے آپ حکم دیں کہ نماز پڑھو۔ نہیں۔ ایک آدمی روزہ رکھ رہا ہے اس سے آپ کہیں کہ روزہ رکھو۔ لوگ آپ ہی کو دیوانہ کہیں گے۔ اندھے ہو گئے دیکھتے نہیں کہ پڑھ رہا ہے۔ دیکھتے نہیں کہ روزہ رکھ رہا ہے۔ تو آپ حکم نماز کس کو دیں گے جو نماز نہیں پڑھ رہا ہے۔ روزہ کا حکم کس کو دیں گے جو روزہ نہیں رکھتا ہے۔ شراب سے کسے روکیں گے جو شراب پی رہا ہے۔ بدکاری سے کسے روکیں گے جو بدکاری کر رہا ہے۔ تو نہی عن المنکر اس کیلئے ہے جسکی زندگی میں منکر ہے۔ امر بالمعروف اس کے واسطے ہے جسکی زندگی میں نیکیاں نہیں ہیں۔ تو جو نیکی نہیں کرتا ہے اسے حکم دو اور جو برائی کرتا ہے اسے روکو۔ ہم نے تمھیں روکنے اور حکم دینے کا حق دیدیا ہے مگر یہ حق ہر ایک جگہ استعمال نہ کرنا اسکی پہلی شرط یہ ہے کہ اسی بات کا حکم دینا جو صحیح ہو اور دوسری شرط یہ ہے کہ اسی کو حکم دینا جو نہ کر رہا ہو۔ جو نیکی نہیں کرتا اسے نیکی کا حکم دینا اور برائی سے اسے روکنا جو برائی کر رہا ہو تاکہ تمھیں اسلام کا یہ مزاج معلوم ہو جائے کہ ہم کسی کو اسی وقت حاکم بناتے ہیں جب دو باتیں پیدا ہو جائیں۔ سماج میں عیب پیدا ہو جائے کہ نیکیاں نہ ہوں تو اس میں یہ کمال ہو کہ نیکیوں کو پہچان کے نیکیوں کا ہی حکم دیتا ہو جسے حکم دیا جائے وہ نیکیوں سے الگ ہو اور جو حکم دینے والا

ہو وہ نیکیوں والا ہو۔ جب ایسا ہو جائے گا تو ہم آمریت کو برداشت کرلیں گے۔ ورنہ جب نظام اُلٹ جائے گا کہ شراب پینے والا، زنا کرنے والا، برائی کرنے والا، دین خدا کا مذاق اُڑانے والا وہ اسے حکم دے گا جو نبی کا نواسہ ہوگا دین کا ذمہ دار ہوگا قرآن کا مفسر ہوگا تو اسلام ایسی حاکمیت کو ہرگز برداشت نہ کرے گا۔

اس پوری تمہید کو آپ اپنے ذہن عالی میں محفوظ رکھیں تا کہ میں اس کے بعد نتیجہ آپ کے سامنے گزارش کرسکوں۔ پروردگار عالم نے ہر مسلمان کو حکم دیا کہ تم لوگوں کو نیکیوں کا حکم دو۔ لوگوں کو برائیوں سے روکو۔ یہ تمھاری ذمہ داری ہے اور یہ ذمہ داری وہ ہے جو اسلام کے واجبات میں ہے۔ ہر مسلمان کیلئے فرض ہے کہ وہ انسان کو نیکیوں کا حکم دے۔ برائیوں سے روکے۔

واجبات کے معنی کیا ہیں۔ یعنی حکم خدا یہ ہے کہ تم حکم دو۔ جیسے حکم خدا ہمارے لیے ہیکہ نماز پڑھیں۔ حکم خدا ہے کہ روزہ رکھیں۔ حکم خدا یہ ہے کہ حج کریں۔ اسی طرح حکم خدا یہ ہے کہ ہم لوگوں کو نیکیوں کا حکم دیں یعنی ہماری دو حیثیتیں ہیں۔ جب بے عمل لوگوں کے سامنے آتے ہیں تو ہم حکم دینے والے ہوتے ہیں۔ ہماری ذمہ داری ہوتی ہے کہ ہم لوگوں کو حکم دیں نیکیوں کا۔ ہم ہوں گے حاکم۔ یہ سب جو بے عمل ہوں گے یہ سب ہوں گے ہمارے محکوم۔ لیکن جب ہم خدا کے سامنے گئے تو خدا نے کہا یہ ہے تمھارا فریضہ۔ یعنی ہم نے تم کو حکم دیا ہے کہ تم حکم دو۔ یعنی اسلام میں ہر مسلمان بہ یک وقت حاکم بھی ہے محکوم بھی ہے اور یہ تنہا ہمارا آپ کا حال نہیں ہے۔ سوائے پروردگار کے کوئی ایسا نہیں ہے جو صرف حاکم ہو محکوم نہ ہو۔ یہ ہمارا آپ کا مذہب ہے اسے پہچانیں آپ۔ سوائے پروردگار کے اس کائنات میں کوئی ایسا نہیں ہے جو صرف حاکم ہو اور محکوم نہ ہو۔ یہ تنہا خدا ہے جو حاکم ہے اور کسی کا محکوم نہیں ہے اس کے بعد جو

بھی ہے چھوٹا انسان، بڑا انسان، جاہل عالم صاحب دولت فقیر حاکم رعایا۔ حد یہ ہے کہ امام، نبی، افضل مرسلین، سید الانبیاء، جتنے بھی ہیں سب بہ یک وقت حاکم بھی ہیں اور محکوم بھی ہیں۔ سنئے قرآنی آیتیں جس دن پیغمبرؐ کو پہلے دن تبلیغ اسلام کا حکم دیا گیا۔ اس دن خدا نے کیا کہا "فاصدع بما تومر" پیغمبرؐ جس بات کا تمھیں حکم دیا گیا ہے اسکا اعلان کر دو۔ اب نبی جب اعلان کرے گا تو ہم مسلمان ہو جائیں گے۔ آپ مسلمان ہو جائیں گے۔ یہ کلمہ پڑھیں گے۔ وہ کلمہ پڑھیں گے۔ محکوموں کی دنیا آباد ہوگی۔ یہ سب ہوں گے پیغمبرؐ کے محکوم لیکن جب خدا کہہ رہا تھا تم اسکا اعلان کرو جس کا تمھیں حکم دیا گیا ہے تو اس کے معنی کیا ہوئے کہ تم میرے محکوم ہو۔ پیغمبرؐ تم میرے محکوم ہو، میں نے تم کو حکم دیا ہے کہ اعلان کرو۔ تو خدا کے سامنے نبیؐ محکوم اور دنیا کے سامنے حاکم۔ یہ پہلا دن تھا اس کے بعد جب سرکارؐ دوعالم نے کار تبلیغ شروع کر دیا۔ مصائب سامنے آئے۔ مشکلات سامنے آئے۔ کانٹے بچھ رہے ہیں۔ پتھر مارے جا رہے ہیں۔ گالیاں دی جا رہی ہیں۔ بُرا بھلا کہا جا رہا ہے۔ کوڑا پھینکا جا رہا ہے۔ تو پروردگار نے کہا میرے حبیب ان حالات سے گھبرایئے گا نہیں۔ "فاستقم کما امرت" ویسے ہی سیدھے راستہ پر چلتے رہئے گا جیسے آپ کو حکم دیا گیا ہے۔ حکم دیا گیا ہے کے معنی کیا ہیں؟ کہ ہیں حاکم آپ محکوم۔ یہ دوسرا موقع۔ پیغمبرؐ اسلام نے کہا تنہا تم مسلمان نہیں ہو اے مسلمانو کلمہ پڑھ کے نہ سوچنا کہ تم ہی مسلمان ہو تم سے پہلے تو میں خود ہی مسلمان ہوں۔ مسلمان کے معنی کیا ہیں اطاعت گذار تم سے پہلے میں مسلمان ہوں "ما اُمرت" مجھے حکم دیا گیا ہے۔ کس بات کا؟ "بان اکون اول من اسلم" کہ سب سے پہلا اطاعت گذار میں بنوں۔ "وجہت وجہی للذی فطر السموات والارض" آخر میں "بذلک اُمرت" اسی بات کا مجھے حکم دیا گیا ہے غور کیا آپ نے جو کل کائنات سے افضل تھا جو صاحب معراج

تھا جسکی نعلین عرش اعظم تک گئیں خدا کے سامنے وہ بھی محکوم ہے۔ بار بار خدا کہہ رہا ہے تمھیں میں نے حکم دیا ہے۔ جو حکم دیا ہے وہ کرو۔ جو حکم دیا گیا ہے وہ بیان کرو۔ جو حکم دیا گیا ہے اسکا اعلان کرو۔ تاکہ دنیا کو اندازہ ہو جائے کہ جو کائنات کا حاکم ہے وہ بھی خدا کے سامنے محکوم ہے۔

اور آگے بڑھیں انبیاء میں سرکار دوعالمؐ کے بعد جس نبی کا مرتبہ ہے وہ کون ہیں؟ وہ جناب ابراہیمؑ ہیں درجہ کے اعتبار سے، مرتبہ کے اعتبار سے، سب سے بالاتر مرتبہ ہے سرکار دوعالمؐ کا اور سرکار دوعالمؐ کے بعد انبیاء میں دوسرا درجہ جناب ابراہیم کا ہے۔ جناب ابراہیم نے جناب اسمٰعیلؑ سے کہا کہ بیٹا میں نے خواب دیکھا ہے کہ میں تمھیں ذبح کر رہا ہوں۔ بتاؤ کہ تمھاری رائے کیا ہے صبح و شام سنتے رہتے ہیں آپ کبھی سوچئے بھی اسمٰعیل نے کیا کہا "یا ابت افعل ما تومر"۔ بابا آپ وہ کریں جسکا آپ کو حکم دیا گیا ہے۔ حکم دینے والا کون ہے؟ خدا۔ محکوم کون ہے؟ ابراہیمؑ۔ اب آپ کو اندازہ ہوا کہ سوائے خدا کے کائنات میں کوئی ایسا نہیں ہے جو تنہا حاکم ہو اور محکوم نہ ہو۔ بندگی کا تقاضا یہ ہے کہ معبود کا محکوم رہے اور یہیں سے تو اسلام کا امتیاز ثابت ہوتا ہے کہ ساری دنیا کے حاکم وہ ہیں جو خدا سے ہٹ کے حاکم بن جاتے ہیں۔ خدا کو بھول کے حاکم بن جاتے ہیں تو حاکم ہی حاکم رہ جاتے ہیں لیکن اسلام کا ہر حاکم خدا کا بنایا ہوا ہے جب خدا کا بنایا ہوا ہے تو میرے سامنے آئے گا آپ کے سامنے آئے تو حاکم ہو کر آئے گا لیکن خدا کے سامنے جائے گا تو محکوم بن کر جائے گا۔ انبیاء کی یہی شان، مرسلین کی یہی شان، خاصان خدا کی یہی شان، اولیاء اللہ کی یہی شان۔ خدا کیلئے سب محکوم اور قوم کیلئے سب حاکم۔ وہی حاکم جسکو خدا نے حاکم بنایا ہے اس کے علاوہ دنیا میں کوئی حاکم نہیں ہے۔ اسی لیے خدا نے "اطیعوا الرسول و اولی الامر منکم" رسول کی اطاعت کرو

اور صاحبان امر کی اطاعت کرو۔ یہ اعلان ہم نے واجب کی ہے اس اطاعت کا ہم نے حکم دیا ہے تو اب آپ نے اندازہ کرلیا کہ یہ امر کی دنیا وہ ہے کہ سب کو اسلام نے حاکم بنایا ہے مگر محدود طریقہ سے۔ نیکیوں کا حکم دینے کیلئے۔ تم حاکم ہو کل کائنات کے اور تمھارے واسطے پیغمبرؐ حاکم ہیں اور پیغمبر کے واسطے خدا حاکم ہے۔

تو پہلی حاکمیت خدا کی ہے۔ خدا نے حاکم بنایا نبی اور امام کو۔ نبی اور امام حاکم ہیں کل کائنات کیلئے۔ یہ ہے اسلام میں امر کا رشتہ۔ یہ ہے اسلام میں حکم کا رشتہ اور یہ سلسلہ یونہی آگے بڑھا۔ اگر اتنی باتیں آپ کے ذہن عالی میں محفوظ ہو گئی ہیں تو اب نتیجہ کو پہچانئے۔ سرکارِ دوعالمؐ کی شان یہ ہے کہ حضورؐ لوگوں کو نیکیوں کا حکم دیتے ہیں اور برائیوں سے روکتے ہیں۔

ایک شخص پیغمبرؐ کی خدمت میں آیا اسکو یہی بات گوارہ نہیں ہے کہ کوئی آدمی ہمیں نیکی کا حکم دے اور برائیوں سے روکے اور اسلام نے اسی کو فریضہ بنا دیا ہے۔ اسنے کہا اگر ہر آدمی یہی کام شروع کر دیگا تو لوگ جینے نہیں دیں گے۔ اب بھی لوگوں کو یہی پریشانی ہے کہ آخر آپ سے کیا تعلق ہے۔ کوئی کچھ کر رہا ہے کرنے دیجئے۔ ہاں بیشک اگر کوئی ہوگا تو چھوڑ دیں گے۔ اسلام کی فکر میں اور دنیا کی فکر میں یہی تو ایک فرق ہے کہ دنیا والے سمجھتے ہیں کہ ان سے ہمارا کیا تعلق ہے اسلام کہتا ہے اگر تم مسلمان ہو تو ہر مسلمان سے تمھارا تعلق ہے۔ آپ کا بھائی اگر کارنش پر ڈوب رہا ہو تو کبھی آپ نہ کہیں گے کہ ڈوبتا ہے تو ڈوبنے دیجئے۔ ہم سے کیا تعلق ہے۔ چاہے تیرنا جانتے ہوں یا نہ جانتے ہوں۔ تقاضائے فطرت یہ ہے کہ آدمی چھلانگ لگادے۔ کیوں؟ اپنا بھائی ڈوب رہا ہے ہم نہ ڈوبنے دیں گے۔ غور کر رہے ہیں آپ یہ کاہے کا تقاضا ہے بھائی ہونے کا۔ قرآن نے پہلے ہی کہا "انما المومنون اخوۃ" ہم نے سارے مومنین کو بھائی بھائی بنا

دیا ہے اب اگر تم مومن ہو تو کسی مومن کے بارے میں نہ کہنا کہ ڈوبتا ہے تو ڈوبنے دو ہم سے کیا تعلق ہے اور اگر تم نے سمندر میں ڈوبتے ہوئے بھائی کو بچا لیا اور گناہوں میں ڈوبتے ہوئے بھائی کو نہ بچایا تو اس کے یہ معنی ہیں کہ سمندری ہلاکت کو ہلاکت سمجھتے ہو اور جہنمی ہلاکت کو ہلاکت نہیں سمجھتے ہو۔

آپ میری طرف متوجہ رہیں یہ بڑا احساس مسئلہ ہے۔ ہماری آپ کی زندگی کا اور سرکار دو عالمؐ کے فضل و کمال کا۔ دنیا میں جب کوئی خطرہ سامنے آتا ہے تو ہم اپنے ہر عزیز کو خطرہ سے بچانا چاہتے ہیں اور مذہب میں جب کوئی خطرہ سامنے آتا ہے تو ہم مطمئن ہو جاتے ہیں جیسے وہ خطرہ کوئی خطرہ ہی نہیں ہے کیوں؟ اسلئے کہ ہماری نگاہ میں دنیا کی قیمت زیادہ ہے۔ مذہب کی قیمت کم ہے۔ میں نے کبھی یہ بات بطور مزاح کہی تھی لیکن یہ مزاح نہیں ہے ایک حقیقت ہے۔ اگر کل کسی مقام پر صبح کے وقت ناشتہ پر سارے مومنین مدعو ہو جائیں کوئی آدمی مرد مومن کھڑا ہو کر یہ اعلان کر دے کہ کل صبح سارے مومنین غریب خانہ پر آکے ناشتہ فرمائیں اور میرے ساتھ دس آدمی رہتے ہیں یا میرے فلیٹ میں یا میرے کمرہ میں یا میرے ڈیرے میں یا میرے مکان میں جہاں میں رہتا ہوں دس آدمی رہتے ہیں دیر میں سوئے سب سوتے رہ گئے اور میں صبح سویرے سات بجے ناشتہ کا ٹائم تھا اٹھا اور خاموشی سے چلا گیا ناشتہ پر اور جب پلٹ کے آیا تو میں نے خبر کی کہ بھئی ناشتہ بہت عمدہ تھا اتنے کم وقت میں اتنا زبردست انتظام۔ سب خوش ہو گئے ماشاءاللہ مبارک ہو مبارک ہو۔ یہی ہوگا؟ نہیں بلکہ اگر مار پیٹ نہ ہو جائے تو غنیمت ہے۔ اب آئے ہیں خبر سنانے کیلئے [illegible] زبان جاتے وقت گونگی ہو گئی تھی۔ اس وقت مر گئے تھے آپ۔ اس وقت آپ کو ہوش نہیں آیا تھا۔ ارے ہم سو گئے تھے جگا لیا ہوتا۔ ہم سو گئے تھے اٹھا لیا ہوتا۔ ہم سو گئے تھے تو بتا دیا ہوتا۔

اب آئے ہیں خبر لیکر پلاو اچھا تھا۔ اور زردہ خراب تھا۔ بات صحیح ہے یا نہیں۔ اور اگر کسی کو اعتبار نہ ہو تو میں اتنا بھی ایثار کر سکتا ہوں کہ ایک جگہ رہنے والے پانچ آدمیوں کو بلالوں اور کل تجربہ کر لیجئے۔ آپ ہمیں کیوں نہ لے گئے؟ ہمیں کیوں نہ جگایا؟ ہمیں کیوں نہ اٹھایا؟ سب ناراض ہیں لیکن جب صبح موذن کی آواز آئی "حی علی خیر العمل" اور ہم چلنے لگے۔ ہم نے کہا خدا کی دعوت پر جا رہے ہیں۔ یہ ناشتہ کی دعوت نہیں ہے بندے کی دعوت نہیں ہے یہ خدا کی دعوت ہے کل ان کو نہ لے گئے تھے یہ ناراض ہو گئے تھے۔ آج چھوڑ کے نہ جائیں گے۔ ہم نے کہا اٹھئے اٹھئے چلئے دعوت میں جا رہے ہیں۔ کہنے لگے آپ کا دماغ خراب ہو گیا ہے۔ آپ کو خبر نہیں ہے کہ ہم دیر میں سوئے ہیں۔ نہیں نہیں۔ ایمان پہچانئے ایمان۔ یہ ہے ہمارا بیسویں صدی کا ایمان۔ اگر روٹی کی دعوت میں کوئی کسی کو نہ لے جائے تو ناراض اور بندگی کی دعوت میں لے جائے تو ناراض۔ اب پہچانا کہ ہمارے ایمان میں روٹی کہاں ہے اور بندگی کہاں ہے۔ ہمارے ایمان میں روٹی کی جگہ کیا ہے اور بندگی کی جگہ کیا ہے۔ روٹی کی اہمیت زیادہ ہے بندگی کی اہمیت کم ہے اور یہی وہ فساد ہے یہی وہ برائی ہے کہ جب آگے بڑھ جاتی ہے تو ایک دن وہ آتا ہے کہ ابتدا میں روٹی کو نماز سے افضل بنا رہا تھا اور آخر میں وہ دن آجاتا ہے جب ملک رہے سامنے آجائے تو کسی بندہ خدا کی کوئی قیمت نہیں رہ جاتی ہے یہ اُسی ابتدا کی آخری انتہا ہے۔

اسی لیے اسلام نے امربالمعروف کو واجب قرار دیا ہے کہ پہلے دن سے سنبھالو پہلے مرحلہ سے سنبھالو ورنہ اگر ابتدا میں بگڑ گیا تو پھر آخر میں کوئی نہیں سنبھال سکتا ہے۔ مگر میں نے عرض کیا کہ یہ بات آدمیوں کیلئے قابل برداشت نہیں ہوتی ہے اور ہم آپ کیا ہیں پیغمبرؐ کے سامنے آکے اعتراض کر دیا۔

ایک شخص آیا اور گویا یہ کہنا چاہتا ہے کہ حضورؐ آپ نے جو فرمایا ہے کہ ہر آدمی کو چاہئے کہ دوسرے کو نیکیوں کا حکم دے برائیوں سے روکے۔ یہ حکم کیوں آپ نے دیا ہے وہ برائی کر رہا ہے وہ جہنم میں جا رہا ہے اسکو جانے دیجئے۔ آپ کو کیا تکلیف ہے۔ بھئی آپ بہت سے بہت یہی تو کہیں گے کہ جو نماز نہ پڑھے گا جہنم میں جائے گا۔ وہ جائے گا آپ تو نہیں جائیں گے۔ جو شراب پئے گا جہنم میں جائے گا۔ جا رہا ہے جانے دیجئے۔ آپ کو کیا تکلیف ہے۔ یہ آپ نے ہر مسلمان کو دوسرے مسلمان کے سر پر جو مسلط کر دیا ہے کیوں؟ لوگوں کی آزادی چھین لی آپ نے۔ جو جو کچھ کر رہا ہے اپنا انجام خود جا کے دیکھے گا۔ آپ نے مسلمانوں کو مسلمانوں کے سروں پر کیوں لاد دیا ہے۔ ہر آدمی اپنے اعمال کا ذمہ دار ہے۔ وہ اپنے نتیجہ کا ذمہ دار ہے۔ یہ امر و نہی کیا چیز ہے۔ حضورؐ نے عجب جملہ ارشاد فرمایا: کہا بات صحیح کہتے ہو اگر کبھی تم کشتی میں سفر کرو اور مثلاً پچاس آدمی کشتی میں بیٹھے ہیں ایک آدمی جس جگہ پر بیٹھا ہوا ہے اپنے پیروں کی جگہ پر کشتی میں سوراخ کر رہا ہے۔ ہم ڈوبنا چاہتے ہیں۔ جہاں ہم بیٹھے ہیں آپ کی جگہ پر نہیں، دوسرے کی جگہ پر نہیں، جہاں بیٹھے ہیں وہاں سوراخ کر رہے ہیں۔ ہم ڈوبنا چاہتے ہیں۔ اس وقت تم کیا کرو گے؟ کہو گے کہ ٹھیک ہے ڈوبنا چاہتا ہے ڈوبنے دیجئے کیا کرنا ہے۔ کشتی میں سوراخ کر رہا ہے کرنے دیجئے ہم سے کیا مطلب ہے۔ وہ ڈوبے گا، وہ مرے گا، ہم سے کیا تعلق ہے۔ یہی کہو گے؟

دیکھئے حضورؐ نے کہاں کس حساس نکتہ کو سامنے رکھا ہے اور کہاں انسان کی نبض پر ہاتھ رکھدیا ہے۔ فرمایا بتاؤ کیا کرو گے۔ منع کرو گے یا نہیں؟ آپ بتایئے آپ کیا کریں گے؟ اگر ہم آپ اسکی جگہ پر ہوں تو ہم کیا کریں گے؟۔ منع کریں گے یا نہیں؟ کریں گے۔ کیوں منع کریں گے۔ وہ ڈوب رہا ہے

ڈو بنے دیجئے۔ آپ سے کیا تعلق ہے۔ آپ کی جگہ پر تو ہاتھ نہیں لگا رہا ہے۔ جہاں خود بیٹھا ہے وہیں سوراخ کر رہا ہے۔ اسنے کہا نہیں حضورؐ۔ منع کریں گے۔ کہا۔ کیوں منع کرو گے؟ ڈوب رہا ہے ڈوبنے دو۔ تم سے کیا تعلق ہے۔ کہا مگر مسئلہ یہ ہے کہ اگر کشتی میں سوراخ ہو گیا تو تنہا ایک ہی نہیں ڈوبے گا پھر سب کو ڈوبنا پڑے گا۔ کہا بس مشکل یہ ہے کہ جب دریا میں کشتی میں بیٹھ گئے تب یہ اندازہ ہوا کہ ایک کا جرم کہاں کہاں اثر کرتا ہے۔ اگر تمہاری نگاہ اتنی ہی بصیر ہوتی کہ جتنا کام کشتی میں کر رہی ہے اتنا ہی کام سماج میں کرتی تو یہ اندازہ ہوتا کہ ایک آدمی کا جرم ایک آدمی کا جرم نہیں ہوتا ہے۔ ایک مجرم پیدا ہوگا دو مجرم پیدا ہوں گے۔ چار مجرم پیدا ہوں گے اور ایک دن جرم سارے سماج میں پھیل جائے گا تو ایک دو نہیں ڈوبیں گے سارا سماج ڈوب جائے گا۔ اگر یزید کو اتنا آزاد نہ چھوڑ دیا گیا ہوتا اگر مسلمانوں نے پہلے مرحلہ پر روک دیا ہوتا تو اتنا بڑا اقتدار ہوتا نہ اتنے بیعت کرنے والے ہوتے۔ یہ سارا سماج جو ڈوب گیا یہ ایک آدمی کو آزاد چھوڑ دینے کا نتیجہ تھا۔ اسی لیے اسلام نے کہا ہے کہ مجرم کو آزاد نہ چھوڑنا ورنہ تنہا مجرم نہ ڈوبے گا سارے سماج کو ڈبو دے گا۔

عزیزان محترم! آپ جانتے ہیں کہ آج کا موضوع ہماری اصطلاح کے اعتبار سے خشک ہے مگر بہرحال پیغمبرؐ اسلام کے فضائل میں شامل ہے اور ہر مسلمان کی ذمہ داری ہے۔ میں قرآن مجید کی جس آیت کے بارے میں گفتگو کر رہا ہوں اس آیت کا یہ ایک ٹکڑا ہے لہٰذا اسکی وضاحت ضروری ہے۔ جتنی باتیں میں کہہ چکا ہوں ایک آخری بات اور سن لیں تاکہ یہ بات تمام ہو جائے۔ سارے واقعات نہیں عرض کر سکتا۔ اگر واقعات پڑھنا ہیں تو وہ کتابیں پڑھیں۔ جن میں یہ واقعات لکھے گئے ہیں۔ میری بھی ایک کتاب چہاردہ معصومینؑ کے حالات میں ہے اگر آپ کو مل

جائے تو وہاں آپ دیکھیں گے اور اندازہ ہوگا کہ آئمہ طاہرینؑ نے اور پیغمبرؐ اسلام نے اس امرونہی کے فریضہ کو کیسے ادا کیا ہے۔ اور یہ ہر مسلمان کی ذمہ داری ہے کہ دوسرے مسلمان کو سنبھالے۔ ڈوبنے نہ دے۔ تباہ نہ ہونے دے۔ برباد نہ ہونے دے۔ اپنا بھائی سمجھے۔ اپنا عزیز سمجھے۔ غیر نہ سمجھے۔ مگر اس بات کا خیال رکھے کہ جس کام کیلئے کہہ رہا ہے وہ کام ہو جائے۔ رکنے نہ پائے یعنی اگر کوئی بے نمازی ہے تو آپ اسے حکم دیں مگر ایسے کہ نمازی ہو جائے۔ ایسے نہیں کہ اگر کبھی نماز پڑھنے کا ارادہ ہو تو وہ ارادہ بھی ملتوی ہو جائے۔ بعض لوگوں کی تبلیغ کا یہی طریقہ ہوتا ہے کہ اب جو مجلس میں سن لیا کہ امرونہی واجب ہو گیا ہے تو جیسے ہی مجلس تمام ہوئی۔ ایک ایک کا ہاتھ پکڑا۔ شرم نہیں آتی ہے۔ آپ نماز نہیں پڑھتے ہیں۔ تاکہ سارا مجمع سمجھ لے کہ یہ نمازی ہیں اور وہ تارک الصلاۃ ہے۔ اسنے بھی کہا کہ اب تو عزت چلی ہی گئی ہے۔ اب پڑھ کے کیا کریں گے۔ جب سارے مجمع کو معلوم ہی ہو گیا کہ ہم تارک الصلاۃ ہیں بھرے مجمع میں توہین ہو ہی گئی تو اب پڑھ کے کیا کریں گے۔ تو بجائے اس کے کہ نماز سے قریب آتا اگر آنے کا ارادہ بھی تھا تو واپس چلا گیا۔ یہ امر بالمعروف نہیں ہے۔ یہ فریضہ کی ادائیگی نہیں ہے۔ یہ جرم ہے، یہ گناہ ہے، یہ معصیت ہے، یہ اختیار آپ کو نہیں دیا گیا ہے کہ آپ کسی مرد مومن کی توہین کریں۔ آپ کو حکم دینے کا حکم دیا گیا ہے توہین کرنے کی اجازت نہیں دی گئی ہے۔

یہ بڑا حساس نکتہ ہے عزیزو یاد رکھئے گا بد سے بد تر مسلمان ہو۔ بد ترین مجرم ہو۔ راہ راست پر لانا آپ کی ذمہ داری ہے۔ مگر توہین کرنے کا حق آپ کو نہیں دیا گیا ہے۔ سرکار دو عالمؐ کی زندگی میں ایک مثال ہے۔ خدا جانتا ہے کہ پیغمبرؐ

نے کیسے قوم کی تربیت کی ہے اور کیسی قوم کو برداشت کیا ہے۔ میں جو واقعہ آپ کے سامنے گذارش کرنے جارہا ہوں میں جانتا ہوں کہ مجلس کے خاتمہ کے بعد بہت سے لوگ کہیں گے کہ مولانا کو ایسے واقعات کو منبر سے نہیں پڑھنا چاہئے یا ایسے الفاظ منبر سے نہیں بولنا چاہئے۔ ابھی ہم اُس دنیا میں آباد ہیں کہ الفاظ کے بارے میں سوچ رہے ہیں۔ وہ پیغمبر سے بات کرنے آیا ہے ہمارے مخاطب تو آپ ہیں۔ آپ کے سامنے تو میں بیٹھا ہوں پیغمبر تو نہیں ہیں مگر وہ پیغمبر سے بات کرنے کیلئے آیا ہے پیغمبرؐ کہتے ہیں جو بات ہو صریح ہو۔ واضح ہو۔ جو کہنا چاہتے ہو کہو۔ تا کہ میں جواب دے سکوں۔ لفظوں کا تکلف کیا ہے۔ جھوٹی تہذیب سے فائدہ کیا ہے۔ مہمل آداب سے فائدہ کیا ہے کہ آدمی بے ادب رہ جائے اور سمجھے بڑے مہذب ہیں۔

ایک شخص آیا پیغمبرؐ کی خدمت میں اور آنے کے بعد کہتا ہے سرکار دو عالم! میں بہت کوشش کرتا ہوں کہ اپنے نفس پر کنٹرول کروں۔ اپنے نفس پر قابو پاؤں مگر جو کوئی عورت سامنے سے گذر جاتی ہے یا جب کسی عورت کا خیال آجاتا ہے تو نفس بہکنے لگتا ہے۔ آپ نماز کیلئے کہدیں میں پڑھوں گا۔ روزہ کیلئے کہئے جو کہئے سب کروں گا۔ لیکن آپ مجھے زنا کرنے کی اجازت دیدیجئے۔ سن رہے ہیں آپ۔ میں جانتا ہوں کہ بہت سے لوگ یہی سوچ رہے ہیں کہ یہ الفاظ منبر سے نہیں بولنا چاہئیں۔ مگر وہ پیغمبرؐ کے سامنے بولنے کیلئے آیا ہے اور پیغمبرؐ یہ نہیں کہتے تو بیہودہ ہے نالائق ہے یہ الفاظ نہیں استعمال کرنا چاہئے بلکہ آپ نہایت ہی متانت سنجیدگی اور اطمینان کے ساتھ اسکی گفتگو سن رہے ہیں۔ فرمایا کیا چاہتے ہو۔ کہا حضورؐ مجھے اجازت دیدیجئے۔ اور کسی جرم کی اجازت نہیں چاہتا۔ چوری نہیں کروں گا۔ شراب نہیں پیوں گا۔ مگر نفس پر کنٹرول نہیں ہوسکتا ہے۔ بس مجھے اجازت

دیدیجئے۔ فرمایا کوئی بڑی بات نہیں ہے جو رحمتہ للعالمین ہے وہ ہر ایک کے مسئلہ کو حل کرے گا۔ مگر یہ اجازت تنہا تم ہی کو کیوں دی جائے باقی لوگ کیا میرے امتی نہیں ہیں۔ باقی کیا مسلمان نہیں ہیں۔ باقی لوگوں سے کیا مجھے محبت نہیں ہے۔ کیا یہ میرے چاہنے والے نہیں ہیں۔ میں اگر اجازت دوں گا تو سب کو دوں گا۔ وہ سوچ رہا ہے کہ حضور کیا فرمار ہے ہیں۔ حضورؐ نے کہا اور واضح کردوں ظاہر ہے جب میں کسی کو بدکاری کی اجازت دوں گا تو یہ تو میں جانتا ہوں کہ وہ بدکاری اپنی ماں کے ساتھ نہیں کرے گا۔ اپنی بہن کے ساتھ نہیں کرے گا۔ اپنی بیٹی کے ساتھ نہیں کرے گا۔ کرے گا تو غیر کے ساتھ۔ تو جب میں سبکو اجازت دوں گا تو کوئی ایسا بھی ہوگا جو تیری ماں کے ساتھ بدکاری کرے گا۔ تو راضی ہے؟ کہا حضورؐ یہ تو برداشت نہیں کروں گا۔ کہا کوئی ایسا بھی ہوگا جو تیری بیٹی کے ساتھ بدکاری کرے گا تو راضی ہے۔ کہا حضورؐ یہ تو نہیں ہوسکتا۔ کہا کوئی ایسا بھی ہوگا جس کے ناجائز تعلقات تیری بہن کیساتھ ہوں گے تو راضی ہے۔ کہا حضورؐ یہ تو نہیں ہوسکتا۔ فرمایا جب اپنی ماں بہن بیٹی کے واسطے راضی نہیں ہے تو اپنے واسطے یہ اجازت لینے کیلئے کیوں آیا ہے کہ جسکی ماں کو چاہے غلط نگاہ سے دیکھے۔ جسکی بہن کو چاہے غلط نگاہ سے دیکھے۔ جسکی بیٹی کو چاہے غلط نگاہ سے دیکھے۔ یہ حق تجھے کیسے دیدیا جائے گا۔ اگر اپنے واسطے اس مصیبت کو برداشت کرنے کیلئے تیار ہوجائے تو مجھے کوئی اعتراض نہیں ہے۔ بس یہ سننا تھا لرز کے قدموں پر گر پڑا کہا حضورؐ اس نکتہ کی طرف تو میرا ذہن گیا ہی نہیں تھا کہ اگر کوئی دوسرے کی ماں ہے تو کوئی میری ماں بھی ہے۔ اگر کوئی دوسرے کی بہن ہے تو کوئی میری بہن بھی ہے۔ اگر کوئی دوسرے کی بیٹی ہے تو کوئی میری بیٹی بھی ہے۔ اب سرکارؐ آپ پروردگار سے دعا فرمائیں کہ پروردگار میرے نفس کو پاکیزہ بنادے

کہ ایسے فاسد خیالات آنے ہی نہ پائیں۔ عزیزو! انسان توبہ کرے تو یوں توبہ کرے۔ راہ راست پر آئے تو یوں راہ راست پر آئے۔ سرکارؐ دو عالم نے دعا کیلئے ہاتھ اٹھا دیئے۔ پروردگار! یہ تیرا بندہ بہک گیا تھا۔ اب راستہ پر آرہا ہے خدایا اس کے نفس کو اتنا پاکیزہ بنا دے کہ حرام کا خیال ہی اس کے نفس میں نہ آنے پائے۔ وہ کہتا ہے کہ میری ساری زندگی گذر گئی اور پوری زندگی میں کبھی حرام کا خیال بھی آنے نہیں پایا اسلئے کہ حضورؐ نے ایک حساس نکتہ سمجھا دیا۔ واقعہ تو پیغمبرؐ کے زمانے کا تھا مگر عزیزو! میں آج آپ سے گذارش کرتا ہوں سماج میں جو بھی بھٹکے ہوئے افراد ہیں جو بھی غلط نگاہ ڈالنے والے ہیں اور بھٹکنے والے ہیں۔ سب کو آپ یہ ایک نکتہ سمجھائیں کہ اگر آج تمھیں دوسری عورت پر نگاہ ڈالنے کا شوق ہے تو کل کوئی ایسا بھی پیدا ہوگا جو تمھارے یہاں کے گھر والوں پر غلط نگاہ ڈالے گا جب اس بے حیائی کیلئے تیار ہو جانا تب اس جرم کا ارادہ کرنا۔ لیکن اگر تم میں غیرت پائی جاتی ہے تو دوسرا بھی صاحب غیرت ہے۔ حضور نے ایک ایسا راستہ بتا دیا ہے کہ جہاں تک یہ پیغام بڑھتا جائے گا یہ پیغام انسانی نفس کی اصلاح کرتا چلا جائے گا۔ پیغمبرؐ نے بیہودہ کہہ کر محفل سے اٹھا دیا نہ بد تمیز کہہ کر ڈانٹ دیا بلکہ ایسا نکتہ سمجھا دیا کہ جس کے بعد نہ اس کے ذہن میں برائی کا خیال پیدا ہو سکتا ہے اور نہ کسی کے ذہن میں پیدا ہو سکتا ہے۔ ایسے پیغمبرؐ کو پروردگار عالم نے حکم دیا ہے کہ پیغمبر تم لوگوں کو نیکیوں کا حکم دو برائیوں سے ڈراؤ اور ایک قانون عام بنا دو ایک طریقہ سمجھا دو تاکہ تمھاری امت والے اسی راستہ پر چلیں اور اسی راستہ پر چل کے سماج کو نیکیوں کے راستہ پر چلائیں اور برائیوں کے راستہ سے بچائیں۔

بس ارباب کرم آج مجھے اتنی ہی زحمت آپ کو دینا تھی۔ اگر یہ میری باتیں

آپ کے ذہن نشین ہو جائیں اور یہ پیغام یاد رہ جائے تو اب تک کے بیانات اور اس کے بعد کے بیانات کا واقعی کوئی نتیجہ سامنے آجائے اور ہماری زندگی میں انقلاب پیدا ہو جائے ہمارے نفس میں سدھار پیدا ہو جائے ہم میں سماج کی اصلاح کا ذوق پیدا ہو جائے۔ ہم اپنے فریضہ کو محسوس کریں کہ ہر مومن ہمارا بھائی ہے۔ اگر ڈوب رہا ہے تو ڈوبنے نہ پائے۔ اگر تباہ ہو رہا ہے تو تباہ نہ ہونے پائے۔ اگر بھٹک گیا ہے تو بھٹکا نہ رہ جائے اگر راستہ پر ہے تو راستے سے واپس نہ جانے پائے۔ یہی پیغمبرؐ کا کمال تھا اور یہی مسلمان کی ذمہ داری ہے اور یہی وہ ذمہ داری تھی جسکے لیے فرزند رسولؐ نے قیام کیا تھا۔ ہم تو خالی لفظیں جانتے ہیں۔ امام حسینؑ نے انقلاب پیدا کر دیا۔ یہ انقلاب کیسے پیدا کر دیا خود امام حسینؑ نے کہا کہ اُمت میں فساد پیدا ہو گیا ہے میں اصلاح چاہتا ہوں۔ اصلاح کیلئے اٹھا ہوں۔ اصلاح کیا کروں گا" ارید ان آمر بالمعروف وانہی عن المنکر "میں کچھ نہیں چاہتا۔ نہ کسی کا تخت الٹنا چاہتا ہوں۔ نہ کسی کا تاج چھیننا چاہتا ہوں۔ میں ایک بات چاہتا ہوں کہ لوگوں کو نیکیوں کا حکم دوں اور برائیوں سے روکوں۔ میرے سارے قیام کا، سارے انقلاب کا ایک مقصد ہے کہ نیکیاں عام ہو جائیں اور برائیوں کے راستے بند ہو جائیں۔ اسی کام کیلئے اٹھا ہوں۔ اگر گلا کٹتا ہے تو کٹ جائے۔ اگر گھر لٹتا ہے تو لٹ جائے۔ مگر سماج میں نیکیاں رائج ہو جائیں اور برائیاں بند ہو جائیں۔ یہ میرا مقصد ہے اور اسی مقصد کی تکمیل مدینہ سے کربلا تک ہوئی ہے۔ لوگوں کو کیسے نیکیوں کے راستہ پر لایا جاتا ہے اور کیسے برائیوں سے روکا جاتا ہے یہ امام حسینؑ جانتے ہیں اور اسی مقصد کیلئے اٹھے تھے۔

قافلہ چل رہا ہے۔ ابھی قافلہ کربلا تک نہیں پہونچا ہے۔ کربلا کے راستہ میں ہے کہ ایک مرتبہ دیکھنے والوں نے دیکھا کہ جیسے سامنے کوئی نخلستان ہے۔ کوئی

باغ دکھائی دے رہا ہے۔ مولا اب تو ہم صحراوں سے گزر کر کسی نخلستان کسی باغ تک پہونچ گئے ہیں۔ فرمایا غور سے دیکھو۔ اب جو غور سے دیکھا۔ کہا نہیں یہ درخت نہیں ہیں۔ یہ تو نیزے ہیں۔ یہ تلواریں ہیں۔ یہ لشکر ہے۔ فرمایا مجھے معلوم ہے کہ یہ لشکر میرا راستہ روکنے کیلئے آیا ہے۔ یہاں تک کہ لشکر سامنے آگیا کہا مجھے حکم دیا گیا ہے کہ میں آپ کا راستہ روکوں۔ فرزند رسول نے فرمایا کیوں اپنی عاقبت خراب کرنا چاہتا ہے۔ نبی کا نواسہ ہوں۔ دختر پیغمبرؐ کالال ہوں۔ سمجھایا اور فرزند رسول کے سمجھانے کا اتنا اثر ہوا امام حسینؑ کی گفتگو کا اور گفتگو کے ساتھ امام حسینؑ کے طرز عمل کا کہ یہ راستہ روکنے آیا ہے مگر بھیا اس کالشکر پیاسا ہے۔ اس کے ساتھی پیاسے ہیں۔ اس کے سپاہی پیاسے ہیں۔ اس کے لشکر کے جانور پیاسے ہیں۔ پہلا کام یہ کرو کہ ان سب کو سیراب کر دو اگر یہ نہ معلوم ہوتا کہ کیوں آئے ہیں اور امام حسینؑ پانی پلا دیتے تو شائد کمال کردار سامنے نہ آتا۔ لیکن معلوم ہے یہ کیوں آئے ہیں۔ یہ راستہ روکنے کیلئے آئے ہیں مگر فرمایا انھیں پانی پلاو۔
میں پھر ایک لمحہ کیلئے ٹھہر کر ایک جملہ آپ سے کہنا چاہتا ہوں۔ اگر کوئی میرا راستہ روکنے کیلئے آئے اور وہ پیاسا ہو تو کیا میں یہی طریقہ اختیار کروں گا جو امام حسینؑ نے کیا ہے۔ میں تو یہی چاہوں گا کہ جب دشمن ہے تو پیاسا ہی مر جائے لیکن امام حسینؑ نے فرمایا کہ مجھے یہ گوارا نہیں ہے۔ بھیا انھیں پانی پلاؤ اور اسکی پرواہ نہ کرو کہ ہمارے ساتھ پانی رہ جائے گا یا نہیں۔ سارے لشکر حر کو سیراب کیا گیا۔ یہاں تک کہ حر کے لشکر کا آخری سپاہی کہتا ہے کہ اصحاب حسینؑ میرے ساتھیوں کو پانی پلا رہے تھے۔ میں سب سے آخر میں تھا اور میں یہ سمجھ رہا تھا جب تک میری باری آئے گی میں مر چکا ہوں گا کہ ایک مرتبہ میں نے دیکھا کہ نبیؐ کالال اپنی جگہ سے اٹھا۔ مشکیزہ سنبھال کے میرے قریب آیا۔ کہا بھائی میں دیکھ رہا ہوں کہ جب تک

تمھاری نوبت آئے گی تمھاری حالت غیر ہو جائے گی۔ لو میں پانی پلانے کیلئے آگیا ہوں۔ پانی پی لو۔ امامؑ نے پانی پلایا۔ اس کے بعد ناقہ کو سیراب کیا۔ بس یہ وہ طرز عمل تھا جس نے حر کے دل میں انقلاب پیدا کر دیا۔ وہ حسینؑ کی گفتگو۔ یہ حسینؑ کا طرز عمل۔ اس طرح لوگ ہدایت کے راستہ پر لائے جاتے ہیں۔ اس طرز عمل کا پہلا اثر یہ ہوا کہ اس گفتگو کے دوران نماز کا وقت آگیا جب نماز کا وقت آیا تو اصحاب حسینؑ نے آذان دی۔ امام حسینؑ نے فرمایا کہ حر وقت نماز آگیا ہے میں نماز پڑھنا چاہتا ہوں تو بھی اپنے ساتھیوں کے ساتھ نماز پڑھ لے۔ حر نے عجب بات کہی۔ فرزند رسولؐ آپ کے ہوتے ہوئے میں نماز پڑھاوں گا؟ میں بھی آپ کے پیچھے نماز پڑھوں گا۔ میرے لشکر والے بھی آپ کے ساتھ نماز پڑھیں گے۔

دیکھئے حسینؑ کیسے دھیرے دھیرے ایک بھکے ہوئے آدمی کو راہ راستہ پر لا رہے ہیں۔ راستہ سے بھٹک گیا ہے حسینؑ اسے راستہ پر لا رہے ہیں۔ دو مرحلے تمام ہوئے اب جو قافلے کے چلنے کا وقت آیا۔ کہا مگر طے یہ ہوا تھا کہ آپ اپنے ارادہ سے نہ جائیں گے۔ جہاں ابن زیاد چاہے گا وہاں جائیں گے۔ فرزند رسولؐ نے قافلہ کو آگے بڑھانا چاہا۔ حر نے بڑھ کے لجام فرس پر ہاتھ ڈال دیا۔ بس یہ سننا تھا کہ نبیؐ زادہ کی زبان پر ایک لفظ آگیا۔ تیری ماں تیرے ماتم میں بیٹھے۔ یہ ہدایت کا تیسرا طریقہ تھا اسلئے کہ اگر حر کی ماں، کاذکر نہ آیا ہوتا تو شائد حر راہ راست پر نہ آسکتا۔ مگر جیسے ہی حسینؑ نے یہ جملہ فرمایا ویسے ہی حر نے کہا حسینؑ اگر آپ کے علاوہ عرب میں کوئی یہ بات کہتا تو میں اسکو جواب دیتا مگر کیا کروں آپ کی ماں فاطمہؑ زہرا ہیں میں کچھ کہہ نہیں سکتا۔ ہدایت کا تیسرا طریقہ تھا کہ حسینؑ نے حر کی ماں، کاذکر کرکے حر کے ذہن کو شہزادی کائنات کی طرف موڑ دیا۔ اب جو دختر پیغمبرؐ کا خیال آیا تو حر کے ذہن میں انقلاب پیدا ہو گیا۔ اب یہ انقلاب کربلا تک ساتھ چل رہا ہے

یہاں تک کہ اب جو عاشور کی رات آئی تو حر کبھی خیمہ کے اندر کبھی خیمہ سے باہر۔ کسی نے کہا امیر کل تو جنگ کا دن ہے آپ ذرا آرام تو فرمالیں اسلئے کہ کل لڑائی ہونے والی ہے۔ کہا کیسے آرام کروں جب بستر پر سونا چاہتا ہوں تو کانوں میں آواز آتی ہے "العطش!" ہائے پیاس! ہائے پیاس! یہ جس نے کل ہمارے لشکر کو سیراب کیا تھا۔ آج اس کے چھوٹے چھوٹے بچے پیاسے ہیں۔ آج اس کے چھوٹے چھوٹے بچے پیاس سے جان بلب ہیں۔ میں کیسے آرام کروں سحر کا ہنگام آیا۔ حر ابن سعد کے سامنے آئے۔ کہا ابن سعد کیا طے ہوا۔ کیا واقعاً جنگ ہوگی کہا حر جنگ ہوگی اور ایسی جنگ ہوگی کہ سر کٹ کے اڑتے ہوئے دکھائی دیں گے اور ہاتھ کٹ کے گرتے ہوئے نظر آئیں گے۔ بس یہ سننا تھا کہ حر نے ایک آہ سرد کھینچی اور ابن سعد کے سامنے سے ہٹ آئے دیکھا کسی نے کہ حر لرز رہے ہیں۔ کہا حر یہ تمھار کیا عالم ہے۔ کیا بہتر کی سپاہ کو دیکھ کے کانپ رہے ہو؟ کہا مسئلہ سپاہ کا نہیں۔ مسئلہ لشکر کا نہیں ہے۔ میں اپنے کو جنت و جہنم کے درمیان پا رہا ہوں اگر لشکر یزید میں رہ گیا تو انجام جہنم ہوگا حسینؑ کے پاس چلا جاؤں تو جنت مل جائے گی مگر جاؤں گا کیسے؟ راستہ تو میں نے ہی روکا تھا۔ بلا کے بن میں تو گھیر کے میں ہی لایا ہوں۔ اب حر کا دل بے چین ہے۔ حسینؑ کی بارگاہ میں کیسے چلا جائے۔ تھوڑی دیر کے بعد حر نے فیصلہ کرلیا کہ مجھے جانا ہے۔ دو قدم آگے بڑھے آہٹ محسوس کی جیسے کوئی آرہا ہے۔ مڑ کے دیکھا جوان بیٹا آرہا ہے۔ کہا بیٹا تم کیوں آئے۔ کہا بابا کہاں جارہے ہیں۔ کہا میں تو مولا کی خدمت میں جارہا ہوں۔ بڑی خطا ہوگئی ہے اب جارہا ہوں اپنی خطا کو بخشوانے کیلئے۔ کہا بابا یہی وقت ہے مجھے ساتھ چھوڑ جانے کا۔ مجھے الگ کر دینے کا۔ کیا یہی وقت ہے اگر آپ جائیں گے تو میں آپ کے ساتھ چلوں گا۔ کہا بیٹا بڑے موقع سے تم آگئے۔ لو ذرا

میرے ہاتھوں کو باندھ تو دو۔ بابا مجھ سے تو یہ نہ ہوسکے گا۔ کہا نہیں بیٹا ان ہاتھوں کو رومال سے باندھ دو۔ اسلئے کہ یہی ہاتھ مولا کے لجام فرس تک چلے گئے تھے۔

لو عزیزو، حر احساس ندامت لیکر چلے۔ ایک مرتبہ حسینؑ نے آواز دی میرے چاہنے والو استقبال کرو۔ میرا مہمان آرہا ہے۔ اصحاب نے بڑھ کے استقبال کیا۔ حر نے آکے سر مولا کے قدموں پر رکھدیا۔ حسین نے کہا۔ سر اٹھاؤ حر یہ کیا کر رہے ہو کہا مولا جب تک خطا معاف نہ ہوگی یہ سر نہ اٹھے گا۔ فرمایا حر تمھاری خطا کو میں نے معاف کیا۔ میرے خدا نے معاف کیا۔ اب تو سر اٹھالو۔ کہا مولاؑ سر اٹھاؤں گا مگر ایک شرط ہے پہلے میں نے راستہ روکا تھا پہلے مجھے مرنے کی اجازت دیجئے۔ یوں آنے والے راہ ہدایت پر آتے ہیں۔ اتنا بڑا انقلاب پیدا ہوگیا۔ پہلے مرنے کی اجازت مجھے دیجئے۔ سن سکو گے عزیزو حسینؑ نے فرمایا حر یہ تم نے کیا کہدیا کیسے تمھیں مرنے کی اجازت دوں ابھی تم آئے ہو میرے مہمان ہو میں کیا کروں تمھاری خاطرداری کیسے کی جائے۔ اب تو خیمہ میں ایک قطرہ آب بھی نہیں ہے۔ حر نے کہا مولا تو کیا آپ مجھے مہمان سمجھتے ہیں۔ اگر مہمان کہتے ہیں تو مہمان کی کچھ تو خاطر کرنا پڑے گی۔ فرمایا حر ہم کس خاطر کے قابل رہ گئے ہیں۔ کہا مولاؑ میں بتاؤں آپ کیا کرسکتے ہیں۔ فرمایا حر بتاؤ کیا کرسکتا ہوں۔ کہا مولا میرے جوان بیٹے کو مرنے کی اجازت دیدیجئے اب حسینؑ کیا جواب دیتے۔ سر جھکالیا۔ کہا جاؤ حر میں نے اجازت دیدی۔ حر نے اپنے جوان بیٹے کو سجایا۔ گھوڑے پر بٹھایا۔ مقتل میں بھیجا۔ لشکر دشمن سے ٹوٹ کے آیا ہے۔ ابن سعد نے کہا حملہ کرو۔ چاروں طرف سے حر کے جوان کو گھیر لیا گیا۔ تلواروں پر تلواریں۔ نیزوں پر نیزے۔ جب زخموں سے چور ہوکر گھوڑے سے گرنے لگا تو آواز دی۔ بابا اگر آخری دیدار کرنا ہے تو آؤ۔ حر کے کانوں میں آواز آئی۔ اٹھے کمر کو کس کے باندھا۔ مقتل میں جانے کا

اور یہ اندازہ ہو کہ اسلام واقعاً کتنا جامع اور ہمہ گیر مذہب ہے۔

دو باتیں تمہیدی طور پر چند منٹ میں گذارش کرنا ہیں اس کے بعد اصل مسئلہ کی وضاحت کرنا ہے۔

پہلی بات تو یہ ہے کہ مالک کائنات نے پیغمبرؐ کی ذمہ داریوں میں اور پیغمبر کے صفات میں اس بات کا ذکر کیا ہے کہ پیغمبرؐ وہ ہے جو طیبات کو حلال قرار دیتا ہے اور خبائث کو حرام قرار دیتا ہے۔ پھر آپ توجہ دیں۔ یہ پیغمبرؐ وہ ہے جو پاکیزہ چیزوں کو حلال قرار دیتا ہے اور خبیث چیزوں کو حرام قرار دیتا ہے یہ عالم اسلام کا بڑا اختلافی مسئلہ ہے جسمیں میں آپ کو نہیں الجھانا چاہتا لیکن ایک اشارہ اسلئے کرنا ضروری ہے کہ بغیر اس کے مسئلہ کی وضاحت نہ ہوگی۔

عام طور سے مسلمانوں کا خیال یہ ہے کہ اسلامی قوانین کی کوئی بنیاد نہیں ہے اسلامی قوانین کی صرف ایک بنیاد ہے جسکا نام ہے حکم خدا۔ جو خدا نے کہدیا وہی قانون ہے۔ جو خدا نے فرما دیا وہی قانون ہے۔ لیکن خدا نے کیوں فرما دیا؟ اسکی کوئی بنیاد نہیں ہے۔ یعنی اگر خدا نے کسی چیز کا حکم دیدیا تو اسلئے حکم نہیں دیا کہ وہ چیز اچھی تھی بلکہ جب خدا نے حکم دیدیا تو اچھی ہو گئی۔ اگر خدا نے کسی چیز سے روکا ہے تو اسلئے نہیں روکا کہ اسمیں کوئی خرابی تھی بلکہ جب خدا نے روک دیا تب خرابی پیدا ہو گئی۔ یعنی قانون کسی بنیاد سے نہیں پیدا ہوا ہے بنیاد قانون سے پیدا ہوئی ہے۔

اس نظریہ کا خلاصہ یہ ہے کہ دوسری منزل پہلے بنی اور پہلی منزل بعد میں تیار ہوئی ہے۔ یا اور واضح لفظوں میں کہا جائے کہ عمارت پہلے بنی ہے اور سنگ بنیاد بعد میں رکھا گیا ہے۔ اسلئے کہ پروردگار کے قوانین کی کوئی بنیاد نہیں ہے۔ خدا اپنی حکومت ظاہر کرنے کیلئے کہتا ہے کہ یہ کام کرو۔ یہ نہ کرو۔ اب جب کہہ دیا

کہ یہ کرو تو بندہ کو کہنا ہی پڑے گا کہ اسمیں کوئی اچھائی ہوگی۔ اچھائی تھی نہیں۔ خدا نے کہدیا تو اچھائی ہو گئی۔ اور جب خدا نے روک دیا تو کوئی برائی ہو گئی۔ ورنہ خدائی احکام کی کوئی بنیاد نہیں ہے۔ یہ عام مسلمانوں کا مسلک ہے۔ میں اسمیں بحث نہیں کرنا چاہتا میں تو فقط یہ کہنا چاہتا ہوں کہ خود پروردگار نے اپنے مذہب کے بارے میں کیا کہا ہے۔ اگر خدا نے یہ کہا ہوتا کہ پیغمبرؐ وہ ہے جو اپنے احکام سے چیزوں کو پاکیزہ بناتا ہے۔ اپنی پابندی سے چیزوں کو خبیث بناتا ہے تو یہ بات یقیناً صحیح ہوتی جو مسلمان کہہ رہے ہیں۔ لیکن خدا نے کیا کہا "یحل لہم الطیبات" پیغمبر پاکیزہ چیزوں کو حلال قرار دیتا ہے۔ خبیث چیزوں کو حرام قرار دیتا ہے۔ یعنی یہ چیز پاکیزہ ہے اسلئے پیغمبرؐ نے حلال قرار دیا ہے۔ خبیث ہے اسلئے حرام قرار دیا ہے۔

احکام شریعت بے بنیاد نہیں ہیں بنیادیں پہلے سے موجود ہیں۔ فرق صرف یہ ہے کہ تم بے خبر تھے جب نبی نے حکم دیدیا تو تمھیں اطلاع ہو گئی یہ پاکیزہ ہے وہ خبیث ہے۔

احکام پیغمبرؐ کسی چیز کی اچھائی یا برائی سمجھنے کا ذریعہ ہیں۔ احکام سے اچھائی یا برائی نہیں پیدا ہوتی ہے۔ جب حضورؐ کسی بات کا حکم دیدیں تو اس کے معنی یہ ہیں کہ اس کے اندر کوئی خوبی تھی جو ہمیں نہیں معلوم تھی۔ جب حضورؐ منع کردیں تو اس کے معنی یہ ہیں کہ اسمیں کوئی خرابی، کوئی خباثت تھی جو ہمیں نہیں معلوم تھی۔ اور نبیؐ کے حکم کے ذریعہ معلوم ہو گئی۔ یہ ایک پہلا بنیادی مسئلہ ہے۔

دوسری بات جسکی تمہید میں وضاحت ضروری ہے وہ یہ ہے کہ ہمارے یہاں دو لفظیں استعمال ہوتی ہیں جو ہم آپ برابر استعمال کرتے ہیں اور دعاؤں میں

بھی وارد ہوئی ہیں "اللھم ارزقنا رزقاً حلالاً طیباً" پروردگار ہمیں وہ روزی دے جو حلال اور طیب ہو۔ حلال اور پاکیزہ، ہم سمجھے کہ حلال اور پاکیزہ کے ایک ہی معنی ہیں حالانکہ ایسا نہیں ہے۔ حلال کے معنی الگ ہیں پاکیزہ کے معنی الگ ہیں۔ یہ پہلا مسئلہ جو میں نے عرض کیا تھا اسی سے اسکی بھی وضاحت ہو گئی اور یہ مسئلہ بھی اسی سے متعلق ہے۔ حلال ہونا الگ ایک مسئلہ ہے اور پاکیزہ ہونا الگ ایک مسئلہ ہے۔

سرکار دوعالمؐ نے فرمایا "کل شئی لک طاہر حتی تعلم انہ قذر" جب تک کسی چیز کی نجاست کے بارے میں نہ معلوم ہو یہ چیز تمھارے لیے پاک ہے۔ توجہ کرو عزیزو۔ مسائل شریعت بہت دقیق ہیں اور یہی ہماری زندگی کے مسائل ہیں۔ حضورؐ نے کیا فرمایا۔ جب تک تمھیں کسی چیز کے نجس ہونے کا علم نہ ہو جائے یہ چیز تمھارے لیے پاک ہے تمھاری لاعلمی نے اس کو پاک نہیں بنایا ہے۔ تمھاری لاعلمی کا فقط یہ اثر ہے کہ تمھارے لیے پاک ہے۔ ہم ایک راستہ سے گذر رہے تھے ہم نے ایک مقام پر کسی بچے کو پیشاب کرتے ہوئے دیکھا۔ آپ ہمارے بعد آئے آپ کو نہیں معلوم ہے کہ یہ پیشاب ہے یا پانی۔ ہمیں معلوم ہے کہ یہ بچے کا پیشاب ہے۔ آپ کی ذمہ داری الگ ہے۔ ہماری ذمہ داری الگ ہے۔ ہماری ذمہ داری ہے کہ ہم پرہیز کریں اسلئے کہ یہ پیشاب ہے۔ آپ پر پرہیز واجب نہیں ہے اسلئے کہ آپ کو نہیں معلوم ہے کہ پیشاب ہے۔ اگر پیشاب ہے تو نجس ہے اور اگر پانی ہے تو پاک ہے۔ قانون شریعت کیا ہے؟ جب تک آپ کو نہیں معلوم۔ آپ کیلئے پاک ہے۔ تو لاعلمی میں یہی چیز آپ کے لیے پاک ہے اور علم کیوجہ سے یہی چیز ہمارے لیے نجس ہے۔ تو اگر قانون نے آپ کے لیے پاک بنا دیا تو آپ پرہیز نہ کریں گے۔ مگر پرہیز نہ کرنے کی بناء پر یہ پیشاب پانی نہیں بن جائے گا۔ آپ کی لاعلمی کی بناء پر آپ کیلئے یہ پاک تو بن جائے گا لیکن آپ

کی لاعلمی کی بناء پر پیشاب پانی بن جائے یہ انقلاب نہیں پیدا ہونے والا ہے۔ پیشاب پیشاب رہے گا۔ آپ کیلئے اسلئے پاک ہے کہ آپ ناواقف ہیں اور یہ بھی یاد رکھئے گا کہ یہ قانون طہارت اور نجاست کا ہے۔ یہ قانون حلال و حرام کا نہیں ہے کہ کسی آدمی نے کہا ہم بازار میں گئے گوشت خریدنے کیلئے ہمکو نہیں معلوم کہ یہ آسٹریلیا کا ہے یا ابوظبی کا ہے۔ اب حضورؐ نے تو پہلے کہدیا ہے کہ جو چیز تم کو نہ معلوم ہو۔ نہیں۔ حضورؐ نے یہ کہا ہے کہ جو تمھیں نہ معلوم ہو وہ پاک ہے یہ نہیں کہا جو نہ معلوم ہو وہ حلال ہے۔ یہاں مسئلہ یہ نہیں ہے کہ پاک ہے کہ نجس ہے۔ یہاں مسئلہ یہ ہیکہ حلال ہے کہ حرام ہے۔ اسی لیے کہا گیا ہے کہ ذبیحہ کا مسئلہ یہ ہے کہ جب تک معلوم نہ ہو جائے اس وقت تک آپ کیلئے حرام رہے گا۔ یہ معلوم ہونا چاہئے کہ مسلمان کے ہاتھ کا ذبیحہ ہے۔ اس کے بغیر آپ کیلئے جائز نہیں ہوگا۔ ہاں جب نجس پاک کا مسئلہ ہوگا تو جب تک آپ ناواقف رہیں گے آپ کیلئے پاک رہے گا۔ جب واقف ہو جائیں گے نجس ہو جائے گا۔

یہیں سے اس مسئلہ کی حقیقت کو آپ پہچانیں کہ حلال اور طیب، جائز اور پاکیزہ ان دونوں کا فرق کیا ہے۔ ایک آدمی نے ہمارے سامنے ایک گلاس میں ایک مشروب ایک پینے والی چیز لاکے پیش کی۔ ہم نے کہا یہ کیا ہے؟ کہنے لگے شربت روح افزا۔ ہم بھی گرمی سے پریشان تھے ہم نے فوراً لیا اور پی لیا کیوں؟ اسلئے کہ ہم نہیں جانتے کہ یہ کیا ہے۔ ایک مرد مسلمان ایک مرد مومن نے پیش کیا ہے یہ کہہ کر کہ شربت روح افزا ہے اور اسلام نے ہمارے لیے جائز قرار دیا ہے۔ اس کے بعد جب ہم نے پی لیا تو انھوں نے قہقہہ لگایا۔ آپ تو بہت متقی پرہیزگار بنتے تھے۔ آپ کہتے تھے کہ ہم نے زندگی میں کبھی شراب کیطرف مڑ کے نہیں دیکھا۔ بالآخر پی گئے یا نہیں۔ میں نے کہا کیا یہ شراب ہے؟ کہنے لگے بیشک۔ خیر یہ ان کے

بھی وارد ہوئی ہیں "اللھم ارزقنا رزقاً حلالاً طیباً" پروردگار ہمیں وہ روزی دے جو حلال اور طیب ہو۔ حلال اور پاکیزہ، ہم سمجھے کہ حلال اور پاکیزہ کے ایک ہی معنی ہیں حالانکہ ایسا نہیں ہے۔ حلال کے معنی الگ ہیں پاکیزہ کے معنی الگ ہیں۔ یہ پہلا مسئلہ جو میں نے عرض کیا تھا اسی سے اسکی بھی وضاحت ہو گئی اور یہ مسئلہ بھی اسی سے متعلق ہے۔ حلال ہونا الگ ایک مسئلہ ہے اور پاکیزہ ہونا الگ ایک مسئلہ ہے۔

سرکار دوعالمؐ نے فرمایا "کل شئی لک طاہر حتی تعلم انہ قذر" جب تک کسی چیز کی نجاست کے بارے میں نہ معلوم ہو یہ چیز تمھارے لیے پاک ہے۔ توجہ کرو عزیزو۔ مسائل شریعت بہت دقیق ہیں اور یہی ہماری زندگی کے مسائل ہیں۔ حضورؐ نے کیا فرمایا۔ جب تک تمھیں کسی چیز کے نجس ہونے کا علم نہ ہو جائے یہ چیز تمھارے لیے پاک ہے تمھاری لاعلمی نے اس کو پاک نہیں بنایا ہے۔ تمھاری لاعلمی کا فقط یہ اثر ہے کہ تمھارے لیے پاک ہے۔ ہم ایک راستہ سے گذر رہے تھے ہم نے ایک مقام پر کسی بچے کو پیشاب کرتے ہوئے دیکھا۔ آپ ہمارے بعد آئے آپ کو نہیں معلوم ہے کہ یہ پیشاب ہے یا پانی۔ ہمیں معلوم ہے کہ یہ بچے کا پیشاب ہے۔ آپ کی ذمہ داری الگ ہے۔ ہماری ذمہ داری الگ ہے۔ ہماری ذمہ داری ہے کہ ہم پرہیز کریں اسلئے کہ یہ پیشاب ہے۔ آپ پر پرہیز واجب نہیں ہے اسلئے کہ آپ کو نہیں معلوم ہے کہ پیشاب ہے۔ اگر پیشاب ہے تو نجس ہے اور اگر پانی ہے تو پاک ہے۔ قانون شریعت کیا ہے؟ جب تک آپ کو نہیں معلوم۔ آپ کیلئے پاک ہے۔ تو لاعلمی میں یہی چیز آپ کے لیے پاک ہے اور علم کیوجہ سے یہی چیز ہمارے لیے نجس ہے۔ تو اگر قانون نے آپ کے لیے پاک بنا دیا تو آپ پرہیز نہ کریں گے۔ مگر پرہیز نہ کرنے کی بناء پر یہ پیشاب پانی نہیں بن جائے گا۔ آپ کی لاعلمی کی بناء پر آپ کیلئے یہ پاک تو بن جائے گا لیکن آپ

کی لاعلمی کی بناء پر پیشاب پانی بن جائے یہ انقلاب نہیں پیدا ہونے والا ہے۔ پیشاب پیشاب رہے گا۔ آپ کیلئے اسلئے پاک ہے کہ آپ ناواقف ہیں اور یہ بھی یاد رکھیئے گا کہ یہ قانون طہارت اور نجاست کا ہے۔ یہ قانون حلال و حرام کا نہیں ہے کہ کسی آدمی نے کہا ہم بازار میں گئے گوشت خریدنے کیلئے ہمکو نہیں معلوم کہ یہ آسٹریلیا کا ہے یا ابوظبی کا ہے۔ اب حضورؐ نے تو پہلے کہدیا ہے کہ جو چیز تم کو نہ معلوم ہو۔ نہیں۔ حضورؐ نے یہ کہا ہے کہ جو تمھیں نہ معلوم ہو وہ پاک ہے یہ نہیں کہا جو نہ معلوم ہو وہ حلال ہے۔ یہاں مسئلہ یہ نہیں ہے کہ پاک ہے کہ نجس ہے۔ یہاں مسئلہ یہ ہیکہ حلال ہے کہ حرام ہے۔ اسی لیے کہا گیا ہے کہ ذبیحہ کا مسئلہ یہ ہے کہ جب تک معلوم نہ ہو جائے اس وقت تک آپ کیلئے حرام رہے گا۔ یہ معلوم ہونا چاہیئے کہ مسلمان کے ہاتھ کا ذبیحہ ہے۔ اس کے بغیر آپ کیلئے جائز نہیں ہوگا۔ ہاں جب نجس پاک کا مسئلہ ہوگا تو جب تک آپ ناواقف رہیں گے آپ کیلئے پاک رہے گا۔ جب واقف ہو جائیں گے نجس ہو جائے گا۔

یہیں سے اس مسئلہ کی حقیقت کو آپ پہچانیں کہ حلال اور طیب، جائز اور پاکیزہ ان دونوں کا فرق کیا ہے۔ ایک آدمی نے ہمارے سامنے ایک گلاس میں ایک مشروب ایک پینے والی چیز لاکے پیش کی۔ ہم نے کہا یہ کیا ہے؟ کہنے لگے شربت روح افزاء۔ ہم بھی گرمی سے پریشان تھے ہم نے فوراً لیا اور پی لیا کیوں؟ اسلئے کہ ہم نہیں جانتے کہ یہ کیا ہے۔ ایک مرد مسلمان ایک مرد مومن نے پیش کیا ہے یہ کہہ کر کہ شربت روح افزا ہے اور اسلام نے ہمارے لیے جائز قرار دیا ہے۔ اس کے بعد جب ہم نے پی لیا تو انھوں نے قہقہہ لگایا۔ آپ تو بہت متقی پرہیزگار بنتے تھے۔ آپ کہتے تھے کہ ہم نے زندگی میں کبھی شراب کیطرف مڑ کے نہیں دیکھا۔ بالآخر پی گئے یا نہیں۔ میں نے کہا کیا یہ شراب ہے؟ کہنے لگے بیشک۔ خیر یہ ان کے

ایمان و اسلام کی بات تھی کہ انھوں نے مذاق کی بنیاد پر مسلمان کو شراب پلادی۔ حالانکہ یہ وہ جرم ہے جسکا جواب روز قیامت انھیں دینا ہوگا ہمیں نہیں۔ تو چونکہ ہمیں نہیں معلوم ہے کہ یہ روح افزا ہے یا شراب ہے اسلئے لاعلمی کی بناء پر اسلام نے ہمارے لیے اسکو جائز تو کردیا ہے لیکن جائز ہوجانے کی بناء پر شراب روح افزا بن جائے یہ نہیں ہوسکتا ہے۔ شراب شراب رہے گی۔ ناواقفیت کی بناء پر جائز ہوجائے گی۔ زہر زہر رہے گا ناواقفیت کی بناء پر جائز ہوجائے گا۔ اب آپ کو اندازہ ہوا کہ جائز ہوجانا الگ ہے نشہ ہونا الگ ہے۔ یہ شراب ہے۔ یہ ناپاک ہے۔ یہ خبیث چیز ہے اگر چہ ہمارے لیے جائز ہے۔ اب اسلام نے ہم سے کہا کہ دعا کرو "خدایا وہ روزی دے جو حلال بھی ہو اور طیب بھی ہو"۔ ہوسکتا ہے کہ ناواقفیت کی بناء پر حلال تو ہوجائے لیکن اگر واقعا ناپاک ہے تو زندگی میں کہیں نہ کہیں اسکا اثر ضرور ظاہر ہوگا۔ زندگی میں کہیں نہ کہیں اسکی خباثت ضرور ظاہر ہوگی۔ اگر کوئی آدمی ناواقفیت میں ساری زندگی حرام کھاتا رہے تو روز قیامت چاہے جہنم میں نہ جائے مگر اسکی زندگی میں اس حرام کے اثرات بہرحال ظاہر ہوں گے۔ اگر ان اثرات کو آپ پہچاننا چاہتے ہیں تو ایک جملہ گزارش کروں گا۔ فرزند رسولؑ نے روز عاشور فوج دشمن کے سامنے صبح سے دوپہر تک مسلسل نصیحتیں کرنے کے بعد یہ فرمایا کہ میرا فریضہ ہے اتمام حجت، میری ذمہ داری ہے حجت تمام کرنا۔ اسلئے صبح سے برابر سمجھا رہا ہوں ورنہ جانتا ہوں کہ میری بات کا تم پر اثر نہ ہوگا۔ فرزند رسولؑ اثر کیوں نہ ہوگا۔ فرمایا "قد ملئت بطونکم من الحرام" اسلئے کہ تمھارے پیٹ مال حرام سے بھرے ہوئے ہیں۔ تو جس پیٹ میں مال حرام آگیا وہ کوئی نہ کوئی اثر کرے گا۔ کم سے کم اتنا اثر ہوگا کہ نصیحتیں سنی جائیں گی اثر نہ ہوگا۔

عزیزان محترم اب بات آ گئی ہے تو اس جملہ کو بھی ذہن میں محفوظ رکھئے گا کہ مال حرام اگر شکم میں آ گیا تو اسکا پہلا اثر یہ ہوتا ہے کہ انسان کی زندگی پر نصیحتوں کا اثر نہیں ہوتا ہے۔ اگر ہمارا کوئی بزرگ، اگر ہمارا کوئی استاد، اگر ہمارا کوئی عالم، اگر ہمارا کوئی مرشد، اگر ہمارا کوئی سمجھانے والا ہادی و رہنما ہمیں کوئی نصیحت کرے اور ہم پر اسکی نصیحت کا اثر نہ ہو تو سب سے پہلے ہمیں اپنی غذا کا جائزہ لینا چاہئے ایسا تو نہیں ہے کہ یہ غذا حرام ہو اسلئے کہ غذائے حرام شکم میں آئی نہیں کہ موعظہ کا اثر گیا نہیں۔ جیسا کہ فرزند رسولؐ کا بیان ہے۔ اگرچہ امام حسینؑ نے فوج دشمن سے خطاب کر کے فرمایا تھا مگر یہ ایک قانون عام ہے کہ جس شکم میں مال حرام آجائے گا اس پر نصیحتوں کا اثر نہیں ہوگا۔ یہ ایک ایسا مسئلہ ہے جو ہر دور میں رہا ہے اور آج بھی ہے اور نہ جانے کب تک رہے گا۔ یہ بہترین ذریعہ ہے فرزند رسولؐ کے کلام کی روشنی میں اپنے حالات کا جائزہ لینے کیلئے اور اپنی زندگی کو پہچاننے کیلئے۔ اپنی غذاوں کے اثرات کو محسوس کرنے کیلئے۔ اگر موعظہ کا اثر نہ ہو تو پہچانو کہ غذا میں کوئی عیب ہے۔

توجہ کی آپ نے۔ میں یہ گذارش کر رہا تھا کہ چیز کا حلال ہونا الگ ہے۔ اسکا پاکیزہ ہونا الگ ہے۔ معصومینؑ نے کہا کہ خدا سے دعا کرو کہ خدا وہ روزی دے جو حلال بھی ہو قانون کے اعتبار سے اور پاکیزہ بھی ہو تاکہ نہ محشر میں پکڑے جائیں اور نہ دنیا میں غلط اثرات پیدا ہونے پائیں۔

بس یہ دو جملے مختصر مجھے تمہید میں گذارش کرنا تھے۔ اب آیئے ذرا قانون اسلام کا جائزہ لیں پیغمبرؐ اسلام کے ارشادات کی روشنی میں۔ پیغمبر کا کام کیا ہے؟ پاکیزہ چیزوں کو حلال قرار دینا اور خبیث، ناپاک، بری، گندی چیزوں کو حرام قرار دینا شریعت پیغمبر اتنی جامع شریعت ہے کہ حضورؐ نے کوئی طیب ایسا نہیں چھوڑا

جسکے حلال ہونے کا اعلان نہ کیا ہو اور کوئی خبیث، ناپاک، گندی شئی ایسی نہیں چھوڑی جسکے حرام ہونے کا اعلان نہ کیا ہو۔ ہم بلاوجہ نہیں کہتے ہیں کہ پیغمبرؐ کی شریعت بہت جامع، ہمہ گیر ہے۔ یہ خالی ہمارا عقیدہ نہیں ہے۔ اگر آپ کے پاس اور میرے پاس وقت ہوتا تو ایک دو دن میں نہیں شاید ایک آدھ مہینہ میں میں آپ کے سامنے سارے تفصیلات گذارش کرتا کہ سرکار دوعالمؐ نے جس چیز کو بھی حلال قرار دیا ہے اسمیں پاکیزگی پائی جاتی ہے اور جس چیز کو حرام قرار دیا ہے اسمیں کوئی نہ کوئی خباثت اور گندگی ضرور پائی جاتی ہے۔ اور یہ مسئلہ ایسا ہے کہ جو دنیا کی ہر شئی میں مشترک طور پر پایا جاتا ہے کہ جسکو بھی آپ دیکھیں گے اسمیں کوئی قسم طیب دکھائی دے گی۔ کوئی قسم خبیث دکھائی دے گی۔ ابھی میں تفصیلات گذارش کروں گا۔ جہاں بھی آپ جائیں گے وہاں دو طرح کی مخلوقات دکھائی دے گی۔ یہ پاکیزہ و خبیث یہ طیب و گندہ ہر جگہ ہے۔ حد یہ ہے کہ اللہ نے ایک آدم کو دو بیٹے دیئے ایک ہابیل اور ایک قابیل تو وہاں بھی دو پیدا ہو گئے ایک پاکیزہ نفس اور ایک خبیث النفس۔ تو ہماری تاریخ بشریت میں بھی ایسا ہی ہوتا رہا ہے کہ دو طرح کے انسان روز اول سے نظر آرہے ہیں۔ کوئی طیب، کوئی خبیث۔ کوئی پاکیزہ کوئی ناپاک اس کے بعد ساری مخلوقات کو اگر آپ دیکھیں گے تو آپ کو اندازہ ہوگا کہ قانون پیغمبرؐ میں دو طرح کی چیزیں پائی جاتی ہیں جن کا نام رکھا گیا ہے حلال و حرام اسلئے کہ اگر چیزیں دو حصّوں پر تقسیم نہ ہوتیں تو قانون دو طرح کے نہ ہوتے۔ اگر چیزیں طیب اور خبیث دونوں طرح کی نہ ہوتیں تو قانون اسلام میں یا حلال ہی حلال ہوتا یا حرام ہی حرام ہوتا مگر چیزیں دو طرح کی ہیں لہٰذا پیغمبرؐ بھی بعض کو حلال قرار دیتا ہے جو پاکیزہ ہیں۔ اور بعض کو حرام قرار دیتا ہے جو خبیث، گندی اور ناپاک ہیں۔

آیئے سلسلہ سے حساب کریں۔

پہلا مرحلہ جمادات کا ہے۔ یہی زمین۔ یہی خاک، یہی پتھر، ان میں بھی بعض وہ ہیں جو حلال ہیں اور بعض وہ ہیں جو حرام ہیں۔ خبیث کے معنی یہ نہیں ہیں کہ آپ دیکھیں تو گندہ دکھائی دے۔ نہیں۔ ہو سکتا ہے کسی میں خباثت پائی جاتی ہو دیکھنے میں وہ ہم سے آپ سے اچھا دکھائی دے۔ آپ بُرا نہ مانئے گا یہ آپ سے متعلق بھی نہیں ہے آپ بُرا کیا مانیں گے۔ یہ ہمارے ملک کی بات ہے۔ ہمارے یہاں ایک مثل مشہور ہے کہ اگر آپ کو چائے پینا ہو اور یہ نہ معلوم ہو کہ یہ ہوٹل مسلمان کا ہے یا غیر مسلم کا ہے تو ہوٹل کے سامنے دو منٹ جا کے کھڑے ہو جایئے۔ اگر وہاں آپ کو صفائی دکھائی دے۔ برتن صاف، پیالیاں صاف، تشتریاں صاف، تو سمجھئے کہ اُدھر والے کا ہے۔ اور اگر یہاں مکھیاں، وہاں کثافت، یہاں گندگی۔ تو سمجھ جایئے کہ کسی نہ کسی اللہ والے کا ہے۔ غور کیا آپ نے یہ ایک عام جائزہ ہے۔ ہر جگہ ضروری نہیں ہے کہ ساری باتیں قانون کلی کے طور پر مان لی جائیں لیکن ایک عام طریقہ کار یہ ہے۔ مگر اس کے بعد بھی وہ جسکو ہم دیکھ رہے ہیں کہ برتن صاف، پیالیاں صاف، کپڑے صاف، ہر طرح کی صفائی اسلام اسی کو خبیث کہتا ہے۔ میں وجہ بعد میں گذارش کروں گا کہ کیوں کہتا ہے۔ مگر اسلام اسی کو خبیث کہتا ہے۔ وہ جہاں مکھیاں اُڑتی ہوئی دکھائی دے رہی ہیں اسی کو حلال قرار دیتا ہے اسلئے کہ اس کے اسلام کے اندر جو پاکیزگی پائی جاتی ہے وہ پاکیزگی اِس کے کفر میں نہیں پائی جاتی ہے۔ مسلمان کا ہاتھ کثیف ہو جانے کے بعد بھی، گندہ ہو جانے کے بعد بھی اتنا پاکیزہ ہوتا ہے کہ کفر کا ہاتھ صابن سے دھونے کے بعد بھی اتنا پاکیزہ نہیں ہو سکتا ہے۔

ہم جسکو کثافت، گندگی یا صفائی کہتے ہیں یہ الگ ایک بات ہے اور واقعاً جسکا

نام پاکیزگی اور خباثت ہے یہ الگ ایک دنیا ہے۔ یہ قانون پیغمبرؐ سے اندازہ ہوگا۔

تو یہ ہے پہلا مرحلہ۔ مٹی کی بعض قسموں کو حلال قرار دیا گیا ہے اور بعض قسموں کو حرام قرار دیا گیا ہے۔ عام قانون اسلام کا یہی ہے کہ مٹی کا کھانا کسی کیلئے جائز نہیں ہے مگر بعض قسمیں ایسی بھی ہیں کہ جن کو جائز قرار دیا گیا ہے۔ اس کے معنی یہ ہیں کہ ان میں کچھ اثرات الگ ہیں اُن کے اثرات الگ ہیں۔ جب مٹی سے آگے بڑھے نباتات تک آئے۔ زمین سے اُگنے والی چیزیں تو وہاں بھی دو قسمیں ملیں گی۔ جو زہریلی گھاس ہے اسلام نے اسے حرام کردیا ہے۔ اور جسمیں زہر نہیں پایا جاتا ہے اسلام نے اسے حلال قرار دیدیا ہے۔ یہ الگ ایک قسم ہے وہ الگ ایک قسم ہے۔ نباتات سے آگے بڑھے حیوانات تک آئے۔ حیوانات بھی دو حصوں میں تقسیم ہوگئے۔ بعض حیوانات ہیں جن کو حرام بنایا گیا ہے۔ بعض حیوانات ہیں جن کو حلال قرار دیا گیا ہے اور حیوانات بھی تین طرح کے ہیں۔ فضا میں اُڑنے والے جانور الگ، خشکی میں زمین پر چلنے والے جانور الگ، دریا اور پانی میں رہنے والے جانور الگ، تو جانور تین طرح کے ہوگئے۔ فضا والے، زمین والے، پانی والے، تینوں قسم کے جانور دو طرح کے ہیں۔ دریا میں رہنے والی مچھلیاں بعض حلال بعض حرام۔ انہی میں طیب بھی ہیں ان ہی میں خبیث بھی ہیں۔ ان ہی مچھلیوں میں بعض قسموں کو جائز رکھا گیا ہے اور بعض کو حرام کردیا گیا ہے۔ ہم اسکی وجہ جانیں یا نہ جانیں لیکن ہمیں یہ معلوم ہے کہ ان میں بعض طیب ہیں اور بعض خبیث ہیں۔ زمین پر چلنے والے جانور دو طرح کے ہیں۔ بعض کو حلال کیا گیا ہے بعض کو حرام۔ گائے کو جائز کردیا گیا ہے۔ بکری بھیڑ کو جائز کردیا گیا ہے۔ اونٹ کو جائز کردیا گیا ہے۔ کتے کو حرام کردیا گیا ہے۔ سور کو حرام

کردیا گیا ہے۔ جو جانور پرانے انسانوں سے مسخ شدہ جانور ہیں جب عذاب الٰہی نازل ہوا پرانی قوموں پر تو انھیں خدا نے مسخ کردیا جانوروں کی شکل میں۔ انھیں اسلام نے حرام قرار دیدیا۔ اس کے معنی یہ ہیں کہ ان میں کچھ طیب ہیں کچھ خبیث ہیں۔ جن کو حلال بنایا گیا وہ پاکیزہ تھے اور جن کو حرام قرار دیا گیا وہ خبیث تھے۔ یہ دو قسمیں ہو گئیں اب آیئے فضا میں اُڑنے والے جانوروں کو بھی دو حصوں میں تقسیم کردیں۔

بعض جانور وہ ہیں جن کے اُڑنے کا انداز بتاتا ہے کہ یہ طیب ہیں۔ اب مسائل آپ جا کے کتابوں میں پڑھیں گے میں انھیں نہیں گذارش کروں گا بعض جانوروں کے اُڑنے کا انداز بتارہا ہے کہ یہ طیب ہیں لہٰذا حلال ہیں۔ بعض کے اُڑنے کا انداز بتارہا ہے کہ یہ حرام ہیں یہ خبیث ہیں ان میں وہ پاکیزگی نہیں پائی جاتی ہے جو حلال میں پائی جاتی ہے۔ تو دریا کی مچھلیاں بھی دو طرح کی، زمین پر چلنے والے جانور بھی دو طرح کے، فضا میں اُڑنے والے طیور بھی دو طرح کے، بعض حلال اور بعض حرام یعنی بعض طیب اور بعض خبیث یہ تو ایک عام تقسیم ہو گئی۔ اب خود جانور کے اندر جتنے اعضا پائے جاتے ہیں اگر آپ کی نگاہ میں سارے مسائل ہیں تو آپ کو زیادہ لطف آئے گا لیکن بہرحال مسائل اگر نگاہ میں آجائیں گے تو آئندہ جب کبھی آپ سنیں گے یا سوچیں گے تو آپ کو اپنی شریعت کا لطف آئے گا۔ خود جانور کے اندر جتنے اعضاء پائے جاتے ہیں سر سے پیر تک ان میں چودہ چیزیں وہ ہیں جن کو اسلام نے حرام بنادیا ہے۔ جانور تو ایک جانور تھا اسی جانور کے جسم کے ٹکڑے ہیں مگر چودہ ٹکڑے وہ ہیں جن کو حرام بنادیا گیا ہے یا بعض روایات میں پندرہ اور باقی جتنے اجزاء ہیں ان کو حلال بنادیا گیا ہے۔ یہ گوشت جائز یہاں کا گوشت جائز وہاں کا گوشت ناجائز یہ مغز جائز وہ جگہ جائز یہ

جگہ ناجائز وہ جگہ حرام یہ جز ناجائز وہ عضو حرام اس کے معنی کیا ہوئے کہ جانور ایک جانور تھا مگر اسی جانور کے اندر کچھ حصہ طیّب ہے کچھ خبیث۔ عزیزو! اگر آپ کے ذہن آخر تک میرے ساتھ نہ چلے تو جہاں میں آپ کو لے جا رہا ہوں میری محنت ضایع ہو جائے گی۔ متوجہ رہیں گے۔ اسی ایک جانور کے اندر ایک حصہ طیبات کا ہے ایک حصہ خبائث کا ہے جو طیبات کا حصہ ہے اسے حلال بنا دیا جو خبیث حصے ہیں انھیں حرام بنا دیا۔

تو یہی بات ہم نے دیکھی جمادات میں۔ یہی بات ہم نے دیکھی نباتات میں۔ درختوں میں گھاس پھوس میں۔ یہی بات دیکھی ہم نے جانوروں میں۔ یہی بات دیکھی دریائی جانوروں میں۔ یہی بات دیکھی خشکی کے جانوروں میں۔ یہی بات دیکھی فضا میں اُڑنے والے جانوروں میں۔ یہی بات دیکھی پورے جانور میں۔ اور یہی بات دیکھی جانور کے اندر۔

اس ساری تقسیم سے آپ کو اندازہ ہو گیا ہو گا کہ نبیؐ کا کام کیا ہے جو طیب ہے اسے حلال کرے۔ جو خبیث ہے اسکو حرام کرے۔ اب میں ایک بات کہنا چاہتا ہوں اسے آپ نوٹ کریں دنیا کے کسی بھی لیڈر کو دیکھیں جو علم حیوانات کے جاننے والے ہیں وہ جانوروں کی خصوصیات تو جانتے ہیں درختوں کے بارے میں کچھ نہیں جانتے۔ جو علم نباتات کے ماہرین ہیں وہ درختوں کے بارے میں خوب جانتے ہیں جانوروں کے بارے میں کچھ نہیں جانتے۔ جو پتھروں کے پہچاننے والے ہیں وہ جواہرات کو خوب جانتے ہیں گھاس کو نہیں جانتے ہیں۔ حد یہ ہے کہ جو قصاب صبح سے شام تک جانور کاٹتے رہتے ہیں انھیں نہیں معلوم ہے کہ اس حصہ کا اثر کیا ہے۔ اُس حصہ کا اثر کیا ہے۔ جو دریاوں میں کام کرنے کے اتھارٹی ہیں وہ مچھلیوں کے بارے میں خوب جانتے ہیں مگر زمین پر چلنے والے جانوروں

کے بارے میں کچھ نہیں جانتے ہیں۔ Fisheries کا محکمہ الگ ہے یہ جانوروں کے ماہر ہیں مگر کون سے جانور جو دریائی ہیں یہ خشکی والے جانور کے بارے میں کچھ نہیں جانتے ہیں۔ حضور حد ہو گئی ہمکو عالم کہا جاتا ہے ہم ان میں سے کسی کے بارے میں کچھ نہیں جانتے ہیں۔ آپ کی شان میں گستاخی نہیں کروں گا میں اپنے بارے میں کہتا ہوں۔ ہمکو تو عالم دین کہا جاتا ہے۔ ہم ان میں سے کسی کے بارے میں کچھ نہیں جانتے نہ مچھلیوں کے خصوصیات جانتے ہیں نہ پرندوں کے خصوصیات جانتے ہیں۔ نہ زمین پر چلنے والوں کے خصوصیات جانتے ہیں۔ نہ جسموں کے اندر کے خصوصیات جانتے ہیں۔ نہ درختوں کے خصوصیات جانتے ہیں نہ پتھروں اور زمینوں کے اثرات جانتے ہیں۔ ہم خالی احکام جانتے ہیں باقی کچھ نہیں جانتے ہیں۔ حالانکہ ہم اس دور میں پیدا ہوئے ہیں جب پتھروں پر کتابیں آ چکی ہیں۔ ہم اس دور میں پیدا ہوئے ہیں جب طبقات الارض پر ریسرچ ہو چکی ہے۔ لٹریچر آ چکا ہے جب مچھلیوں کے بارے میں لٹریچر چھپ چکا ہے جب جانوروں کے بارے میں کتابیں آ چکی ہیں۔ پرندوں کے بارے میں کتابیں لکھی جا چکی ہیں اور ہم پڑھے لکھے ہیں سب لکھا موجود ہے اور ہم پڑھے لکھے ہیں۔ اس کے بعد بھی نہ اس کے بارے میں کچھ جانتے ہیں نہ اس کے بارے میں۔ مجھے حیرت ہوتی ہے چودہ سو برس پہلے جب نہ جمادات پر کوئی کتاب لکھی گئی تھی نہ نباتات کے بارے میں ریسرچ ہوئی تھی نہ جانوروں کے بارے میں تحقیق ہوئی تھی نہ پرندوں کے بارے میں ریسرچ ہوئی تھی۔ جب کوئی لٹریچر نہ تھا اور اگر لٹریچر چھپ بھی گیا ہوتا تو [illegible] دار تھا وہ اُمّی۔ نہ کتاب پڑھتا تھا نہ مدرسہ میں جاتا تھا آخر یہ کیسے سمجھا کر اتنی مخلوقات [illegible] کتنے ہیں اور [illegible]۔

ہم ابھی فقط اسی بحث میں الجھے ہوئے ہیں کہ حضورؐ علم غیب رکھتے تھے یا

نہیں۔ حضورؐ غیب کی باتیں جانتے تھے یا نہیں۔ ارے غیب کی باتیں چھوڑ یئے جتنا جانتے تھے پہلے اسکا حساب لگا یئے۔ وہ جو غیب ہے وہ غیب ہے۔ یہ جو حاضر ہے اس کے بارے میں سوچئے۔ جب حضورؐ نے مچھلیوں کے بارے میں کہ کہ یہ مچھلی حلال ہے وہ مچھلی حرام تو اس کے معنی یہ ہیں کہ مچھلیوں کی قسمیں جانتے ہیں۔ اگر جانتے نہ ہوتے تو کیوں یہ کہا کہ یہ حلال ہے وہ حرام۔ اور خالی یہ حلال وہ حرام نہیں کہا۔ "اسلئے کہ ہمارا وہ مذہب نہیں ہے کہ کہدیا تو کہدیا"۔ ہمارا مذہب یہ ہے کہ طیب ہے لہٰذا کہا حلال۔ خبیث ہے لہٰذا کہا حرام تو پہلے جانتے تھے کہ یہ طیب ہے یہ خبیث ہے اسلئے کہا کہ یہ حلال ہے وہ حرام۔

وہ چرندوں کے بارے میں جانتے تھے کہ وہ پرندوں کے بارے میں جانتے تھے وہ جسم کے اندر کے اجزاء کے بارے میں جانتے تھے۔ وہ سارے خصوصیات کے بارے میں جانتے تھے۔ اتنا ہی بڑا کوئی عالم پیدا ہو جائے علم غیب ہو یا نہ ہو۔ علم غیب تو بعد میں طے ہوگا جتنی مخلوقات ہمارے سامنے ہیں۔ دنیا میں کوئی ایک آدمی ڈھونڈھ کے لاؤ جو اس ساری مخلوقات کے بارے میں جانتا ہو۔ اب تو شعبے اتنے تقسیم ہو گئے ہیں کہ ہم سمجھے کہ شعبوں کی تقسیم سے تحقیق زیادہ ہو گئی اور ہوئی بھی مگر جہالت بھی آشکار ہو گئی۔ کل ایک حکیم صاحب تھے جو سر سے پیر تک علاج کیا کرتے تھے۔ حکیم صاحب سر میں درد ہے انھوں نے کہا یہ دوا۔ حضور سینہ میں درد ہے کہا یہ دوا۔ حضور پیروں میں درد ہے کہا یہ دوا۔ دل میں درد ہے کہا یہ دوا۔ جگر میں درد ہے کہا یہ دوا۔ آنکھوں میں درد ہے کہا یہ دوا۔ کان میں درد ہے یہ دوا۔ ایک آدمی سر سے پیر تک کا علاج کرتا تھا۔ اب دنیا تحقیق کر کے آگے بڑھ گئی۔ ان کے پاس گئے سر میں درد ہو رہا ہے۔ کہا ہم تو کانوں کے ڈاکٹر ہیں۔ جب انشاء اللہ کبھی کانوں میں تکلیف ہو تو تشریف لائیے گا فقیر کو بھول نہ جائیے گا۔

جب کان میں تکلیف ہوئی ان کے پاس گئے انھوں نے فوراً دوا بتا دی۔ تھوڑی دیر کے بعد جب پلٹ کے آئے ہم نے کہا اب دل میں درد ہو رہا ہے کہا، کہیں اور جائیے تحقیقات کے بڑھنے کا ماحصل کیا ہوا۔ ترقی کرنے کا ماحصل کیا ہوا۔ جتنی ترقی آگے بڑھتی رہی اتنی ہی جہالت واضح ہوتی رہی۔ اتنا ہی انسان کو احساس پیدا ہوتا رہا کہ ہم کان کے بارے میں جانتے ہیں۔ آنکھ کے بارے میں نہیں جانتے ہیں۔ آنکھ کے بارے میں جانتے ہیں دل کے بارے میں نہیں جانتے ہیں۔ ایک آدمی، آدمی کے بارے میں جاننے والا نہ پیدا ہوا۔ غور فرما رہے ہیں آپ آج کی تحقیقی دنیا میں ایک آدمی کوئی ڈھونڈھ کے لائیے جو ویسا ہی کان کا علاج کر سکے جیسا آنکھ کا کرتا ہے۔ ویسے ہی آنکھ کا علاج کر سکے جیسے کہ دل کا کرتا ہے ویسے ہی دل کا علاج کرے جیسے جگر کا علاج کرتا ہے۔ ویسے ہی سارے جسم کا علاج کرے جیسے کسی ایک حصّہ کا علاج کرتا ہے۔ اب نہیں پیدا ہوگا۔ کیوں اسلئے کہ اب معلوم ہو گیا کہ یہ دنیا اتنی وسیع ہے کہ چھوٹا سا انسان اتنا بڑا عالم اکبر ہے کہ ایک آدمی کا علم اس پورے انسان کے وجود کا احاطہ نہیں کر سکتا ہے۔ جب سامنے بیٹھے ہوئے انسان کو سمجھنے سے دنیا عاجز ہو گئی۔ اتنی بڑی تحقیقی دنیا ایک انسان کو پہچاننے سے عاجز ہو گئی تو ہمیں سوچنا پڑا کہ اس صحرا میں رہنے والا، اس بدوں ماحول میں رہنے والا، اس غیر ترقی یافتہ دنیا میں رہنے والا ایک انسان اپنے گھر میں بیٹھ کے بغیر اسکول، مدرسہ، کالج، یونیورسٹی دیکھے ہوئے اتنا بڑا صاحب کمال کیسے ہو گیا کہ ساری دنیا کے حالات سے باخبر بھی ہے اور جب معالجہ کی منزل میں آجائے تو وہ سر کا مریض آئے یا دل کا مریض آئے جسم کا مریض آئے یا روح کا مریض آئے دنیا کا بیمار آئے یا آخرت کا بیمار آئے۔ جو بھی آجائے گا اسکا علاج بہرحال کر دے گا ایک نسخہ پیش کر دیا ہے "و ننزل من القرآن ما ھو شفاء و رحمۃ للمومنین"۔

سرکار دو عالمؐ کا حلال قرار دینا یہ علامت ہے کہ یہ شئی طیب اور پاکیزہ ہے اور حضورؐ کا حرام کہدینا یہ علامت ہے کہ یہ شئی خبیث ہے، ناپاک ہے اسمیں کیا خباثت پائی جاتی ہے یہ فی الحال موضوع نہیں ہے۔

اب ایک آخری بات اس مسئلہ کی وضاحت کیلئے اس کے بعد وہ نتیجہ عرض کروں گا جسکے لیے اتنی دیر تمہید کی زحمت دی ہے۔ اگرچہ یہ زحمت نہیں ہے اسلئے کہ اس سے انشاءاللہ میرے بچوں کی معلومات میں بہت اضافہ ہوگا اور وہ اپنے قانون کو، اپنی شریعت کو اپنے مذہب کو پہچانیں گے۔

اسلام نے جب کسی چیز کو حرام قرار دیا تو اسکی کم سے کم تین بنیادیں تھیں۔ کبھی حرام کیا اسلئے کہ اسکا نقصان جسمانی ہے۔ جسم کیلئے نقصان دہ ہے۔ اسلام نے کہا زہر حرام ہے تو اسلام کو زہر سے کوئی دشمنی نہیں ہے اسلام کو زہر کے ذائقہ سے کوئی دشمنی نہیں ہے اسلام کو زہر کے رنگ سے کوئی دشمنی نہیں ہے۔ اسلام زہر کا اسلئے دشمن ہے کہ زہر زندگی کا دشمن ہے۔ نہیں اتنی آسانی سے نہیں۔ جو لفظ کہہ رہا ہوں اس کے معنی کو پہچانیں۔ میں نے کیا کہا اسلام زہر کا اسلئے دشمن ہے کہ زہر زندگی کا دشمن ہے۔ اسلام کے مزاج کو یاد رکھئے گا کہ جو زندگی کا سہارا دینے والا ہوتا ہے اسلام اسے پسند کرتا ہے اور جو زندگی برباد کرنے والا ہوتا ہے اسلام اسکا دشمن ہوتا ہے۔ وہ کسی کے رنگ و روغن کو نہیں دیکھتا۔ وہ اس کے اثرات کو دیکھتا ہے۔ اثرات میں حیات شامل ہو تو اسلام کی نگاہ میں محبوب ہے اور اثرات میں ہلاکت شامل ہو تو اسلام کی نگاہ میں حرام، مکروہ، ناجائز اور قابل نفرت ہے۔ اب آپ نے محسوس کیا کہ ایک وہ زہر کا ٹکڑا جو ایک انسان کو ہلاک کردے ایک انسان کو برباد کردے اسلام اسے برداشت نہیں کرسکتا ہے۔ اسلام اس زہر کے ٹکڑے کا دشمن ہے۔ کیوں؟ اسلئے کہ یہ انسان کی

زندگی کا دشمن ہے۔ تو جب ایک انسان کو ہلاک کر دینے والے زہر کو اسلام اسلئے برداشت نہیں کرتا کہ یہ ایک انسان کا ہلاک کرنے والا ہے تو اسلام انھیں کیسے برداشت کرے گا جو قوموں کو ہلاک کرنے والے ہیں، جو اُمتوں کو ہلاک کرنے والے ہیں، جو عالم انسانیت کو ہلاک کرنے والے ہیں۔ اگر اسلام اس ٹکڑے کو برداشت نہیں کر سکتا ہے تو ایسے انسان کو بھی اسلام برداشت نہیں کر سکتا ہے۔

تو اسلام نے زہر کو اسلئے حرام قرار دیا کہ اسکا نقصان جسم کیلئے ہے۔ اور کچھ چیزوں کو اسلئے حرام قرار دیا کہ ان کا نقصان جسم کیلئے نہیں ہے ان کا نقصان روح کیلئے ہے۔ عقل کیلئے ہے۔ جیسے شراب کہ شراب پی کر گر گئے ہوش و حواس کھو بیٹھے۔ شراب عقل کی دشمن ہے لہٰذا اسلام شراب کا دشمن ہے۔ ہر چیز کی بنیاد اپنی جگہ پر ہے۔ زندگی کا دشمن تھا زہر۔ اسلام زہر کا دشمن ہو گیا۔ عقل کی دشمن ہے شراب۔ اسلام شراب کا دشمن ہے۔ اسلام نے قتل کو کیوں حرام کیا۔ اسلئے کہ قتل زندگی کا دشمن ہے۔ کہا اگر قتل کو زندگی پسند نہیں ہے تو ہمیں قتل پسند نہیں ہے۔ وجہیں سمجھ رہے ہیں آپ۔ اسلام نے بدکاری کو کیوں حرام قرار دیا اسلئے کہ بدکاری عزت کی دشمن ہے۔ میں زیادہ وضاحت نہیں کروں گا آپ اہل نظر ہیں خود پہچانیں ہمارے یہاں محاورہ ہے اگر نعوذ باللہ کوئی آدمی بدکاری کرے تو کہتے ہیں فلاں نے فلاں کی عزت لوٹ لی۔ تو اس کے معنی یہ ہیں کہ بدکاری ایک ایسا عمل ہے جو انسان کی عزت کا دشمن ہے۔ اسلام نے اسے حرام بنا دیا۔ کیوں؟ اسلئے کہ تم سے لوگوں کی عزت برداشت نہیں ہے تو ہم سے تم برداشت نہیں ہو۔ اسلام کا کوئی قانون بلاوجہ نہیں ہے۔ تو جس سے زندگی برداشت نہیں ہے وہ اسلام کو برداشت نہیں ہے۔ جسکو عزت برداشت نہیں ہے وہ اسلام کو برداشت نہیں ہے۔ جسکو عقل برداشت نہیں ہے وہ اسلام کو برداشت نہیں ہے۔ اسلام نے

قانون بنا دیا کہ جو زندگی کا دشمن ہوگا جو عقل کا دشمن ہوگا جو عزتوں کا دشمن ہوگا اسے ہم برداشت نہ کریں گے۔

اسلام نے کفر کو کیوں حرام قرار دیا۔ اسلئے کہ کفر مذہب کا دشمن ہے، دین کا دشمن ہے۔ شرک خدائی کا دشمن ہے تو اگر یہ خدائی کا دشمن ہے تو ہم اس کے دشمن ہیں۔ ہم اسے خباثت قرار دیں گے ہم اسے برداشت نہیں کریں گے تو اسلام کا ایک قانون ہے جسکی ایک بنیاد ہے مادی اور ایک بنیاد ہے معنوی و روحانی، کچھ چیزوں کو اسلام نے حرام قرار دیا ہے تو شاید اسکا مادی یا روحانی اثر نہ دکھائی دے لیکن اس کے سیاسی اثرات ہیں۔ مثال کے طور پر اسلام نے ۹ ہجری میں سورہ برائت کے ذریعہ یہ اعلان کر دیا کہ مشرکین مسجد الحرام کے علاقہ میں داخل نہ ہونے پائیں۔ اگر چہ علماء نے اس سے یہ بھی دلیل قائم کی ہے کہ مشرکین نجس ہیں کہ ان کا ہاتھ لگ گیا تو بدن نجس ہو جائے گا۔ اور کوئی چیز چھو گئی تو وہ چیز نجس ہو جائے گی لیکن یہ الگ مسئلہ ہے ان کا داخلہ مسجد الحرام میں اس لیے حرام قرار دیا گیا ہے کہ اسکی ایک بنیاد سیاسی بھی ہے۔ اسلام یہ چاہتا تھا کہ مسلمانوں کے پاس کوئی ایسی جگہ بھی ہو کہ جہاں مسلمان آپس میں بیٹھ کر اپنے پرائیویٹ مسائل طے کر سکیں۔ دیکھئے آج ہماری مجبوری کیا ہے۔ ہمارے جتنے اجتماعات ہوتے ہیں ہم کسی اجتماع میں کسی کافر کو روک نہیں سکتے ہیں۔ ہم کسی اجتماع میں کسی مشرک کو روک نہیں سکتے ہیں ہم کسی اجتماع میں کسی یہودی، عیسائی کو منع نہیں کر سکتے ہیں۔ یعنی کہیں بیٹھ کر اپنی بات نہیں کر سکتے ہیں۔ اُتنا ہی کہہ سکتے ہیں جو اُن کو سنانا چاہتے ہیں۔ اپنا جو راز نہیں بتانا چاہتے ہیں اپنے جو مسائل نہیں بتانا چاہتے ہیں ان کے لیے کوئی ایک پرائیویٹ جگہ چاہیئے ہر انسان کی زندگی میں کھلے مسائل بھی ہوتے ہیں اور پرائیویٹ مسائل بھی ہوتے ہیں تو دو

طرح کی جگہیں چاہئیں کھلے مسائل کیلئے الگ میدان چاہئے۔ پرائیویٹ مسائل کیلئے الگ میدان چاہئے۔ اسلام نے ایک عام قانون بنا دیا کہ کافر کا داخلہ مسجد الحرام میں حرام ہے۔ ہماری اصل مسجد تو وہ تھی جو ابراہیمؑ اور اسمٰعیلؑ نے بنائی تھی۔ اس کے بعد جہاں جہاں ہمارے نام پر گھر بنتے رہے ہم نے سب کا نام مسجد رکھدیا۔ یہ مسجد جو آپ کے سامنے ہے یہ نہ جناب ابراہیمؑ نے بنائی ہے نہ جناب اسمٰعیل نے۔ اللہ کا گھر تو وہ تھا جو ذبیح و خلیل بنا رہے تھے۔ مگر اسکا نام کیا ہے اسکا نام خانہ خدا ہے یا نہیں۔ اسکا نام رکھا گیا "اللہ کا گھر"۔ اللہ نے کہا تم نے ہمارے نام پر بنایا۔ چلو یہ بھی ہمارا گھر ہے۔ تو اصلی اللہ کا گھر تھا خانہ کعبہ۔ اب جتنے گھر نام خدا پر بنتے رہے سب کو خدا نے اپنا گھر بنا لیا۔ اور اتنا پاکیزہ بنا دیا کہ جن کا داخلہ کل وہاں حرام تھا ان کا داخلہ یہاں بھی حرام ہو گیا اسلئے کہ مسلمانوں کے سارے مسائل ۹ ہجری کے تو نہیں ہیں۔ مسلمانوں کے مسائل تو قیامت تک پیدا ہوتے رہیں گے۔ مسلمانوں کے پاس کوئی جگہ ایسی چاہئے کہ جہاں مسلمان اطمینان سے بیٹھ کے اپنے سیاسی مسائل طے کر سکیں۔ یہی وہ خانہ خدا ہوتا ہے جہاں کافر کا داخلہ ممنوع ہوتا ہے تو اس حرام کے پیچھے ایک سیاسی مصلحت کام کر رہی ہے کہ یہ مسلمانوں کی اپنی جگہ ہے جہاں غیر آنے نہ پائے اگر آپ کے اوپر یہ بات واضح نہیں ہوئی ہے تو میں ایک لفظ اور کہنا چاہتا ہوں شاید بات واضح ہو جائے جب تک اسلام کے اس قانون پر عمل ہوتا رہا مسلمان زحمتوں سے بچے رہے۔ جب تک کافروں کا داخلہ مسجد میں بند رہا مسلمان ہر زحمت سے بچے رہے اسلئے کہ جو مسجد میں آ نہیں سکتا وہ قبضہ بھی نہیں کر سکتا۔ لیکن جب مسلمانوں کی دنیا میں مروتوں کا دخل شروع ہوا قانون پیچھے ہٹا مروّت آگے آئی قانون پیچھے ہٹا

تعلقات آگے آئے۔ تو نتیجہ یہ ہوا کہ جس کے قریب سے یہودی نہ گزر سکتے تھے اب اس کے قریب سے مسلمان نہیں گزر سکتا۔ یہ قانون خدا کو چھوڑنے کا انجام تھا اور یہ تجربہ کل ہم نے کیا کہ اگر مسلمانوں نے ان کے داخلہ کو جائز نہ کیا ہوتا تو آج بابری مسجد کی شہادت کا یہ منظر دیکھنے میں نہ آتا۔ جب مسلمانوں نے قانون اسلام کو ٹھکرا دیا تو کوئی نہ کوئی بلا بہرحال سامنے آئی اور بلائیں دلیل بنیں کہ اسلام کا کوئی قانون بے مصلحت نہیں تھا۔

بس عزیزان محترم ایک جملہ آپ اور سن لیں اس کے بعد میں اتنی دیر کی تقریر کا نتیجہ اور خلاصہ آپ کے سامنے گذارش کروں گا اس وقت آپ کو اندازہ ہوگا کہ اتنی دیر میں نے آپ کو بلا سبب زحمت نہیں دی ہے اور میں آپ کے ذہن کو کہاں لے جانا چاہتا تھا تاکہ وہ لوگ جو قانون اسلام جاننے والے ہیں۔ پڑھنے والے ہیں۔ وہ قانون اسلام ہی سے مذہب کے حقائق کو پہچانیں۔ الگ سے ہمیں کچھ سمجھانے کی ضرورت نہیں ہے۔ جتنی باتیں میں نے گذارش کیں۔ ان میں ایک لفظ کا اور اضافہ کرلیں۔ اسلام جس کی قربت کو برداشت کرتا تھا اسے حرام نہیں کیا اور جس سے مسلمان کو الگ رکھنا چاہتا تھا اسکو حرام کر دیا۔ اسلام نے ہم سے کہا فلاں چیز حرام ہے اس کے معنی یہ ہیں کہ ہم چاہتے ہیں تم الگ رہو یہ الگ رہے۔ چوری مسلمانو تمھارے لیے حرام ہے۔ ہم تم کو چوری سے دور رکھنا چاہتے ہیں۔ زنا تمھارے لیے حرام ہے ہم تم کو بدکاری سے الگ رکھنا چاہتے ہیں۔ غصب کرنا تمھارے لیے حرام ہے۔ ہم تم کو اس سے الگ رکھنا چاہتے ہیں۔ فلاں گوشت تمھارے لیے حرام ہے ہم اس سے تم کو الگ رکھنا چاہتے ہیں۔ فلاں مچھلی تمھارے لیے حرام ہے ہم تم کو اس سے الگ رکھنا چاہتے ہیں۔ اب تو آپ سمجھ گئے کہ حرام کرنے کے معنی کیا ہیں۔ جسکی قربت گوارا نہیں ہے۔ نہیں۔ پھر ایک لفظ کہوں گا

تاکہ آپ اسکو محسوس کریں تو بعد میں نتیجہ آپ کے سامنے گزارش کروں۔ جسکو اسلام مسلمان سے الگ رکھنا چاہتا ہے اسے حرام کردیا جسکی قربت گوارا ہے اسے حلال کردیا۔ بکری کا گوشت حلال ہے۔ ہاتھ میں رہے تو حلال ہے۔ منہ میں رہے تو حلال ہے۔ شکم میں رہے تو حلال ہے اسلام نہیں روکتا ہے۔ اتنا قریب ہوجائے کہ آپ کے شکم کو اسکا ظرف بنا دیا جائے۔ ہمیں کوئی اعتراض نہیں ہے۔ ہم اسکی قربت کو گوارا کرتے ہیں ہم نے نکاح کیوں رکھا ہے اسلئے کہ ہم تم کو عورت سے الگ نہیں رکھنا چاہتے ہیں۔ ہم تم کو بدکاری سے الگ رکھنا چاہتے ہیں۔ ورنہ اگر عورت سے مرد کو الگ رکھنا چاہتے تو نکاح کو بھی حرام کردیا ہوتا۔ تو جسکی قربت گوارا ہے اسے حلال بنا دیا اور جسکو الگ رکھنا چاہا اسکو حرام بنا دیا۔ اس نکتہ کو یاد رکھئے گا جسکی قربت اسلام کو گوارا ہے وہ ہے حلال اور جسکی قربت اسلام کو گوارا نہیں ہے وہ ہے حرام۔ اور حلال و حرام کی بنیاد کیا ہے۔ جو پاکیزہ ہے وہ حلال جو خبیث ہے وہ حرام۔ اب نتیجہ نکلا کہ اسلام پاکیزہ چیزوں کی قربت چاہتا ہے اور خبیثوں کی قربت نہیں چاہتا ہے ان کو الگ رکھنا چاہتا ہے۔

بس عزیزو اتنی دیر کی تقریر ذہن میں رکھیں گے اب میرا ایک سوال ہے وہ پیغمبرؐ جو اتنا باخبر ہے کہ جن مچھلیوں کو نہیں دیکھا دریا میں ان کی حقیقت بھی جانتا ہے۔ طیب کون ہے خبیث کون ہے۔

وہ پیغمبرؐ جس نے فضا میں جا کے پرندوں کو نہیں دیکھا مگر ان کو بھی پہچانتا ہے کہ اسمیں طیب کون ہے اور خبیث کون ہے۔

وہ پیغمبرؐ جو جانوروں کے درمیان نہیں رہا مگر ان کو پہچانتا ہے کہ ان میں پاکیزہ کون ہے اور ناپاک کون ہے۔

وہ پیغمبرؐ جس نے جانور کو کبھی ذبح کر کے ٹکڑے نہیں کئے مگر پہچانتا ہے

کہ جسم کے اندر طیّب کیا ہے اور خبیث کیا ہے۔

مسلمانو! ایک بات مجھے بتاؤ جو اتنا باخبر پیغمبرؐ ہے کہ جن مچھلیوں کو نہیں دیکھا ان کے پاک اور ناپاک کو پہچانتا ہے۔ جن پرندوں کو نہیں دیکھا ان کے طیّب و خبیث کو پہچانتا ہے تو کیا جن کو چوبیس گھنٹہ دیکھتا رہا انھیں نہیں پہچانتا کہ پاکیزہ کون ہے اور ناپاک کون ہے۔

اب میری لفظوں پر آپ توجہ دیں۔ اتنی بلند نگاہ رکھنے والا جو فضا کے جانوروں کے طیّب و خبیث کو پہچانتا ہے۔ اتنی گہری نگاہ رکھنے والا جو دریاؤں کے طیّب و خبیث کو پہچانتا ہے۔ اتنی وسیع نگاہ رکھنے والا جو دنیا بھر کے طیّب و خبیث کو پہچانتا ہے کیسے ممکن ہے کہ جو اسکی نگاہ کے سامنے آجائیں نہ نہ پہچان سکے ان میں طیّب کون ہے اور خبیث کون ہے۔ اور جب پہچانتا ہے تو پھر طیب اور خبیث کے پہچاننے کا طریقہ کیا ہے۔ حلال، حرام۔ یہی کام تو پیغمبرؐ کرتا تھا کہ کچھ کو حلال قرار دیا جو طیب ہیں کچھ کو حرام بنا دیا جو خبیث ہیں اور حلال و حرام کے معنی یہ ہیں کہ اِن کی قربت گوارا ہے اُن کی قربت گوارا نہیں ہے۔ فرق پہچان لیا کہ جو نبی کی نگاہ میں طیب ہے اُس کو نبیؐ قریب کرنا چاہتا ہے ان کی قربت حضور کو گوارا ہے اور جو نبیؐ کی نگاہ میں خبیث ہے انھیں دور رکھنا چاہتا ہے۔ اسلئے ہم نے دونوں منظر دیکھے۔ فارس کے رہنے والے کو طیب دیکھ کے اہلبیتؑ میں شامل کرلیا۔ محفل میں بیٹھنے والے کو اٹھا دیا۔

اگر کوئی انسان شریعت پیغمبرؐ کو پہچانتا ہے۔ اگر کوئی انسان قانون پیغمبرؐ کو پہچانتا ہے۔ اگر کوئی انسان شریعت پیغمبرؐ کی بنیادوں کو پہچانتا ہے تو اسے علم پیغمبرؐ پر بھی ایمان لانا پڑے گا۔ اسے یہ اقرار کرنا پڑے گا کہ سرکارؐ کے قانون کا مزاج یہ ہے کہ اس قانون کو طیبؑ برداشت ہیں خبیث برداشت نہیں

ہیں۔ اس قانون کو پاکیزہ برداشت ہیں ناپاک برداشت نہیں ہیں۔ یہ پانی ناپاک ہوگیا۔ اچھا خاصا پانی تھا۔ لوٹے میں ایک قطرہ خون پڑ گیا ناپاک ہوگیا کہا اب یہ برداشت نہیں ہے۔ ابھی تک یہ پاک تھا برداشت تھا۔ اب نجس ہوگیا۔ ارے حضور شروع سے نجس نہیں تھا خالی ایک قطرہ خون پڑ گیا۔ اب نجس ہوگیا۔ اب برداشت نہیں ہورہا ہے۔ ہمکو اس سے کیا مطلب کہ اس لوٹے میں سال بھر سے رکھا تھا کہ دو سال سے رکھا تھا کہ چار سال سے رکھا تھا۔ ہوسکتا ہے بائیس تیئیس سال سے رکھا رہا ہو مگر جب تک نجاست نہیں پڑی تھی قابل برداشت تھا۔ جب نجاست پڑ گئی اب پرانا حساب کرنے سے کیا فائدہ۔ اسلئے کہ اسلام کا مزاج یہ ہے کہ طیب ہے تو برداشت ہے۔ خبیث ہے تو برداشت نہیں ہے۔ کل کا خبیث ہو تو برداشت نہیں ہے آج کا خبیث ہو تو برداشت نہیں ہے۔ نیا خبیث ہو تو برداشت نہیں ہے۔ پرانا خبیث ہو تو برداشت نہیں ہے۔

اور یہیں سے آخری جملہ۔ آپ تصویر کے دوسرے رُخ کو پہچان لیں۔ جو خبیث ہے اسلام چاہتا ہے ہمارے ماننے والے اس سے الگ رہیں۔ جو طیب ہے اس سے قریب رہیں جو پاکیزہ ہے اس سے قریب تر رہیں تو ظاہر ہے یہ چیزیں جو پاکیزہ ہیں ہمارے سامنے ہیں۔ ان سے ہم قریب رہ سکتے ہیں جو نجس ہیں خبیث ہیں، ناپاک ہیں ان سے ہمکو الگ رکھا گیا ہے۔ اب سوچئے آپ۔ یہ چیزیں جو فطرتاً پاکیزہ ہیں جن کو خدا نے پاکیزہ کہدیا ہے یہ سب ہم سے قریب ہیں۔ جو نجس ناپاک ہیں وہ ہم سے الگ ہیں۔ یہ وہ چیزیں ہیں جو فطرتاً پاکیزہ بنائی گئی ہیں جو فطرتاً طیب و طاہر بنائی گئی ہیں لہذا یہ ہم سے قریب تر ہیں اب جو جتنا پاک ہوگا اسلام اسکی اتنی قربت چاہے گا تاکہ تمھارے مزاج میں طہارت پیدا ہو جائے ہم نے خبیث و نجس و ناپاک کو تم سے اسی لیے الگ رکھا ہے کہ کہیں تمھارے مزاج میں خباثت نہ پیدا

ہو جائے۔ تو جو جتنا پاک ہو اپنے کو اس سے اتنا ہی قریب رکھو تا کہ اسکی طہارت تم میں طہارت پیدا کرے۔ اسکی پاکیزگی تم میں پاکیزگی پیدا کرے اور اگر کوئی اتنا طیب و طاہر ہو کہ خدا کہے کہ ہم اتنا پاک و پاکیزہ رکھنا چاہتے ہیں جو حق طہارت ہے تو اسلام مسلمان کو اتنے پاکیزہ افراد سے اتنا ہی قریب کرنا چاہے گا۔ بس میں ایک آخری لفظ کہہ رہا ہوں پہچانئے گا جتنا وہ پاکیزہ ہیں اسلام اتنی ہی قربت چاہتا ہے ظاہری قربت کی آخری حد یہ تھی کہ محفل میں آکے بیٹھ گئے لیکن ابھی قربت کی ایک منزل اور بھی ہے محفل میں بیٹھنا الگ ہے دل میں بیٹھنا الگ ہے۔ غور کریں آپ جو ظاہری پاک تھے ان کی قربت نے محفل تک پہنچایا اور جو باطنی پاک تھے ان کی قربت نے دل تک پہونچایا۔ محفل میں بیٹھنے کا نام ہے ہم نشینی۔ دل میں بیٹھنے کا نام ہے مودت۔

رسالت کی زحمتوں کی اجرت محفل آل محمدؐ میں بیٹھنا نہیں ہے۔ اسکی قیمت، اسکی اجرت، اسکا معاوضہ مودت ہے محبت ہے۔ انھیں اپنے دل میں جگہ دو اور خدا کا شکر ہے کہ ہم نے اس قانون الٰہی پر عمل کیا اور ہم نے بہرحال اپنی حیثیت کے مطابق اپنے پاکیزہ نفس ہونے کا ثبوت دیا اور ہم نے اپنے دل میں انھیں جگہ دی جن سے زیادہ طیب و طاہر کوئی نہیں ہے۔ ہم نے کسی خبیث کو اس دل کے قریب سے گذرنے بھی نہیں دیا اور جو طیب و طاہر تھے انھیں باہر رہنے نہیں دیا۔ طیب ایک ہوگا وہ بھی اسی دل میں رہے گا۔ پانچ ہوں گے وہ بھی اسی دل میں رہیں گے۔ بارہ ہوں گے وہ بھی یہیں رہیں گے۔ چودہ ہوں گے۔ وہ بھی یہیں رہیں گے۔ ان سے وابستہ ہو کر بہتر ہوں گے تو وہ بھی یہیں رہیں گے۔

بس عزیزان محترم، گفتگو تمام ہو رہی ہے لہٰذا جو پاکیزہ تھے انھیں ہم نے اپنے دل میں جگہ دی آج شب جمعہ ہے۔ شب جمعہ زیارت امام حسینؑ مستحبات میں

ہے۔ روز جمعہ زیارت امام حسینؑ مستحبات میں ہے۔ جب امام حسینؑ کی زیارت پڑھتے ہیں تو اسی کے ساتھ امام حسین کے چاہنے والے، ان کے ساتھ راہ خدا میں قربان ہونے والے انصار، اصحاب، جان نثاروں کی زیارت پڑھی جاتی ہے تو آپ کیا کہتے ہیں "طبتم و طابت الارض التی فیہا دفنتم" کربلا والو تم طیب ہو۔ کربلا والو تم پاکیزہ ہو اور جس زمین میں دفن ہو گئے وہ زمین بھی پاکیزہ ہو گئی۔ اب آپ نے محسوس کیا کہ پاکیزہ افراد کے جسم جس زمین میں دفن ہو جائیں وہ زمین بھی پاکیزہ ہے تو پاکیزہ افراد کی محبت جس دل میں سما جائے وہ دل کیوں نہ پاکیزہ ہوگا۔ یہ صاحبان ایمان کا مقدر ہے یہ صاحبان ایمان کی خوش قسمتی ہے کہ مالک کائنات نے ایسے پاکیزہ افراد کی محبت انھیں عنایت کی ہے۔ جس نے آکے ان کے دلوں کو طیب و طاہر بنا دیا ہے۔ اُن کے دلوں کو پاک و پاکیزہ بنا دیا ہے۔ اسی لیے آپ دیکھتے ہیں کہ سال بھر ممکن ہے ہمارے اعمال میں کچھ کمزوریاں پائی جاتی ہوں لیکن جہاں پاکیزہ افراد کے دل میں آنے کا وقت آیا۔ جہاں کربلا والوں کی یاد، ان کے خیال کے دل میں آنے کا وقت آیا زندگی میں انقلاب پیدا ہو گیا۔ یہ کام نہ کرو محرم آگیا ہے۔ یہ غلطی نہ کرو محرم آگیا ہے۔ یہ برائی نہ کرو محرم آگیا ہے۔ پاکیزہ لوگوں کی یاد کیا آئی کہ دلوں کو پاکیزہ بنا دیا۔ بس یہ ہماری ذمہ داری ہے کہ عاشور محرم تمام ہونے کے بعد بھی یہ یاد دل میں رہ جائے تاکہ پاکیزگی برقرار رہے۔ کیا کہنا ان کا جو حسینؑ کے ساتھ رہنے والے۔ حسین کے ساتھ قربان ہو جانے والے۔ حسینؑ کے خاندان سے باہر والے۔ جب وہ ایسے طیب و طاہر ہیں تو جو حسینؑ کے گھرانے والے ہیں۔ جو حسینؑ کے خاندان والے ہیں۔ جو حسین کی گود کے پالے ہیں۔ جو حسینؑ کے دل کے ٹکڑے ہیں وہ کیسے طیبؑ و طاہر افراد ہوں گے آج میں اسی تذکرہ کو چند لمحہ میں آپ کے سامنے گزارش کر کے بیان کو تمام

کرنا چاہتا ہوں۔

میں نے انصار حسینؑ کا ایک اجمالی خاکہ کل آپ کے سامنے عرض کیا تھا۔ ایک بات جو کبھی اس سے پہلے کہنے کا موقع نہ ملا اور اکثر لوگوں نے تقاضا کیا کہ کیا وجہ ہے کہ خانوادہ بنی ہاشم کے شہداء میں عون و محمد کا ذکر آتا ہے۔ قاسم و علی اکبر کا ذکر آتا ہے۔ علی اصغر و حضرت عباسؑ کا ذکر آتا ہے۔ اور بھی تو بنی ہاشم میں قربانی دینے والے تھے ان کا تذکرہ کیوں نہیں آتا۔ اسلئے آج کی تاریخ میں نے یہ چاہا کہ بنی ہاشم کے ان شہداء کا تذکرہ کیا جائے جن کا ذکر عام طور سے نہیں ہوتا ہے۔ ظاہر ہے کہ تعداد زیادہ ہے۔ میں سارے تذکرے تو گزارش نہیں کروں گا فقط ایک لفظ اس سلسلہ میں عرض کرنا ہے۔ اگر آپ متوجہ ہو گئے۔ تو آپ کے رونے اور مثاب ہونے کیلئے یہ ایک لفظ کافی ہے۔ وہ ہاشمی شہداء جنھیں بنی ہاشم کہا جاتا ہے حقیقت یہ ہے کہ کربلا میں اس گھرانے کے قربان ہونے والے افراد کو بنی ہاشم صرف شجرہ کی بنیاد پر کہا جاتا ہے ورنہ اس حقیقت سے دنیا میں کوئی نہیں انکار کر سکتا ہے کہ کربلا میں دین خدا کیلئے جتنے افراد کام آئے سب اولاد ابوطالب تھے۔ بنی ہاشم تو اس کے اوپر کا شجرہ ہے اگر بنی ہاشم کربلا میں قربان ہوئے ہوتے جو جناب ہاشم کی نسل میں تھے تو کوئی عباسؑ کے گھرانے کا دکھائی دیتا۔ کوئی ابولہب کے گھرانے کا ہوتا۔ کوئی حارث کے گھرانے کا ہوتا۔ کوئی اور کسی کے گھرانے کا ہوتا۔ کوئی نظر نہیں آتا جتنے ہیں سب ابوطالب کے گھرانے کے ہیں۔ اگر اولاد جعفر طیار ہے تو وہ ابوطالب کی اولاد ہے۔ اگر اولاد عقیلؑ ہے تو وہ ابوطالبؑ کی اولاد ہے۔ اگر اولاد علیؑ ہے تو وہ ابوطالبؑ کی اولاد ہے۔ اگر اولاد حسنؑ ہے تو ابوطالبؑ کی اولاد ہے۔ اگر اولاد حسینؑ ہے تو ابوطالبؑ کی اولاد ہے۔ محاذ تحفظ دین پر کوئی نہیں ہے سوائے اولاد ابوطالبؑ کے۔ کل بھی

دین کو بچایا تو ابوطالبؑ نے بچایا اور آج بھی اگر کربلا میں کسی نے دین کو بچایا تو اولاد ابوطالبؑ نے بچایا۔

بس اس کے بعد وہ آخری بات کہنا چاہتا ہوں۔ کاش میری بات آپ کے دلوں تک پہونچ جائے اور اب نہیں تو جب گھر جا کے سوچیں گے تو سوچئے گا کہ ان مظلوموں کی مظلومیت کے بارے میں۔ جتنے اولاد ابوطالبؑ میں کربلا میں آئے۔ ان میں اکثر افراد وہ ہیں کہ جن کے ساتھ وہ خواتین بھی ہیں جنھوں نے انھیں اپنی گود میں پالا ہے۔ یا جو ان کے ساتھ کسی گود میں پلی ہیں۔ سب سے پہلے کربلا میں جو بنی ہاشم کی قربانی پیش ہوئی وہ اولاد عقیلؑ کی ہے۔ سب سے پہلے انصار کے بعد، اصحاب کے بعد جو قربانی سامنے آئی وہ اولاد عقیلؑ کی قربانی ہے مسلمؑ اور مسلم کے گھر والے۔ سوچئے جب مسلمؑ کے لال قربانی کیلئے جارہے تھے تو کیا گھر میں وہ ماں نہیں تھی جو کل فرزند رسولؐ کے ساتھ آرہی تھی۔ اگر میرے بچوں کو نہیں معلوم ہے تو معلوم ہونا چاہئے کہ جناب مسلم کی زوجہ جناب عباسؑ کی بہن تھیں اسی لیے جب راستہ میں قافلہ ٹھہرا ہوا تھا اور کسی نے آکے مسلم کی شہادت کی خبر سنائی اور خیمہ کے اندر یہ خبر پہونچی تو ظاہر ہے کہ جسکو یہ معلوم ہو جائے کہ میرا گھر اجڑ گیا جسکو یہ معلوم ہو جائے کہ میرا سہاگ اجڑ گیا۔ جسکو یہ معلوم ہو جائے کہ میری زندگی کا سہارا ختم ہو گیا اسکا کیا عالم ہونا چاہئے۔ مگر جیسے ہی بہن کی آنکھوں میں آنسو دیکھے۔ عباسؑ آکے سامنے کھڑے ہو گئے۔ بہن ابھی یہ بھائی زندہ موجود ہے۔ بہادروں کی بہنیں مصیبتوں پر صبر کیا کرتی ہیں۔ مصیبتوں میں پریشان نہیں ہوا کرتی ہیں۔ مگر کل وارث کے مرنے کی خبر سنی آج کربلا میں بیٹوں کی قربانی سامنے آئی ہے۔ یہ پہلا مرحلہ صبر تھا اس کے بعد جب اولاد جعفرؑ طیار جانے لگی تو جہاں عون و محمدؑ جارہے ہیں وہاں وہ خاتون بھی تو خیمہ کے اندر موجود ہے

جس نے ان بچوں کو پالا ہے۔ وہ پالنے والی بھی اسی خیمہ میں ہے جو اپنے بچوں کا داغ اٹھانے والی ہے۔ یہاں بھی وہ ماں موجود ہے اگر قاسمؑ میدان میں جا رہے ہیں تو خیمہ میں اُم فروہ بھی تو موجود ہیں۔ یہ نہ دیکھو حسینؑ کے دل پر کیا گذر رہی ہے یہ سوچو جب بیٹا قربان ہو رہا ہے تو ماں کا کیا عالم ہے۔

سنتے چلو عزیزو۔ جب علی اکبرؑ میدان میں جا رہے ہیں تو بعض روایات کی بناء پر وہ ماں بھی تو وہیں موجود ہے جسکی مجبوری کا یہ عالم ہے کہ بیٹا مصیبتوں میں گھرا ہوا ہے مگر دعا کیلئے ہاتھ نہیں اٹھا سکتی۔ یہ ہیں اولاد ابو طالبؑ کی قربانیاں اور ان پر سیدانیوں کی یہ مجبوریاں۔ فقط ایک خاتون تھی جسکی اولاد کربلا میں قربان ہوئی مگر ماں کربلا میں نہیں تھی سوچئے گھر جا کے۔ اگر قاسمؑ قربان ہوئے تو اُم فروہ نے یہ منظر دیکھا۔ اگر اکبرؑ گئے تو لیلیٰ نے یہ منظر دیکھا۔ عونؑ و محمدؑ گئے تو ثانی زہراؑ نے یہ منظر دیکھا۔ اولاد مسلمؑ گئی تو ماں نے یہ منظر دیکھا۔ ایک ماں ایسی تھی جس کے چار بیٹے قربان ہو گئے اور ماں نے یہ منظر نہ دیکھا جب مدینہ میں یہ خبر پھیلی کہ قافلہ واپس آیا ہے بشیر نے کہا کہ خبر قبر پیغمبرؐ کے پاس سناؤں گا۔ تو کہا جاتا ہے کہ ایک ضعیف خاتون دھیرے دھیرے مسجد پیغمبرؐ میں آئیں کہ ذرا میں بھی تو سنوں۔ بشیر کیا خبر لیکر آیا ہے۔ جیسے ہی بشیر نے کہا مدینہ والو! کیا بیٹھے ہو۔ حسینؑ مارے گئے بس اس خاتون کو جلال آ گیا۔ کہا بشیر یہ کیا کہہ رہا ہے۔ کہا قافلہ تو پلٹ کے آیا مگر حسینؑ مارے گئے۔ میں یہ خبر سنانے کیلئے آیا ہوں ایک مرتبہ خاتون جو یہ سوچ رہی تھی کہ بشیر یہ کیا کہہ رہا ہے۔ واقعاً حسینؑ مارے گئے۔ کہا ہاں صحیح سنا رہا ہوں حسینؑ مارے گئے۔ میرے پاس مستند خبر ہے بس یہ سننا تھا کہ خاتون کو جلال آ گیا۔ اگر حسینؑ مارے گئے تو جو غلامی کا دم بھرتا تھا۔ وہ کہاں تھا۔ جو اپنے کو غلام کہتا تھا وہ کہاں تھا۔ جو اپنے کو فدیہ کہتا تھا وہ کہاں تھا۔ ہائے یہ کیا

ہو گیا۔ کیا مجھے شرمندہ ہونا پڑے گا شہزادی فاطمہ زہراؑ کے سامنے۔ کہ ان کا لال مارا گیا۔ بشیر نے کہا بی بی یہ نہ کہئے گا جب تک آپ کے لال زندہ تھے مولا پر آنچ نہ آسکی۔ مگر جب کوئی نہ رہ گیا۔ اب جو خبر پھیلی تو عورتوں نے آ کے کہا امّ البنین پرسہ قبول کیجئے۔ فرمایا مجھے امّ البنین نہ کہو۔ میں امّ البنین تھی جب میری اولاد تھی۔ اب تو میرے بچے میرے مولا پر قربان ہو گئے۔ بیبیوں نے کہا ارے پرسہ تو قبول کیجئے۔ فرمایا ایک بات بتا دو کیا یہ خبر صحیح ہے کہ جب میرا لال گھوڑے سے گرا تو اس کے ہاتھ نہیں تھے۔ سوچا عزیزو امّ البنین نے کیا کہا۔ اے بھائیوں یہ بتاؤ کیا یہ صحیح ہے کہ جب میرا لال گھوڑے سے گرا تو اس کے ہاتھ قطع ہو گئے تھے۔ ماں یہ سوچ رہی ہے کہ گرنے والا ہاتھوں کا سہارا لیتا ہے ہائے میرا لال۔ سر زخمی۔ جب گھوڑے سے گرا ہو گا تو میرے شیر کا کیا عالم ہوا ہو گا ...... وا محمداہ وا علیاہ

سیعلم الذین ظلموا ای منقلب ینقلبون

مجلس ۶

صاحبان ایمان وہ ہیں جو اس رسولؐ نبیؐ اُمی کا اتباع کرتے ہیں جسکا تذکرہ توریت میں بھی ہے اور انجیل میں بھی ہے۔ وہ نیکیوں کا حکم دیتا ہے۔ برائیوں سے روکتا ہے۔ طیبات کو حلال قرار دیتا ہے خبیث چیزوں کو حرام قرار دیتا ہے۔ انسانیت کے سر سے اس بوجھ کو اٹھا لیتا ہے جس بوجھ کے نیچے انسانیت دبی ہوئی ہے اور ان زنجیروں کو توڑ دیتا ہے جن میں انسانیت جکڑی ہوئی ہے۔ جو لوگ ایسے پیغمبر پر ایمان لائے۔ اسکا احترام کیا۔ اسکی مدد کی اور اس نور کا اتباع کیا جو پیغمبرؐ کے ساتھ نازل کیا گیا ہے یہی لوگ زندگانی دنیا میں کامیاب ہیں۔

آیۂ کریمہ کے ذیل میں جو سلسلہ کلام آپ کے سامنے پیش کیا جا رہا تھا رسالت آلٰہیہ کے عنوان سے آج اس کے چھٹے مرحلہ پر پیغمبرؐ اسلام کی اس صفت کے بارے میں کچھ باتیں گزارش کرنا ہیں جسکا تذکرہ قرآن مجید نے ان لفظوں میں کیا ہے کہ پیغمبرؐ عالم انسانیت کو اس بوجھ سے نجات دلاتا ہے جس بوجھ کے نیچے عالم انسانیت دبا ہوا ہے اور پیغمبرؐ ان زنجیروں کو توڑ دیتا ہے جن زنجیروں میں عالم انسانیت جکڑا ہوا ہے۔

درحقیقت یہ پیغمبرؐ اسلام کے خدمات، پیغمبرؐ کی تبلیغ اور پیغمبرؐ کے کارہائے نمایاں کی طرف ایک واضح اشارہ ہے کہ پیغمبرؐ نے عالم انسانیت کی اصلاح کا کام

کس دور میں اور کن حالات میں شروع کیا ہے۔

آج میرے موضوع کا بیشتر حصہ تاریخ سے تعلق رکھتا ہے لیکن تاریخ کے بارے میں آپ نے یہ فقرہ بارہا سنا ہوگا کہ تاریخ اپنے کو دوہراتی رہتی ہے۔ واقعات، پیغمبرؐ اسلام کے آنے کے پہلے کے ہیں لیکن اگر آپ حالات دنیا کا جائزہ لیں گے تو اندازہ ہوگا کہ جو صورت حال پیغمبرؐ کے آنے سے پہلے تھی وہ صورت حال پیغمبرؐ کے جانے کے بعد بھی دنیا میں باقی ہے۔

عالم انسانیت سرکار دوعالمؐ کے آنے سے پہلے دو طرح کی پریشانیوں میں مبتلا تھا۔

انسانیت کے سر پر ایک بوجھ تھا جس کے نیچے انسانیت دبی ہوئی تھی اور انسانیت کے سامنے کچھ زنجیریں تھیں جن میں انسانیت جکڑی ہوئی تھی۔ پیغمبرؐ کی دو ذمہ داریاں تھیں۔ اس بوجھ کو اٹھالیں تاکہ آدمی سر اٹھانے کے قابل ہو جائے اور ان زنجیروں کو توڑ دیں تاکہ انسان میں احساس حریت اور احساس آزادی پیدا ہوسکے۔

وہ بوجھ کیا تھا جس کے نیچے انسان دبا ہوا تھا۔ وہ زنجیریں کون سی تھیں جن میں انسان جکڑا ہوا تھا۔ یہ موضوع بہت طویل ہے لیکن میں مختصر لفظوں میں جو باتیں گذارش کرنا چاہتا ہوں وہی باتیں ہیں جو ہماری آج کی زندگی سے بھی تعلق رکھتی ہیں اور اور ان تذکروں کی روشنی میں آپ کو یہ اندازہ ہوگا کہ سرکار دوعالمؐ نے کتنا بڑا کارنامہ انجام دیا ہے اور سرکار دوعالمؐ کے کارناموں کو آج دوہرانے کی ضرورت کیوں ہے؟ ان تذکروں کا لزوم کیا ہے کہ پیغمبرؐ کے آنے سے پہلے کی تاریخ آج دوہرائی جائے؟

اسلئے کہ اگر تاریخ اپنے کو دوہرا رہی ہے تو تذکرہ کا دوہرانا بھی ضروری

ہے۔ اگر تاریخ اپنے واقعات کو پھر دوبارہ سامنے لارہی ہے تو ان تذکروں کو بھی سامنے آنا چاہیئے۔ ان تذکروں میں اس جہاد کا ذکر پایا جاتا ہے جس جہاد کی بنیاد پر عالم انسانیت کو وہ آزادی نصیب ہوئی تھی جو دور جاہلیت میں حاصل نہیں تھی۔

عزیزان محترم! آپ بہتر جانتے ہیں کہ دنیا میں بوجھ کی بھی دو قسمیں ہوتی ہیں۔ ایک بوجھ مادی ہوتا ہے جو کسی کے کاندھے پر یا کسی کے سر پر لاد دیا جاتا ہے۔ آپ کوئی لوہا کسی کے سر پر رکھدیں یہ بوجھ ہے۔ لکڑی لا کے سر پر رکھدیں یہ ایک بوجھ ہے۔ کوئی چیز اور اٹھا کے کسی کاندھے پر رکھدیں یہ ایک بوجھ ہے۔ لیکن یہ بوجھ مادی ہے۔ ظاہر ہے جو غریب آدمی ہے کمزور آدمی ہے، وہ اس بوجھ کے اٹھانے کے قابل نہیں ہے۔ جب اس کے کاندھے پر بوجھ رکھدیا جائے گا تو خود ہی غریب نہ اٹھ سکے گا بوجھ کیا اٹھائے گا۔ لیکن اس کے مقابلہ میں ایک بار گراں ہوتا ہے انسان کیلئے جو مادی نہیں ہوتا ہے۔ ایک بوجھ ہوتا ہے جو مادی نہیں ہوتا ہے وہ خیالات کا بوجھ ہوتا ہے اور خیالات کا بوجھ مادی بوجھ سے کہیں زیادہ سنگین ہوتا ہے اسلئے کہ اگر بوجھ لوہے لکڑی کا ہو تو کم سے کم آدمی کے خیال میں اتنا دم رہتا ہے کہ اسے اٹھا لیا جائے لیکن اگر بوجھ خیالات ہی کا ہے تو اسکا ہٹانے والا کون ہوگا۔ یعنی اگر خیالات خود ہی آدمی کے سر پر بوجھ بن گئے ہیں تو ان خیالات کو کون ہٹائے گا۔ جتنا آدمی کوشش کرے گا خیال اور مستحکم ہوتا جائے گا۔

واقعہ آپ کو معلوم ہوگا۔ یقیناً آپ نے سنا ہوگا۔ ایک بے چارہ طالب علم Student جب مدرسہ جاتا تھا سبق یاد نہیں ہوتا تھا اور روزانہ مار کھاتا تھا۔ ایک دن کسی مرشد کے پاس گیا اور کہا کہ حضور مار کھاتے کھاتے تھک گیا۔ اب

کوئی ترکیب بتایئے کہ اسکول جاؤں اور مار نہ کھاؤں۔ کہا ہاں ترکیب بہت آسان ہے۔ جب کبھی گھر سے باہر نکلو تو کسی کوّے کا خیال تمھارے ذہن میں نہ آنے پائے کبھی اسکول میں مار نہیں کھاؤ گے۔ اسے نسخہ معلوم ہو گیا۔ نسخہ اپنے اپنے ذہن میں محفوظ کر لیا۔ اگر کوّے کا خیال نہیں آئے گا تو مار نہیں کھائیں گے لیکن اس کے پہلے جب بھی اسکول کے واسطے نکلتا تھا کہیں دور دور اس کے ذہن میں کوے کا خیال نہیں ہوتا تھا لیکن اب آج کے نسخہ کے بعد جیسے ہی گھر سے باہر قدم نکالا اسکول کا منظر نظر کے سامنے آیا جانا ہے مار کھانا ہے۔ مار کھانے کا خیال آیا تو بچنے کا خیال آیا۔ بچنے کا خیال آیا تو مرشد کا خیال آیا مرشد کا خیال آیا تو ان کے بتائے ہوئے نسخہ کا خیال آیا۔ نسخہ یاد آیا تو کوا یاد آیا۔ یعنی یہ غریب جس چیز سے اپنے کو بچانا چاہتا تھا اسی میں مبتلا ہو گیا۔ یہ تھی خیال کی پریشانی۔ اگر انھوں نے یہ کہدیا ہوتا کہ جب گھر سے نکلنا تو جیب میں پیسہ لیکر نہ جانا تو بہت آسان تھا اگر جیب میں پیسہ ہوتا تو نکال کے پھینک دیتا۔ چاہے کوئی فقیر اٹھا لے جائے مار تو نہ کھائے گا۔ اگر یہ کہدیا ہوتا گھر سے جانا تو فلاں طرح کا لباس پہن کے نہ جانا تو کپڑے بدل کے جاتا۔ چاہے لوگ مذاق اُڑاتے مار تو نہ کھاتا۔ اس لئے کہ جب مسئلہ مادی ہوتا ہے تو اسکا علاج کر دیا جاتا ہے لیکن جب مسئلہ ہی فکری ہو جائے جب مسئلہ ہی خیالی ہو جائے تو اس بوجھ کو کون اتارے گا۔ اس خیال کو کون ہٹائے گا۔ اسلام یہی سمجھانا چاہتا ہے کہ پیغمبرؐ اسلام آئے تھے تو معاشرہ ایسے خیالی بوجھ کے نیچے دبا ہوا تھا جو بظاہر تو کوئی بوجھ نہیں تھا مگر خیال نے اتنا بڑا بوجھ بنا رکھا تھا کہ کسی میں سر اٹھانے کی ہمت نہیں تھی۔

عزیزو! اگر میری بات واضح نہیں ہوئی ہے تو میں ایک جملہ اور گذارش کرنا چاہتا ہوں۔

یہ خیالی بوجھ ایسا قیامت خیز ہوتا ہے کہ اس کے آگے سر اٹھانا بہت مشکل ہوتا ہے۔ میدان میں جا کے دشمن کے سامنے کھڑے ہو کے تلوار کی زد پہ آ کے اگر کسی میں خوف پیدا ہو جائے تو ایک بات سمجھ میں آتی ہے یہ سپاہی کا خوف ہے، یہ تلوار کا خوف ہے، یہ زخموں کا خوف ہے، یہ میدان کا خوف ہے۔ لیکن محفل میں آدمی بیٹھا ہوا ہے۔ اپنوں کے درمیان بیٹھا ہے اپنی محفل میں ہے حضورؐ کے زیر سایہ اور اس کے بعد فقط سن لیا ہے کہ کوئی کہتا ہے "هل من مبارز" ہے کوئی جو مقابلہ پر آئے اور سر نہیں اٹھ رہا ہے۔ یہ لوہے کا بوجھ نہیں ہے جو سر کو جھکائے ہوئے ہے۔ یہ لکڑی کا بوجھ نہیں ہے یہ وہم کا بوجھ ہے کہ اس سے بڑا کوئی بوجھ نہیں ہے۔ یہ خیال کا بوجھ ہے۔ سوچئے خیال کا بوجھ کتنا سنگین ہوتا ہے کہ نبی اٹھانا چاہ رہے ہیں۔ حضورؐ شوق دلا رہے ہیں۔ کون جائے گا، اسکی اوقات کیا ہے۔ اسکی حقیقت کیا ہے، یہ کچھ نہیں ہے مگر اس کے بعد بھی خیالی بوجھ ذہن پر ہے اور وہ بوجھ سر اٹھانے نہیں دیتا ہے۔ جسکو تاریخ نے پرندہ کہا ہے حالانکہ پرندہ تو بہت ہلکا ہوتا ہے۔ پرندہ اگر کسی کے سر پر آ کے بیٹھ جائے تو انسان سر اٹھانے کے لائق رہ جاتا ہے۔ یہ پرندہ کیا ہے یہ تو ایسا لوہے کا بوجھ معلوم ہو رہا ہے کہ جس کے بعد کسی آدمی میں سر اٹھانے کی ہمت نہیں ہے۔ اب آپ نے محسوس کیا کہ خیالی بوجھ کتنا سنگین ہوتا ہے۔ اب میرا ایک لفظ کہنے کو جی چاہتا ہے خدا نہ کرے کہ کسی کی شان میں گستاخی ہو جائے۔ اللہ نے کہا یہ میرا پیغمبرؐ وہ ہے کہ جس بوجھ کے نیچے انسانیت دبی ہوئی تھی اس بوجھ کو ہٹا لیا ہے انسانیت کو سر اٹھانے کے قابل بنا دیا ہے۔ جس پیغمبرؐ کا کل یہ کارنامہ تھا کہ کفار کا خیالی بوجھ اتار لیا۔ مشرکین کا خیالی بوجھ ہٹا دیا۔ منحرفوں گمراہوں کا بوجھ ہٹا دیا انھیں سر اٹھانے کے قابل بنا دیا۔ خدا جانے یہ کیسے مسلمان ہیں کہ وہ پیغمبرؐ بھی ان

کے سروں کا بوجھ نہیں اٹھا سکتا ہے کہ پیغمبرؐ سمجھاتے جا رہے ہیں مگر کوئی سر اٹھانے کے قابل نہیں ہے جیسے معلوم ہوتا ہے کہ سروں پر پرندے بیٹھے ہوئے ہیں۔

عزیزو، یہ خیالی بوجھ ہے کہ جو انسان کے سر کو اٹھنے نہیں دیتا ہے۔ اگر آپ نے اس منظر کو پہچان لیا ہے جبکہ نبیؐ کی تبلیغ کو اٹھارہ سال گذر چکے ہیں۔ میں یہ منظر نہیں عرض کرنا چاہتا یہ میرا موضوع نہیں ہے لیکن بہرحال چونکہ آپ حضرات ان موضوعات سے زیادہ مانوس ہیں اور بات جلدی محسوس کر لیتے ہیں اس لیے پہچانیں تیرہ سال مکہ میں اور پانچ سال مدینہ میں اٹھارہ سال کی تبلیغ کے بعد ہم نے یہ منظر دیکھا ہے کہ جنھوں نے کلمہ پڑھ لیا تھا جو باہر والے نہیں قریب والے تھے ان کا خیالی بوجھ اتنا سنگین تھا کہ سر اٹھانے کی ہمت نہیں کر رہے تھے۔ تو اٹھارہ سال پہلے نبیؐ جن کے سروں سے بوجھ اتار رہا تھا اٹھارہ سال پہلے جنھیں پیغمبر آزادی دلا رہا تھا۔ ان کا کیا حال رہا ہوگا۔

یہ پیغمبرؐ کا کتنا بڑا کارنامہ تھا۔ اب دو ہی باتیں ہیں یا یہ کہا جائے نبیؐ کا کارنامہ اتنا عظیم تھا کہ اتنے دبے ہوئے انسان کو سر اٹھانے کے قابل بنا دیا یا یہ کہیں کہ ان میں صلاحیت تھی تو سر اُٹھ گیا ورنہ جن میں سر اٹھانے کی صلاحیت نہ تھی نبیؐ لاکھ سمجھاتے رہے مگر سر نہ اُٹھ سکا۔ کتنا فرق ہے اس مجمع میں جو سب مل کے سر نہ اٹھا سکے اور اس اکیلے میں جو تن تنہا خود کھڑا ہو جائے۔

عزیزو، زنجیروں کی بھی دو قسمیں ہوتی ہیں۔ کبھی آدمی رسیوں میں جکڑ دیا جاتا ہے یا لوہے کی زنجیروں میں جکڑ دیا جاتا ہے تو یہ مادی زنجیریں ہوتی ہیں۔ آپ نے دیکھا ہوگا کہ کبھی اگر آپ اپنے بچہ پر ناراض ہو گئے اور آپ نے بچہ کا ہاتھ باندھ دیا تو ہاتھ بندھے ہوئے ہیں لیکن ذہن کھلا ہوا ہے اسی لیے بچہ ترکیبیں

سوچ رہا ہے کہ اسے کیسے کھول لیا جائے۔ اس سے کیسے نجات حاصل کرلی جائے۔ جس کے معنی یہ ہوئے کہ جب ذہن آزاد ہوتا ہے اور ہاتھ پاوں بندھے ہوتے ہیں تو ایک ذہن ہوتا ہے ہاتھ پاوں کھولنے والا۔ کبھی انسان رسی کو توڑ دیتا ہے کبھی رسی کو دانت سے کاٹ دیتا ہے کبھی کوئی اور ترکیب کرتا ہے کوئی کھینچ کے ہاتھ نکالنا چاہتا ہے کیوں اسلئے کہ جب تک ذہن آزاد ہے جب تک ذہن جکڑا ہوا نہیں ہے یہ مادی رسیاں یہ مادی لوہے کی زنجیریں کچھ نہیں کر سکتی ہیں۔ اسلئے کہ کھولنے والا ذہن آزاد ہے لیکن اگر ذہن زنجیروں میں جکڑ جائے تو یہ زنجیریں ہیں جو نہ ہاتھ سے کھولی جاسکتی ہیں نہ پیروں سے کھولی جاسکتی ہیں نہ کسی آلہ سے کھولی جاسکتی ہیں۔ اس کے کھولنے کیلئے تو کوئی ذہنی آلہ ہی چاہئے تو جیسے بوجھ دو طرح کے تھے ویسے ہی زنجیریں بھی دو طرح کی ہیں۔ کچھ ایسے افراد ہوتے ہیں جو مادی زنجیروں میں جکڑ جاتے ہیں اور کچھ ایسے افراد ہوتے ہیں جو خیالی زنجیروں میں جکڑ جاتے ہیں۔ اگر میرے بچوں کو نوجوانوں کو نہیں معلوم ہے تو میں ان کے معلومات میں اضافہ کیلئے یہ گذارش کرنا چاہتا ہوں کہ پرانی طب میں ایک مرض تھا جسکا نام تھا "مالیخولیا" یہ ایک وہمی بیماری ہے خدا نہ کرے کسی آدمی کو ہو جائے۔ اچھے خاصے بیٹھے ہوئے ہیں اور اس کے بعد آواز دیتے ہیں مجھے بچاؤ۔ خیریت تو ہے۔ دیکھئے لوگ مجھ پر حملہ کر رہے ہیں۔ بھئی آپ کے پاس کون سی نگاہ ہے کہ آپ اس مجمع کو دیکھ رہے ہیں جو حملہ آور ہو رہا ہے۔ ہمیں نہیں دکھائی دے رہا ہے۔ یہ خیال کی بیماری ہے۔ قصہ مشہور ہے کہ ایک آدمی اسی بیماری کا بیمار تھا۔ وہ چلا گیا حمام میں نہانے کیلئے۔ ظاہر ہے کہ حمام میں جتنے نہانے والے ہوتے ہیں سب کا لباس ایک جیسا ہوتا ہے۔ جیسے لباس احرام ویسے ہی لباس حمام۔ اب حمام جانے کے بعد جب کپڑے اتار کے اس نے لنگی پہنی تو دیکھا جتنے آئے

ہیں سب ایک ہی جیسی لنگی پہنے ہوئے ہیں۔ اب خیال پیدا ہوا کہ اگر میں واپس آنے کے بعد گم ہو گیا تو کیا ہوگا۔ اب تو لباس بھی ذریعہ نہیں ہے۔ اس کے پہلے اگر گم ہو جاتا تو مجھے معلوم تھا کہ میں کرتا شلوار پہنے ہوئے ہوں یہ پینٹ پہنے ہوئے ہیں۔ مجھے اپنے کو ڈھونڈھ لینے میں کوئی زحمت نہیں تھی لیکن اب اگر گم ہو گیا تو کیا ہوگا۔ تو اس نے اپنے گلے میں ایک دھاگہ ڈال لیا کہ اب جو میں پلٹ کے آؤں گا تو میں دیکھ لوں گا کسی کے گلے میں یہ دھاگہ نہیں ہے۔ جس گلے میں دھاگہ ہوگا وہ میں ہوں۔ اب مجھے اپنے کو ڈھونڈھنے میں کوئی زحمت نہیں ہوگی۔ یہ لطیفہ نہیں ہے اگر آپ سوچ سکیں تو سوچئے۔ کبھی کبھی ایسا ہوتا ہے کہ انسان خود اپنی نگاہ میں گم ہو جاتا ہے اسکو کون ڈھونڈے گا اسے کون تلاش کرے گا۔ چلا گیا اب جو واپس آیا نہا دھوکے اس گرم پانی میں تو ظاہر ہے کہ اتنا تھک گیا کہ تھوڑی دیر آرام کرنے کیلئے بیٹھ گیا۔ بیٹھ گیا تو لیٹ گیا لیٹ گیا تو آنکھ بند ہو گئی۔ کسی آدمی نے یہ منظر دیکھ لیا تھا کہ وہ دھاگہ باندھ کے جا رہے ہیں اپنے کو تلاش کرنے کیلئے۔ اسکو کچھ مذاق کا خیال پیدا ہوا اس نے وہ دھاگہ گلے سے کھول لیا۔ اب تھوڑی دیر کے بعد جو آنکھ کھلی تو سب سے پہلے ہاتھ گردن پر گیا اور جب دیکھا وہ دھاگہ نہیں ہے تو اسی حمام میں باآواز بلند شور مچانا شروع کر دیا۔ میں کہاں ہوں۔ ہائے میں کہاں چلا گیا ہیں کہاں گم ہو گیا بھائیو بتاؤ میں کہاں آ گیا۔ اب ہر آدمی پریشان ہے۔ اسے کیا ہو گیا ہے۔ یہ ہے وہی بیماری۔ ہے کچھ نہیں لیکن سوچ رہا ہے کہ میں گم ہو گیا اب جو اپنے بارے میں سوچ رہا ہے کہ میں گم ہو گیا اسے اسکا پتہ کون بتائے گا۔ غور کیا آپ نے مسئلہ دھاگے کے کھل جانے کا نہیں ہے۔ دھاگہ کھل جائے یا رہے آدمی اپنے کو پہچان لیگا۔ مگر جس نے اپنے بارے میں سوچ لیا کہ میری پہچان یہی دھاگہ ہے جب

وہ دھاگہ گم ہو جائے گا تو گویا وہ خود گم ہو گیا۔ اب یہ اپنے کو تلاش کر رہا ہے مگر اپنا پتہ نہیں مل رہا ہے۔ آپ نے محسوس کیا کہ مادی بوجھ یا مادی زنجیر کا اٹھا لینا توڑ دینا بہت آسان ہے مگر خیالی بوجھ، وہمی زنجیریں، ان کا توڑنا بہت مشکل ہوتا ہے بلکہ بسا اوقات تو ناممکن ہو جاتا ہے۔ میں ابھی آپ کو ناراض نہیں کرنا چاہتا ورنہ میں ایک درجن مثالیں آپ کی زندگی سے گذارش کرتا کہ جہاں نہ کوئی پابندی ہے نہ کوئی زنجیر ہے مگر ہر آدمی اپنے کو جکڑا ہوا سمجھ رہا ہے۔ اگر ایسا کریں گے۔ تو کیا ہوگا؟۔ کچھ بھی نہیں ہوگا۔ مگر سوچ رہے ہیں کہ کیا ہوگا۔ ہمارے سماج کا یہ طریقہ ہے اگر نہ کریں گے تو کیا ہوگا۔ ہم یہ سب حالات دیکھ چکے ہیں ایک گاؤں میں مثلاً شادیوں میں ناچ گانے کا رواج ہے اب یہ سوچ رہے ہیں کہ اگر ہم نے نہ کیا تو کیا ہوگا؟ کچھ بھی نہیں ہوگا۔ آپ مسلمان سمجھے جائیں گے۔ مگر اس غریب کو یہی خیال ہے کہ اگر ہم نے نہ کیا تو عزت چلی جائے گی۔ ارے عزت خدا دیتا ہے یا یہ دیتے ہیں۔ عزت کیسے چلی جائے گی۔

اگر یہ نہ ہوگا تو ہمارا کوئی وقار نہ رہ جائے گا۔ وقار یہ دینے والے ہیں۔ اگر ان کا دیا ہوا وقار مل جاتا تو یزید خلیفہ ہو چکا ہوتا۔ نہ ان کی دی ہوئی عزت کوئی چیز ہے نہ ان کا دیا ہوا وقار کوئی چیز ہے۔ عزت اللہ کیلئے ہے اگر اللہ آپ کو عزت دینے والا ہے تو کوئی ذلیل نہیں کر سکتا مگر آدمی سمجھ رہا ہے کہ ہم بندھے ہوئے ہیں۔ کتنے سماجی بندھن ہیں۔ جن میں سارے مسلمان بندھے ہوئے ہیں۔ نہ یہ کوئی زنجیر ہے نہ کوئی رسی ہے نہ کوئی پریشانی ہے۔ مگر خیالی طور پر ہر آدمی اپنے کو مجبور سمجھ رہا ہے۔ کوئی مجبوری نہیں جب تک آپ سوچتے رہیں گے آپ مجبور ہیں جس دن توڑنے کیلئے کھڑے ہو جائیں گے زنجیروں کی کوئی اوقات نہیں رہے گی تو اگر چودہ صدیوں کی تربیت کے بعد مسلمان خیالی زنجیروں میں جکڑا ہوا ہے تو

سوچیں کہ نبیؐ کے آنے سے پہلے ماحول کا کیا حال رہا ہوگا۔ یہ پیغمبرؐ کا کارنامہ نہیں یہ پیغمبرؐ کا معجزہ ہے کہ اوہام و خیالات میں جکڑے ہوئے ماحول کو ایسا آزاد کردیا اور اتنا بلند نگاہ بنا دیا کہ اب کسی کی نگاہ میں نہ رسموں کی کوئی حقیقت رہ گئی نہ رواج کی کوئی حقیقت رہ گئی۔ جو مسلمان ہوا وہ حقیقی مسلمان ہوا جو نہ ہوا وہ نہ ہوسکا۔

بس عزیزو، اس مختصر سی تمہید کے بعد آپ آیئے میں آپ کے سامنے وہ تذکرہ گزارش کروں کہ انسان خیالات میں کیسے جکڑ جاتا ہے کیسے اسیر ہو جاتا ہے کہ پھر اس کے بعد آزاد نہیں ہوسکتا۔ عرب میں ایک قبیلہ تھا جسکا نام تھا بنی تمیم اس قبیلہ پر حاکم عراق، نعمان بن منذر نے ٹیکس ادا نہ کرنے کے جرم میں حملہ کیا اور جب بنی تمیم کو شکست ہو گئی اور حملہ آور لشکر کامیاب ہو گیا تو اس نے سارا مال غنیمت اپنے قبضہ میں لے لیا اور جو اُن کی عورتیں تھیں ان کو بھی گرفتار کر کے لے گئے۔ اسلئے کہ اب وہ فاتح ہیں اور یہ شکست خوردہ ہیں۔ اب ان کی کوئی اوقات نہیں ہے جب وہ لیکر چلے گئے تب انھیں خیال پیدا ہوا کہ مال لیگئے تو لیگئے کوئی مسئلہ نہیں ہے لیکن عورت کے لے جانے کے معنی یہ ہیں کہ آبرو لے گئے۔ عزت لیگئے۔ لہٰذا اب طے ہوا کہ جا کے اس حاکم سے یہ گزارش کریں کہ ہم نے اپنی ہار مان لی۔ ہم نے شکست تسلیم کرلی۔ آپ کم سے کم ہمارے اوپر اتنی مہربانی کریں کہ مال لیگئے لے جایئے۔ جو سامان لوٹ کے لے گئے لے جایئے۔ ہمیں نہیں چاہئے۔ ہماری عورتوں کو واپس کر دیجئے۔ اسلئے کہ یہ ہماری عزت کا مسئلہ ہے۔ حاکم بھی کچھ مہربان تھا اسنے کہا۔ ٹھیک ہے۔ آپ کا خیال یہ ہے کہ ہم جبراً لے آئے ہیں اور جبراً واپس کرنا چاہتے ہیں۔ نہیں۔ ہم جبراً نہیں لے آئے ہیں۔ یہ آپ

کی عورتیں خود ہمارے ساتھ آئی ہیں اور اسکا ثبوت یہ ہے کہ اگر یہ جانا چاہیں تو ہم نہ روکیں گے۔ قبیلہ والے خوش ہو گئے کہ جو ان کو قیدی بنا کے لے گیا ہے اگر وہ چھوڑنے کیلئے تیار ہو گیا ہے تو ہمارے گھر کی لڑکیاں ہماری بہنیں ہماری مائیں فوراً بھاگ کے آجائیں گی۔ دوڑ کے آجائیں گی۔ لہذا خوش ہو گئے اس کے فیصلے کو قبول کرلیا۔ اب یہ مسئلہ عورتوں کے سامنے رکھا گیا تم جانا چاہو تو جاسکتی ہو۔ ہماری طرف سے کوئی پابندی نہیں ہے۔ تمام عورتیں واپس جانے کیلئے تیار ہو گئیں لیکن قیس بن عاصم کی بیٹی تیار نہ ہوئی اور اس نے کہا کہ اب ہم آگئے تو آگئے۔ اب پلٹ کے نہیں جائیں گے جسکی بنا پر اس قبیلہ کو یہ خیال پیدا ہوا کہ عورت ایسی منحوس شئی ہے کہ اسکی وجہ سے عزت ہمیشہ خطرہ میں رہتی ہے۔ اگر جنگ میں ہار گئے تو کوئی بات نہیں۔ کوئی ہارتا ہے کوئی جیتتا ہے۔ اگر یہ قیدی بن گئے تو کوئی حرج نہیں یہ تو مظلومیت ہے۔ لیکن آزادی پانے کے بعد بھی یہ نالائق آنے کیلئے تیار نہ ہوئیں تو ہماری آبرو خطرہ میں پڑ گئی۔ اسکا مطلب یہ ہے یہ وجود ہی ایسا ہے جسکی وجہ سے آبرو ہمیشہ خطرہ میں رہتی ہے لہذا اس دن سے یہ طے کرلیا کہ اب جو عورت یعنی بیٹی پیدا ہوگی اسکو زندہ دفن کر دیں گے۔ یہ ہے تاریخ بیٹیوں کو زندہ دفن کرنے کی۔ یہ سارے عرب کا کام نہیں تھا۔ عرب میں ایک قبیلہ تھا بنی تمیم جس نے یہ کاروبار شروع کیا تھا اس حادثہ کے زیر اثر کہ عزت خطرہ میں پڑ جاتی ہے عورت کیوجہ سے۔ لہذا عورت کا وجود دنیا میں ہونے نہ پائے اور وجود جب ہوتا ہے تو وجود نہ بیوی کا ہوتا ہے نہ ماں کا ہوتا ہے۔ وجود تو بیٹی کا ہوتا ہے۔ پیدا ہونے والی عورت جب پیدا ہوتی ہے تو یہ کوئی بیوی ہوتی ہے نہ ماں ہوتی ہے یہ تو بیٹی ہوتی ہے۔ آگے بڑھنے کے بعد چاہے بیوی ہو جائے چاہے ماں ہو جائے کچھ بھی ہو جائے لیکن جس دن آتی ہے دنیا میں اس دن تو بیٹی

ہی بن کے آتی ہے جسکا مطلب یہ ہے کہ ساری نحوست کی بنیاد یہی بیٹی ہے بس اسی کو ختم ہو جانا چاہئے۔ یہ پیدا ہو اور فوراً اسکو ختم کر دیا جائے۔ تاکہ آگے بے عزتی کا کوئی سوال ہی پیدا نہ ہو۔ اسی بنی تمیم کے قبیلہ میں ایک آدمی تھا قیس عاصم جو سب سے بڑا غیرت دار تھا اپنے خیال میں۔ دیکھئے خیالی زنجیریں۔ دیکھئے اسکا وجود ہمارے لیے بے عزتی کا باعث ہے لہذا اب یہ فیصلہ کر لیا کہ جو بیٹی پیدا ہو گی اسکو ہم قتل کر دیں گے۔ قدرت کا بھی انتظام دیکھئے کہ ایسے منحوس کو بیٹی دی ہی نہ ہوتی۔ اگر یہ ایسا نالائق ہے تو یا تو محروم اولاد ہی رکھا ہوتا کہ کمبخت کا دماغ صحیح رہتا یا پھر بیٹے ہی بیٹے دید یئے ہوتے۔ کم سے کم وہ صنف تو محفوظ رہتی۔ وہ نہیں اور پیدا ہوتیں مگر خدا کا بھی انتظام دیکھئے۔ اب نعمتوں کی بارش شروع ہو گئی۔ پہلی اولاد بیٹی قتل کر دیا۔ دوسری اولاد بیٹی قتل کر دیا۔ تیسری اولاد بیٹی قتل کر دیا۔ چوتھی اولاد بیٹی قتل کر دیا۔ پانچویں اولاد بیٹی قتل کر دیا۔ خدا کی رحمتوں کا سلسلہ ہی تمام نہیں ہوتا۔ مسلسل گیارہ بیٹیاں پیدا ہو چکیں اور سب کو اپنے ہاتھ سے قتل کر چکا۔ جو بھی اسکا طریقہ تھا اسلئے کہ یہ وجود ہمیں برداشت نہیں ہے۔ اس وجود کی بنیاد پر مستقبل میں عزت خطرہ میں پڑ جاتی ہے۔ جب بیوی نے یہ دیکھا کہ ایسا جلاد بے رحم ہے کہ خدا کی مہربانی یہ ہے کہ ہمیں بیٹی ہی دیتا ہے اور اسکی جلادیت یہ ہے کہ جب بیٹی پیدا ہوتی ہے تو اسے قتل کر دیتا ہے یا زندہ دفن کر دیتا ہے لہذا اب جو آخری مرتبہ اس عورت کے شکم میں پروردگار عالم نے کوئی امانت رکھی تو اسنے شوہر سے اظہار نہیں کیا کہ میرے شکم میں تمھاری کوئی امانت ہے اور کچھ ضرورت پڑ گئی شوہر چلا گیا کہیں سفر میں۔ یہاں تک کہ وقت ولادت بھی آ گیا یہ بچہ بھی پیدا ہوا اتفاق سے یہ بھی بیٹی۔ ایک عرصہ کے بعد جب شوہر واپس آیا تو اس عورت نے شوہر کے خوف سے یہ انتظام کیا کہ اس

بیٹی کو اپنے محلہ کی کسی عورت کے حوالہ کر دیا تاکہ اسکی پرورش وہاں ہو ورنہ یہ ایسا بے رحم ہے کہ یہ زندہ نہیں چھوڑے گا۔ اسکی تربیت ہوتی رہی۔ بچی دو سال کی ہو گئی۔ ماں کو پہچانتی ہے۔ باپ کو تو پہچانتی نہیں۔ ایک دن اتفاقاً وہ بچی کھیلتی ہوئی اس گھر میں آ گئی۔ دن بھر کھیلتی رہی۔ جب شام کا وقت آیا تو شوہر نے پوچھا کہ یہ کس کی بچی ہے کہا یہ ہمارے ہمسائے کی بچی ہے۔ کہا شام ہو گئی شام کے وقت سارے بچے پلٹ کے اپنے گھر جاتے ہیں یہ کیوں نہیں جا رہی ہے۔ کہا یہ ہم سے اتنی مانوس ہو گئی ہے کہ جانا نہیں چاہتی۔ اس نے کہا کہ نہیں۔ بس رات ہو گئی۔ اسے اپنے گھر بھیجو۔ اب ماں کا دل ہے۔ بچی ماں سے مانوس ہے۔ وہ لاکھ سمجھا رہی ہے بیٹی چلی جاؤ مگر کہاں چلی جائے۔ ماں کو چھوڑ کر بچی کہاں چلی جائے۔ جب جانے کیلئے تیار نہ ہوئی تو اسے شبہ پیدا ہوا کہ مسئلہ کچھ اور ہے۔ کہا سچ بتاؤ یہ کس کی اولاد ہے۔ یہ بچی تمھیں چھوڑ کر کیوں نہیں جاتی ہے۔ اگر تم نے نہ بتایا تو اس کے بجائے تم ہی کو قتل کر دیا جائے گا۔ گھبرا کے اس نے کہا کہ یہ آپ ہی کی بیٹی ہے۔ جب آپ سفر میں چلے گئے تھے تب یہ پیدا ہوئی تھی۔ آپ کے خوف سے ہم نے اسکو محلہ میں رکھا وہیں تربیت ہوئی ہے آپ کو نہیں پہچانتی مگر مجھے تو پہچانتی ہے۔ رات کا وقت آیا ہمیشہ میرے پاس رہی ہے اب چھوڑ کر جانے کی ہمت نہیں ہوتی۔ کہا اچھا یعنی اتنی محنت کرنے کے بعد گیارہ بچیوں کو زندہ دفن کرنے کے بعد پھر یہ نحوست میرے ہی گھر میں آ گئی۔ یہ بات مجھ سے برداشت نہیں ہو سکتی ہے۔ رات کس صورت سے گذری خدا جانتا ہے۔ صبح کے وقت بچی کا ہاتھ پکڑا گھر سے باہر باغ میں لے گیا۔ باغ میں لے جانے کے بعد ایک گڑھا کھودا جیسے قبر، اور بچی کو اس گڑھے میں لٹایا۔ اس دوران بچی کو یہ معلوم ہو گیا کہ وہ میری ماں تھی اور یہ میرا باپ ہے۔ اس نے بچی کو لٹایا۔ ظاہر ہے کہ جسکو

زندہ لٹا کے اس پر مٹی ڈالی جائے گی اگر وہ اسی وقت پیدا ہوا ہے تو غریب کو پتہ بھی نہیں چلے گا کہ ہمارا کیا حشر ہوگا لیکن جسکے اندر شعور ہے وہ اپنے کو آزاد کرنا چاہے گا۔ لہٰذا یہ اپنے کو آزاد کرنا چاہتی ہے مگر ظاہر ہے کہ کہاں اتنا بڑا باپ کہاں دو تین سال کی بچی۔ کیسے مقابلہ کرے گی۔ اس نے ایک ہاتھ اس کے سینہ پر رکھا اور دوسرے ہاتھ سے مٹی گرانا شروع کی۔ جب بچی نے دیکھا کہ اب مقابلہ کرنا مادی طور سے ممکن نہیں ہے ہاتھ پاؤں میں اتنی طاقت نہیں ہے تو اس نے فریاد کرنا شروع کی۔ بابا میں آپ کی بیٹی ہوں۔ میں آپ کی لخت جگر ہوں۔ آپ کے دل کا ٹکڑا ہوں۔ آپ ہی کی اولاد ہوں۔ آپ مجھے اپنے ہاتھ سے دفن کر رہے ہیں۔ میں نے کیا خطا کی ہے۔ اگر مجھ سے کوئی خطا ہو گئی ہو تو میں آپ سے معافی مانگتی ہوں۔ میری کیا خطا ہے مجھے آپ کیوں دفن کر رہے ہیں۔ مگر اس نے ایک نہ سنی بالآخر اس نے دفن کر دیا وہ فریاد کرتی رہی اسے مٹی کے نیچے دبا دیا اور یہ ادا اس وقت کے عالم عربیت کو اتنی پسند آئی کہ سارے معاشرہ کو یہ طریقہ پسند آگیا۔ بدعت ایجاد کی ایک آدمی نے اور سب نے کہا بے شک حفظ آبرو کا۔ عزت بچانے کا بہترین طریقہ اس نے ایجاد کیا ہے لہٰذا اس دن سے سارے عرب میں یہ رسم عام ہو گئی۔ ایک قبیلہ کی بات تھی قبیلہ میں ایک آدمی کا مسئلہ تھا مگر ایک آدمی اور ایک قبیلہ کی رسم اتنی پسند آئی کہ سارے عرب میں یہ طریقہ عام ہو گیا۔

میں نے یہ سارا قصہ آپ کو اسلئے سنایا ہے تاکہ آپ کو اندازہ ہو کہ اگر ذہنوں میں اختلاف ہوتا تو طریقہ عام نہ ہو سکتا۔ سب کہتے یہ نالائق ہے یہ جلاد ہے یہ بے رحم ہے اسکی بات سننے کے قابل نہیں ہے اسکی شکل دیکھنے کے قابل نہیں ہے مگر سارے سماج کا اس طریقہ کو اپنا لینا یہ اس بات کی علامت ہے کہ بے رحمی سب کے اندر تھی طریقہ کسی کو نہیں معلوم تھا۔ جلاد سب تھے انداز کسی کو نہیں

معلوم تھا ایک نے بتا دیا سب نے اسی طریقہ کو اپنا لیا۔ یہ تو ہو گئی صورت حال اور پیغمبرؐ آئے ہیں عالم انسانیت کو آزادی دلانے کیلئے۔ پیغمبرؐ نے کیسے اس بندش سے اس گرفتاری سے سماج کو آزادی دلوائی ہے۔ اس کے بھی دو جملے سن لیجئے۔

جب حضورؐ کا اسلام پھیلنے لگا۔ جب حضورؐ کا مذہب آگے بڑھنے لگا اور لوگ کلمہ پڑھ کے مسلمان ہونے لگے تو کسی نے اسکو بھی سمجھایا بھائی اب سب مسلمان ہو رہے ہیں۔ اب حالات بدل رہے ہیں۔ اب اسلام ترقی کر رہا ہے۔ اب ہملوگوں کے جینے کا کوئی سہارا نہیں ہے بہتر یہ ہے کہ چلو مسلمان ہو جاؤ۔ اتنی شرارت کے بعد، اتنی خباثت کے بعد پھر بھی خیال اسلام آ گیا اور آیا پیغمبرؐ کی خدمت میں کلمہ پڑھنے کیلئے۔ حضورؐ میں مسلمان ہونا چاہتا ہوں؟ فرمایا ٹھیک ہے کلمہ پڑھ لوگے مسلمان ہو جاؤ گے۔ کہا آپ مجھکو اتنا معمولی مسلمان سمجھ رہے ہیں۔ یہ فقراء و مساکین جو آپ نے اکٹھا کر رکھے ہیں ان پر آپ میرا قیاس کر رہے ہیں۔ میں اپنی قوم کا بڑا اونچا آدمی ہوں اگر آپ اسلام میں کوئی اونچی جگہ دے سکتے ہیں تو میں مسلمان ہو جاؤں گا۔ اور اگر آپ ان ہی کے درمیان میں مجھے رکھنا چاہتے ہیں جو فقیر مسکین آپ نے اکٹھا کر رکھے ہیں تو مجھے آپ کا اسلام نہیں چاہئے۔ حضورؐ کو تو اللہ نے اتنا علم دیا ہے کہ سب کی شرافت، طبیعت، خباثت سب جانتے ہیں مگر حضورؐ نے یوں ہی سلسلہ کو آگے بڑھایا۔ فرمایا اچھا اگر آپ اپنی قوم کے بڑے آدمی ہیں تو ہماری تعلیم بھی یہی ہے کہ ہر قوم کے بزرگ کا احترام کیا جائے مگر آپ کی بڑائی کیا ہے آپ اپنی قوم کے بڑے ہیں تو آپ کی بڑائی کیا ہے تاکہ ہمیں بھی معلوم ہو جائے اور ویسی ہی جگہ آپ کو دی جائے۔ اس نے کہا میں وہ غیرت دار ہوں جس نے اپنی بارہ بچیوں کو اپنے ہاتھ سے دفن کیا ہے اور اس کے بعد بھی دیکھا کہ پیغمبرؐ پر اس بیان کا کوئی اثر خاص نہیں ہو رہا ہے تو یہ آخری

واقعہ بھی سنا دیا کہ آپ مجھے شاید ایک ایک دن کی بچیوں کو میں نے دفن کر دیا ہے وہ تو بہت آسان کام ہے یہ کار خیر تو بیسویں صدی کی عورتیں بھی کر لیں گی۔ ہاں ناجائز اولاد کا آخری انجام یہی ہوتا ہے لیکن اتنا آسان کام نہیں ہے۔ میں نے اُس بچی کو بھی دفن کیا ہے جو فریاد کر رہی تھی مگر اس کے بعد بھی میں نے اسکو زندہ دبا دیا مٹی میں۔ اب آپ نے میرے کارنامہ کو پہچانا۔ سرکارؐ نے فرمایا "ان ھذہ یہ ہے قساوت قلب، یہ ہے سنگدلی، یہ ہے بے رحمی، یہ ہے جلادیت اسی بنیاد پر مرتبہ چاہتا ہے۔ نہیں۔ ابھی میری بات واضح نہیں ہوئی ہے بس یہ آخری فقرہ سرکار کا سنیں۔ اس کے بعد پہچانیں کہ ایسی نالائق انسانیت کو، ایسے جاہل، جلاد، بے رحم انسان کو سرکار نے کیسے آزاد کیا ہے اور ذہن میں کیسے انقلاب پیدا کر دیا ہے۔ فقط ایک جملہ پیغمبرؐ نے کہا تم بہت بے رحم ہو، تم جلاد ہو، تم نامہربان ہو، تم سنگدل ہو، قسی القلب ہو، ایک بات یاد رکھو "من لا یرحم لا یرحم"۔ یہ یاد رکھنا کہ جو رحم نہیں کرتا ہے اس پر رحم نہیں کیا جاتا ہے۔ اب ذرا اپنی زندگی کا جائزہ لے۔ دنیا سے لیکر آخرت تک تو پروردگار کے رحم و کرم کا محتاج ہے اور ہمارے خدا نے ایک قانون بنا لیا ہے کہ جو رحم نہ کرے گا اس پر رحم نہ کیا جائے گا۔ تو جیسے ہی اپنے بارے میں رحمت خدا کا خیال پیدا ہوا اب ہر لمحہ رحمت خدا کی احتیاج کا خیال پیدا ہو رہا ہے۔ ہر لمحہ مزاج میں مہربانی پیدا ہو رہی ہے۔ اسلئے کہ اب تو ایک قانون بن گیا ہے کہ اگر یہاں رحم نہ کرو گے تو وہاں رحم نہ کیا جائے گا۔ اس ایک خیال نے سماج کے ذہنوں میں انقلاب پیدا کر دیا۔ اگر یہ بات ہمارے ذہنوں میں بھی راسخ ہو جائے تو آج ہماری زندگیوں میں بھی انقلاب پیدا ہو سکتا ہے۔ ہمارے بچہ نے کوئی خطا کی ہم معاف کرنے کیلئے تیار نہیں۔ ہمارے نوکر سے کوئی غلطی ہو گئی ہم بخشنے کیلئے تیار نہیں۔ ہمارے بھائی نے کوئی غلطی کی ہم

معاف کرنے کیلئے تیار نہیں۔ ہمارے دوست سے کوئی غلطی ہو گئی ہم معاف کرنے کیلئے تیار نہیں۔ حالانکہ اسلام نے کہا کہ ایک بات یاد رکھنا۔ جس نے تمھاری غلطی کی ہے اگر تم اسے معاف کرنا نہیں جانتے تو کوئی ایسا بھی ہے جسکی خطا تم نے کی ہے۔ جس کا گناہ تم نے کیا ہے۔ جسکی معصیت تم نے کی ہے اگر اس نے بھی یہی طے کرلیا کہ اپنے گنہ گار کو تم نہ بخشوگے اپنے گنہ گاروں کو میں نہ بخشوں گا تو تمھارا کیا انجام ہوگا تو جیسے جیسے مغفرت خدا کا خیال پیدا ہوتا جائے گا ویسے ہی دل میں مہربانی کا جذبہ پیدا ہوتا جائے گا۔

ایک لفظ ہے فقط ایک لفظ ہے مگر اس لفظ کے معنی پر جہاں تک آپ غور کرتے جائیں گے انسان کے کردار میں انقلاب پیدا ہوتا جائے گا۔ دنیا میں جتنی بھی بے رحمیاں ہیں جتنی نامہربانیاں ہیں سب میں انقلاب آسکتا ہے فقط انسان یہ سوچ لے کہ ہم بھی کسی کے رحم و کرم کے محتاج ہیں۔ یہ سرکارؐ دو عالم کا بتایا ہوا نسخہ ہے جسکو میں نے بارہا آزمایا ہے اور مجھے بھی ہمیشہ یہ نسخہ کامیاب دکھائی دیا ہے جب دو آدمی آپس میں کسی بات میں جھگڑا کرتے ہوئے آئے آپ فیصلہ کر دیجئے۔ میں نے کہا بھائی ٹھیک ہے ان سے غلطی ہو گئی ہے۔ یہ کہہ رہے ہیں معاف کر دیجئے آپ معاف کر دیجئے۔ کہنے لگے جناب کوئی معمولی غلطی ہے۔ ہرگز نہیں معاف کریں گے۔ تو میں نے کہا کہ آپ تو ان کے پروردگار بھی نہیں ہیں۔ آپ تو ان کے خالق و مالک بھی نہیں ہیں۔ آپ ناراض بھی رہیں گے تو یہ زندہ رہ جائیں گے۔ آپ روٹی بند کر دیں گے کوئی اور کھلا دے گا۔ آپ نوکری سے نکال دیں گے کوئی اور رکھ لے گا۔ اگر بیوی ہے آپ طلاق دیدیں گے کوئی دوسرا نکاح کرلے گا۔ ان کی زندگی کے سہارے تو مل سکتے ہیں لیکن جو تیور آپ کے ہیں اگر یہی تیور کہیں جلال پروردگار کے پیدا ہو گئے اور پروردگار نے کہا اگر

تم بندے ہو کر بندے کو معاف کرنا نہیں جانتے تو میں تو خدا ہوں۔ تمھارے بغیر تو وہ زندہ رہ سکتا ہے میرے بغیر تو تم زندہ بھی نہیں رہ سکتے۔ میرے بغیر تمھاری کوئی اوقات کوئی حیثیت نہیں ہے۔ بتاؤ اس وقت کیا ہوگا۔ اگر خدا تمھارے ساتھ یہی برتاو کرے جو تم بندگان خدا کے ساتھ برتاؤ کر رہے ہو۔ جب بھی یہ جملہ میں نے کسی کے سامنے کہا انسان لرز گیا انسان کانپ گیا کہ اگر واقعاً خدا نے ایسا ہی معاملہ کیا جیسا معاملہ ہم کرتے ہیں تو ہمارا حشر کیا ہوگا۔ یہ سرکار دوعالمؐ کا فکری انقلاب تھا۔ فقط ایک لفظ ہی تو کہا یا تھا۔ نہ حضورؐ نے کوئی تنبیہ کی۔ نہ حضورؐ نے ڈانٹا۔ نہ حضورؐ نے مارا، نہ حضورؐ نے نکالا، ایک ہی جملہ کہا دیا بس یہ ایک قانون ہے "جو رحم نہ کرے گا اس پر رحم نہ کیا جائے گا"۔ سرکار دوعالمؐ کا ایک ایک لفظ انسان کے فکری انقلاب کیلئے کافی ہے اور بات بہت واضح ہے کہ اگر جاہلیت افکار کو قیدی بنا سکتی ہے تو اسلام فکروں کو آزاد بھی بنا سکتا ہے۔

عزیزان محترم! یہ داستان بہت طویل ہے اور میں بہت سی باتیں آپ کے سامنے گزارش کرنا چاہتا تھا مگر شاید سب کچھ نہ کہہ سکوں گا بہرحال جتنا موقع ہوگا ایک ہلکا سا خاکہ گزارش کرنا چاہتا ہوں۔

اُس دور میں جن خیالات میں انسانیت جکڑی ہوئی تھی، اور جو بوجھ عالم انسانیت کے سر پر لدا ہوا تھا قرآن مجید نے اسکا تذکرہ اٹھارہ مقامات پر کیا ہے اٹھارہ قسم کی خیالی زنجیریں تھیں جن میں انسان جکڑا ہوا تھا۔ میں سب نہ گزارش کروں گا۔ دو تین چار شاید عرض کر سکوں۔

پہلی زنجیر جس میں سارا عالم انسانیت جکڑا ہوا تھا اسکا نام تھا شرک۔ غیر خدا کو بھی خدا سمجھ لینا یہ ایک زنجیر ہے آپ کو اندازہ نہیں ہے۔ میں نے دیکھا ہے۔ ہمارے ملک میں تو کچھ نہ پوچھئے۔ اگر اللہ والے دس بیس کروڑ پائے جاتے ہیں

تو پتھروں والے جن کی عقلوں پر بھی پتھر پڑے ہوئے ہیں وہ تو ساٹھ ستر کروڑ ہیں۔ میں نے خود یہ منظر دیکھا ہے کہ مندر میں پتھر رکھے ہوئے ہیں جنکا نام ہے بُت اور یہ سامنے کھڑے لرز رہے ہیں۔ اگر بھگوان ناراض ہو گئے تو کیا ہوگا۔ پہچانئے آپ۔ خیالی زنجیر کسے کہتے ہیں۔ یہ بے چارہ انسان، طاقت ور انسان جس کے پاس زور بازو ہے جس کے ہاتھوں نے ان کو تراشہ ہے جسکے ہاتھوں نے ان کو لا کر رکھا ہے جسکے ہاتھ یہاں سے کہیں اور اٹھا کے لے جا کے رکھیں گے۔ جب چاہیں تو اٹھا کے پھینک دیں گے۔ مگر خیالی زنجیر بھی کیا زنجیر ہوتی ہے کہ یہی انسان ان کے سامنے کھڑا ہو کر لرز رہا ہے۔ کچھ ملے گا تو انہی سے ملے گا۔ ارے ان کو اگر ایک قطرہ پانی ملا ہے تو تم سے ملا ہے۔ تم ہی نے جا کے ان کے سر پر پانی ڈالا ہے۔ ان کو اگر دو پھول ملے ہیں تو تم سے ملے ہیں۔ انھیں اگر بیٹھنے کی جگہ ملی ہے تو تم سے ملی ہے۔ ان کو رہنے کا مندر ملا ہے تو تم سے ملا ہے۔ حد یہ ہے کہ ان کو خدائی ملی ہے تو تم سے ملی ہے۔ اب تک تو ہم نے یہی دیکھا ہے کہ انھیں جو کچھ ملا ہے وہ تم سے ملا ہے۔ مگر ہائے رے عقیدے کی زنجیر کہ یہ بیچارہ یہی سوچ رہا ہے کہ جو کچھ ملے گا وہ ان ہی سے ملے گا۔ روٹی ملے گی تو ان ہی سے۔ نوکری ملے گی تو ان ہی سے۔ جو کچھ ملے گا وہ ان ہی سے ملے گا اور اگر کہیں یہ ناراض ہو گئے تو کیا ہوگا؟ خیر یہ بے چارے سوچ تو رہے ہیں کہ یہ ناراض ہو گئے تو کیا ہوگا؟ ان غریبوں میں تو یہ سوچنے کی طاقت بھی نہیں ہے۔

خدا سوچ رہے ہیں بندے ناراض ہو گئے تو کیا ہوگا بندے سوچ رہے ہیں اگر یہ خدا ناراض ہو گئے تو کیا ہوگا۔ یہ کیا ہے اسکی کوئی حقیقت ہے۔ نہیں۔ مسلمان ہونے کی حیثیت سے نہیں۔ ایک عام انسان جو صاحب عقل ہے اس کیلئے اس بات کی کوئی حقیقت ہے۔ یہ کسی کو کچھ دے سکتے ہیں۔ یہ کوئی نقصان پہنچا

سکتے ہیں ؟

خلیلؑ اللہ نے پہلے دن جب بُت پرستی کے خلاف آواز اٹھائی تو چونکہ آذر کے گھر میں رہتے تھے اور آذر بُت بنایا کرتا تھا اس لیے اسنے بہت سے بُت تیار کئے اور ابراہیمؑ سے کہا کہ لے جاؤ انھیں بازار میں بیچو۔ خدا کی اوقات پہچانئے۔ پہلی اوقات خدا کی یہ ہے کہ بکنے جا رہے ہیں۔ فروخت ہونے جا رہے ہیں۔ جناب ابراہیمؑ نے کہا تم نے اتنے بہت سے خدا بنا دیئے ہیں کہ ان کا بوجھ کون اٹھائے گا میں لاد کے نہیں لے جاسکتا۔ کہا نہیں تم کو لے جانا پڑے گا بازار میں بیچنے کیلئے۔ میرے گھر میں رہتے ہو جو کہوں گا وہ کرنا پڑے گا۔ جناب ابراہیمؑ نے کہا اچھا اتنی اجازت دیجئے کہ سر پر تو یہ نہ اٹھ سکیں گے۔ آپ لے جانے کیلئے کہتے ہیں میں لے جاؤں گا۔ کیسے لے جاؤ گے؟ کہا ایک رسّی میں سب کو باندھ لوں گا اور لے جاؤں گا بازار میں بیچنے کیلئے۔ جناب ابراہیمؑ نے ایک رسّی میں سارے خدا باندھ لیے اور لیکر چلے۔ جب بازار میں پہونچے تو لوگ اکٹھا ہو گئے۔ دیکھا نئے نئے خدا، اچھے اچھے خدا، بہترین خوبصورت تراشے ہوئے خدا۔ جناب ابراہیمؑ نے کہا دیکھو آیا تو ہوں تجارت کیلئے۔ کاروبار کیلئے اور کاروباری آدمی فائدہ چاہتا ہے مگر میں بددیانت کاروباری نہیں ہوں۔ میں بے ایمانی نہیں کروں گا۔ سچی بات پہلے بتا دوں جسکا جی چاہے خریدے جسکا جی چاہے نہ خریدے۔ یہ مال جو میں لیکر آیا ہوں یہ خدا تو ہیں مگر نہ ان کا کوئی فائدہ ہے نہ کوئی نقصان۔ جو خریدنا چاہے وہ خریدے۔ میں ایمانداری سے سچی بات بتائے دیتا ہوں یہ نہ کوئی فائدہ پہونچا سکتے ہیں نہ کوئی نقصان۔ اس کے بعد بھی کوئی خریدنا چاہے تو خریدے۔ پھر بھی خریدار پیدا ہو گئے۔

کیوں؟ اسلئے کہ ان کے ذہن میں یہ بات بیٹھ گئی ہے کہ یہ خدا ہیں۔ رسیوں میں کھینچے جا رہے ہیں مگر خدا ہیں۔ کوئی فائدہ نہیں ہے مگر خدا ہیں۔ کوئی نقصان نہیں ہے مگر خدا ہیں۔ حد یہ ہے کہ بک رہے ہیں مگر خدا ہیں۔ ہمارے قبضہ میں ہیں مگر خدا ہیں۔ تو یہ ایک ایسی خیالی زنجیر ہے جس میں سارا عالم شرک جکڑا ہوا ہے عزیزو، سوائے خیال کے یہ کچھ نہیں ہے۔ خدا کیا یہ بندے بھی نہیں ہیں۔ یہ تو بندگی کرنا بھی نہیں جانتے ہیں خدائی کیا کریں گے مگر جس کے ذہن پر قبضہ ہو گیا وہ یہی سوچتا ہے کہ یہ خدا ہیں۔ کتنا بڑا بوجھ ہے کہ اس بیسویں صدی میں ستر کروڑ آدمی سر اٹھانے کی ہمت نہیں کر رہے ہیں۔ ان کی خدائی کے آگے جبکہ بیس کروڑ یہ سمجھانے والے بھی ہیں کہ یہ خدا نہیں ہیں۔ کاش میری بات واضح ہو جائے یہ تو میں ایک جگہ کا نقشہ بتا رہا ہوں بیس کروڑ یہ سمجھانے والے موجود ہیں کہ یہ خدا نہیں ہیں اور ستر کروڑ کی عقل میں یہ بات نہیں آ رہی ہے کہ یہ بے کس و مجبور خدا نہیں ہو سکتے ہیں۔ تو جہاں کوئی سمجھانے والا نہ ہو وہاں بدبختوں کی سمجھ میں کیسے آئے گا یہ خدا نہیں ہیں۔ اتنے بڑے مجمع میں ایک اٹھا ہے یہ کہنے کیلئے کہ یہ خدا نہیں ہیں ایک آدمی پورے سماج کے سروں کا بوجھ کیسے اتارے اب یہاں پر ایک جملہ کہوں گا انشاء اللہ آپ کو وجد آ جائے گا۔ اگر میری بات کو آپ نے محسوس کر لیا ایک آدمی اتنے سروں کا بوجھ کیسے اتارے۔ ایک آدمی اتنے ذہنوں کی زنجیریں کیسے توڑے۔ حضورؐ نے کام شروع کیا۔ فرمایا قولوا لاالٰہ الااللہ کہو سوائے خدا کے کوئی خدا نہیں ہے۔ یہ حضورؐ کی لفظیں تھیں۔ یہ خدا نہیں ہیں۔ یہ خدا نہیں ہیں۔ حضورؐ اعلان کر رہے ہیں شائد اعلان سے بات سمجھ میں آ جائے مگر جو جکڑا ہوا ہے وہ سن تو رہا ہے مگر یہ سوچ رہا ہے کہ یہ تو کہنے کی باتیں ہیں۔ ہم کیسے مانیں کہ یہ خدا نہیں ہیں۔ مجھے ایک جملہ یاد آ گیا۔

میں اس دور کا بھی تذکرہ کرتا چلوں تاکہ دیکھیں ہم کہاں کہاں پریشانی میں مبتلا ہیں۔ ہندؤں میں ایک رسم ہے مہینہ کی بعض تاریخیں ہوتی ہیں کہ ان تاریخوں میں اگر کوئی آدمی مر جائے تو اس کے معنی ہیں کہ اس گھر میں پانچ آدمی مریں گے یعنی ایک تو یہ گیا ہے چار پیچھے پیچھے اور آرہے ہیں۔ بعض مسلمان معاشروں میں بھی ان کے ساتھ رہنے کی بنیاد پر یہ خیال آگیا ہے عقیدہ تو نہیں کہہ سکتا مگر خیال بہرحال آگیا ہے اور خیال وہ زنجیر ہے کہ جسکا توڑنا آسان کام نہیں ہے۔ ایک مرد مومن کے یہاں ایک کسی عزیز کا انتقال ہو گیا جب مُردہ کو کفن دیا جانے لگا تو اس خطرے سے بچنے کے واسطے مرد مومن نے کپڑے کی چار گڑیاں بنائیں اور کفن میں رکھ دیں۔ یعنی جیسے ہم دھوکہ کھا جاتے ہیں۔ نہ خدا جانے نہ بندہ جانے۔ نہ پتھر جانے نہ خدا جانیں۔ ویسے ہی ملک الموت کو بھی چار اور چاہئیں۔ جب وہ آئیں گے تو گڑیاں دیکر انہیں بھی بہلادیں گے۔ یہ چار ہیں ان کو لے جاؤ اور چار گڑیاں دیکر چار آدمی بچالیں گے۔

کسی آدمی نے نیا نیا یہ منظر دیکھ لیا اتفاق سے وہ آیا دوڑ کے میرے پاس کہنے لگا مولانا ایک عجب منظر دیکھا۔ مرد مسلمان کے کفن میں کپڑے کی بنائی ہوئی گڑیاں رکھی جارہی ہیں۔ کیا یہ بھی کوئی قانون اسلام ہے جیسے لکڑیاں رکھی جاتی ہیں یا کافور کا حنوط کیا جاتا ہے شاید یہ بھی کوئی قانون ہوگا میں نے بھی پہلی مرتبہ سنا تھا۔ میں نے کہا گڑیاں؟ یہ تو میں نے کبھی سوچا بھی نہیں کسی کتاب میں نہیں دیکھا کسی رسالہ عملیہ میں نہیں دیکھا۔ کسی حدیث میں نہیں دیکھا۔ کہیں تاریخ میں نہیں سنا۔ یہ کیا ہے۔ کہنے لگے ہمیں نہیں معلوم۔ ہم نے دیکھا آپ کو بتا دیا۔ ہم نے ایک ذمہ دار آدمی کو بلایا۔ کہا یہ واقعہ سنا ہے کیا یہ صحیح ہے۔ کہنے لگے مولانا بات یہ ہے کہ ان کا انتقال اس تاریخ میں ہوا ہے اور اس تاریخ میں جب

کوئی مرتا ہے تو چار اور لے جاتا ہے۔ تو میں نے کہا کیوں لے جاتا ہے؟ اتنے چلے گئے دنیا سے۔ لاکھوں کروڑوں چار اور چلے جائیں گے۔ کہا نہیں ایک ترکیب ہے اگر ملک الموت کو فدیہ میں چار اور دیدیئے جائیں تو کام چل جائیگا۔ خدا بخشے شاد مرحوم نے کیا اچھی بات کہی تھی:

کھلونے دے کے بہلایا گیا ہوں

یہ تو آدمیوں کا حال تھا اب معلوم ہوا ملک الموت کا بھی یہی حال ہے کہ انھیں کھلونے دے کے بہلایا جاسکتا ہے۔ انھوں نے کہا کہ اصل میں قصہ یہ ہے۔ میں نے کہا آپ کو حیا نہیں آتی ہے آپ کو شرم نہیں آتی ہے۔ آپ مسلمان ہیں۔ کلمہ پڑھنے والے ہیں۔ نہ خدا پر بھروسہ ہے نہ ملک الموت پر اعتبار ہے۔ نہ موت پر اعتبار ہے کیسے مسلمان ہیں۔ ملک کے بارے میں یہی ایمان ہے کہ گڑیاں اور آدمی کا فرق نہیں سمجھتا۔ خدا کے بارے میں آپ کا یہی عقیدہ ہے کہ ملک الموت گڑیاں وہاں پہونچادیں گے تو خدا بھول جائے گا کہ ہم نے آدمی کیلئے بھیجا تھا تم مسلمان ہو۔ تمھیں حیا نہیں آتی ہے۔ کہنے لگے حضور کیا کیا جائے۔ میں نے کہا جاؤ کفن کھولو۔ پہلے گڑیاں نکال کر باہر پھینکو۔ اس کے بغیر میں نماز جنازہ نہیں پڑھوں گا اسلئے کہ میں گڑیوں کی نماز پڑھنے نہیں آیا ہوں۔ میں آدمی کی نماز جنازہ کیلئے آیا ہوں۔ اب ان میں بے چارہ میں ہمت نہیں ہے اسلئے کہ سب جکڑے ہوئے ہیں ان میں میرا پیغام پہونچانے کی بھی ہمت نہیں ہے۔ بالآخر جب میں نے کافی زور دیا اور انھوں نے جاکے صاحب خانہ سے جو مرد مسلمان، اصلی مسلمان، نمازی مسلمان، روزہ دار مسلمان تھے ان سے جاکے کہا کہ مولانا فرمارہے ہیں کہ پہلے آپ ان سب کو نکالئے ورنہ میں نماز جنازہ نہیں پڑھوں گا۔ اسلام نے گڑیوں کی کوئی نماز نہیں رکھی ہے۔ مردہ کی نماز ہوتی ہے۔ کیا پاکباز راست گو مومن

تھے۔ کہنے لگے مولانا سے جاکے کہدیجئے کہ نماز پڑھیں چاہے نہ پڑھیں۔ مریں گے تو چار ہمارے مریں گے ان کے تو مریں گے نہیں۔ لہٰذا ہمکو ان کی نماز جنازہ عزیز نہیں ہے۔ اپنے چار عزیزوں کی زندگی عزیز ہے۔

عزیزو! میں نے یہ واقعہ آپ کو صرف اسلئے سنایا ہے کہ آپ سوچیں کہ اس بیسویں صدی میں چودہ سو سال اسلام کو کام کرتے ہوئے گذر گئے۔ مسلمان معاشرہ، مسلمان ماحول، مومن ماحول، کلمہ پڑھنے والے، اللہ رسول امام کے ماننے والے، اگر یہ ماحول سے متاثر ہو کے ایسے ہو سکتے ہیں کہ انھیں یہ خیال ہے کہ مریں گے تو ہمارے مریں گے آپ کا کیا نقصان ہوگا تو سرکار دو عالم کا یہ کہنا تو بہت آسان ہے کہ یہ خدا نہیں ہیں۔ مگر یہ سب کہیں گے کہ یہ تو آپ کہہ رہے ہیں اگر نقصان پہونچا دیا تو کیا ہوگا۔ یعنی اب عالم عربیت سوچ رہا ہے کہ یہ خیال نیا تو آگیا کہ یہ خدا ہیں یا نہیں ہیں مگر دل کا وہم ڈرا رہا ہے کہ یہ تو خالی یہ کہہ کر چلے جائیں گے کہ یہ خدا نہیں ہیں لیکن اگر یہ ناراض ہو گئے تو کیا ہوگا نقصان تو ہمارا ہوگا۔ ان کا تو ہوگا نہیں۔ اگر انھوں نے ہمارے بھائی بہن کو مار دیا ہمارے ماں باپ کو مار دیا تو ان کا کیا نقصان ہوگا۔ اگر ہمارے کھیت کو جلا دیا زراعت ہماری جائے گی ان کا کیا نقصان ہوگا۔ اگر یہ ناراض ہو گئے کوئی نقصان پہونچا دیں گے تو یہ کیا کریں گے نقصان تو ہمارا ہوگا تو حضورؐ نے ایک کلمہ دیکر ذہنوں کو جھنجھوڑ دیا مگر شیطان نے ایک نیا رُخ نکال لیا کہ آپ تو خالی کہہ رہے ہیں اگر یہ کچھ کر گذرے تو کیا ہوگا۔ اگر انھوں نے نقصان پہونچا دیا تو کیا ہوگا۔ ضرورت تھی کہ نبیؐ کے ساتھ کوئی ایسا بھی ہوتا جو یہ ثابت کر سکتا کہ یہ کچھ نہیں کر سکتے ہیں۔ ڈرو نہیں۔ گھبراؤ نہیں۔ اعلان کرنا پیغمبرؐ کا کام ہے کہ بُت خدا نہیں ہیں لیکن اگر شیطان کوئی وہم پیدا کراتا ہے تو ایک ایسا بھی انسان

موجود ہے جو نبیؐ کے کاندھوں پر چڑھ کر طاقوں سے بتوں کو اٹھا کے پھینک سکتا ہے تاکہ تم دیکھ کے پہچان لو کہ یہ کچھ نہیں کر سکتے ہیں۔

ضرورت تھی نبی کے ساتھ ایسے افراد کی۔

عقیدے کا پہونچانا نبیؐ کا کام تھا اور عقیدہ کا پہنچوانا علیؑ کا کام تھا۔ اب تو تم نے یہ منظر دیکھ لیا اگر یہ کچھ کر سکتے ہیں تو پہلے اپنے کو بچاتے۔ اگر یہ کچھ کر سکتے ہیں تو مجھے نقصان پہونچاتے کہ میں انھیں توڑ رہا ہوں۔ میں انھیں گرا رہا ہوں۔ میں ان کو ان کی جگہ سے ہٹا رہا ہوں۔ دیکھیں ان میں کتنا دم پایا جاتا ہے۔ اب تو اپنی آنکھوں سے دیکھ لیا اب تو یقین کر لو کہ یہ کسی قابل نہیں ہیں جو کام کل میرے جد نے کیا تھا۔ کل پہلی مرتبہ ان کی اوقات کو خلیل اللہؑ نے ظاہر کیا تھا آج ان کی اوقات کو میں نے ظاہر کیا ہے۔ کل پہلی مرتبہ وہ بتکدے میں آئے تھے توڑنے کیلئے آج میں آیا ہوں انھیں توڑنے کے واسطے۔ فرق یہ ہے کہ جب وہ آئے تھے تو اپنے پیروں پر کھڑے ہو کر توڑ رہے تھے اور یہ شرف خدا نے مجھے دیا ہے کہ جب میں توڑنے کیلئے آیا تو نبوت کے کاندھوں پر جگہ دی گئی۔ جتنا کام اونچا تھا خدا نے کام والے کو بھی اتنا ہی اونچا کر دیا۔

بس عزیزان محترم! اس سے زیادہ گذارش کرنے کا آج موقع نہیں ہے شاید میں کل کچھ اور باتوں کی وضاحت کر سکوں۔ یہ تو پہلی زنجیر ہے جسکا نام ہے شرک، متعدد خداؤں کا عقیدہ، جس میں عالم انسانیت جکڑا ہوا تھا۔

ایک وہ رسم تھی زندہ دفن کرنے والی جس میں عالم عربیت جکڑا ہوا تھا اور نہ جانے کتنی بلائیں ہیں۔ جن کا تذکرہ کسی نہ کسی مقدار میں میں کل پھر کروں گا تاکہ ان حالات کا بھی جائزہ لیا جاسکے۔ جن زنجیروں میں ہم نے اور آپ نے اپنے کو جکڑ لیا ہے۔ جن کی کوئی حقیقت، کوئی واقعیت نہیں ہے۔ حد یہ ہے کہ بعض

اوقات بعض ایمانی معاشروں میں، اسلامی معاشروں میں ایسی مہمل باتیں پائی جاتی ہیں کہ یہی اندازہ نہیں ہوتا ہے کہ ان کے پاس اسلام اور ایمان ہے یا نہیں۔

ایک مرد مومن کا انتقال ہو گیا ان کے گھر والوں نے کہا کہ ہم مرنے والے کی چہلم کی مجلس کرنا چاہتے ہیں۔ آپ پڑھ دیں گے۔ آپ جانتے ہیں کہ پاکستان میں چھٹی جمعہ کے دن ہوتی ہے اور ہندوستان میں اتوار کے دن ہوتی ہے۔ تو عام طور سے پاکستان کے سارے پروگرام یا امارات میں جمعہ کو ہوتے ہیں اور ہمارے یہاں کے سارے پروگرام اتوار کو ہوتے ہیں۔ تو میں نے کہا کہ کب مجلس کرنا ہے۔ کہا اتوار کو۔ میں نے کہا اتوار کو میں دوسری جگہ وعدہ کر چکا ہوں۔ اتوار کو نہیں آسکتا اگر آپ کہیں تو ایک دن پہلے ہفتہ کو میں پڑھ سکتا ہوں۔ کہنے لگے مولانا آپ پڑھے لکھے ہو کے ایسی بات کرتے ہیں۔ وہ پڑھے لکھے ہم پڑھے لکھے کو سمجھا رہے ہیں۔ آپ پڑھے لکھے ہو کے ایسی بات کر رہے ہیں۔ میں نے کہا بھائی مجھ سے کیا جہالت ہو گئی۔ کہنے لگے کہ آپ جانتے ہیں کہ ہفتہ کے دن کوئی پتھر بھی اپنی جگہ سے ہٹتا ہے تو پلٹ کے آجاتا ہے۔ جسکو اردو میں کہتے ہیں کہ ہفتہ دوہراتا ہے۔ یعنی ہم ایک مرنے والے کے چہلم کی مجلس ہفتہ کے دن کر دیں اور اگلے چالیس دن کے بعد ایک نئی مجلس کا انتظار کریں کہ آج ہی کوئی جائے گا اور پھر چالیس دن کے بعد ایک نئی مجلس ہونے والی ہے۔

سوچئے ذہنی زنجیریں کیا ہوتی ہیں خیالی زنجیریں کیا ہوتی ہیں۔ ان کا خیال یہ ہے کہ مجلس ہوئی نہیں کہ آدمی مرا نہیں۔ میں نے کہا میں آپ کے قوانین پر کوئی بحث نہیں کروں گا۔ فقط ایک جملہ کہنا چاہتا ہوں کہ اب تک تو ہم سمجھتے تھے کہ ذکر اہلبیتؑ زندگی کا ذریعہ ہے۔ ہم یہی کہتے رہے یہی سنتے رہے یہی سمجھاتے

رہے کہ ذکر اہلبیت زندگی کا ذریعہ ہے۔ اب یہ معلوم ہوا کہ مجلس موت کا بھی کوئی ذریعہ ہے کہ ملک الموت کا کام اب مجلسوں سے لیا جائے گا۔ آپ کو شرم نہیں آتی ہے آپ نے ذکر آل محمدؐ کی یہی قدر کی ہے۔ ذکر اہلبیتؑ کا یہی احترام کیا ہے اور اگر ایسا ہو جائے تو شکر خدا کرو کہ تمہارے گھر میں مرنے والے کا چہلم ہو گا ورنہ ہو سکتا ہے کہ کہیں صحرا بیاباں میں جا کے مر جائے اور چالیس دن مرنے کے اطلاع بھی نہ آئے تو اگر گھر میں چالیسواں ہو جائے، چہلم دوہرایا جائے تو شرف کی بات ہے۔ یہ کوئی پریشانی کی بات تو نہیں ہے۔ مگر اس دور میں ایسے مہمل خیالات لوگوں کے ذہن میں پائے جاتے ہیں تو سوچئے کہ اُس دور کا حال کیا رہا ہو گا۔ ابھی تو میں نے آپ کے سامنے ایک بیماری کا ذکر کیا ہے ابھی سترہ اور باقی رہ گئی ہیں۔ جن میں سے کچھ کا تذکرہ کل کروں گا جو قرآن مجید نے بیان کیا ہے۔ تاریخوں کے بیانات تو بہت ہیں اب بات آ گئی ہے تو ایک آخری جملہ سن لیں اور یہیں سے تذکرہ مصائب۔

سرکار دوعالمؐ کے بارے میں آپ جانتے ہیں کہ حضورؐ کو بچپنے ہی میں جناب حلیمہ کے حوالے کر دیا گیا اور جناب حلیمہ پیغمبرؐ کو لے گئیں۔ جناب حلیمہ کے واقعات۔ پیغمبرؐ کو لے جانا۔ پیغمبرؐ کو دودھ پلانا اگر آپ ان واقعات کو دیکھیں گے تو آپ کو خود اندازہ ہو جائے گا کہ جناب حلیمہ کا شمار کافروں میں نہیں ہے۔ یہ غلط خیال پیدا ہو گیا ہے کہ نبیؐ کو اللہ نے کسی کافرہ کے حوالے کر دیا کافرہ کا دودھ پینے کیلئے۔۔۔ جناب حلیمہ اپنے یہاں لے گئیں۔ جب پیغمبرؐ تین سال کے ہو گئے تو تاریخ میں ایک جملہ پایا جاتا ہے کہ ایک دن حضورؐ نے جناب حلیمہ سے یہ کہا کہ سارے بچے تو گھر سے باہر بھی نکلتے ہیں آپ مجھکو باہر نہیں جانے دیتیں۔ اب جناب حلیمہ کا عالم یہ ہے کہ چونکہ ایک تو امانت ہے۔ دوسرے کا بچہ ہے۔ اپنا بچہ

نہیں ہے اور یہ پھر اتنے کرامات دیکھ چکی ہیں۔ اتنے حالات کا لوگوں کو اندازہ ہے کہ حلیمہ سوچ رہی ہیں اگر بچہ کو باہر جانے دیا تو کہیں ایسا نہ ہو کہ کوئی پکڑ لے جائے کوئی قتل کر دے تو میرے اوپر بڑی ذمہ داری ہوگی۔ اب جناب حلیمہ پریشان ہیں اور حضورؐ کا اصرار بڑھتا جا رہا ہے۔ دیکھئے تبلیغ کے کتنے راستے ہوتے ہیں اللہ کو ماننا بہت آسان ہے مگر سماجی زنجیروں سے آزاد ہو جانا بہت مشکل ہے جب اصرار بڑھا تو حلیمہ نے کہا ٹھیک ہے بیٹا اگر تم جانا چاہتے ہو تو میں روکتی نہیں جاؤ بچوں کے ساتھ باہر جانا چاہتے ہو جاؤ مگر ٹھہر جاؤ۔ پیغمبرؐ تیار ہوئے تین برس کا بچہ۔ تین برس کی عمر۔ باہر جانا چاہتے ہیں۔ جناب حلیمہ نے اس دور کے رسم و رواج کے مطابق ایک دھاگہ لیا اسمیں کچھ گرہیں بنائیں جیسے آج بھی آپ نے دیکھا ہوگا۔ خیر الحمدللہ آجکل اگر گرہ بنائی جاتی ہے تو کوئی آیت پڑھی جاتی ہے کہ اگر گرہ کا اثر نہیں ہے تو آیت کا اثر تو ہے۔ اُس دور میں تو کوئی آیت بھی نہیں تھی کسی کو کسی آیت کی اطلاع بھی نہیں تھی۔ لہٰذا کچھ گرہیں بنائیں جو اُس دور کا طریقہ تھا اور پیغمبرؐ کے گلے میں ڈال دیا۔ پیغمبرؐ نے پوچھا جناب حلیمہ سے۔ یہ کیا ہے؟ کہا بیٹا چونکہ تم باہر جانا چاہتے ہو۔ یہ تمھاری حفاظت کا ذریعہ ہے۔ ہمارے سماج میں جب ایسی گرہیں ڈال کے گلے میں دھاگہ ڈال دیا جاتا ہے تو گویا ہر بلا سے محفوظ ہو گیا۔ قدرت کا انتظام دیکھئے اور تبلیغ نبوت کی راہیں دیکھئے جیسے ہی جناب حلیمہ نے یہ کہا پیغمبرؐ نے ہاتھ ڈالا اور اُس دھاگہ کو لیکر توڑ دیا۔ توڑ دینا کوئی مسئلہ نہیں ہے۔ دیکھئے زنجیر ٹوٹ رہی ہے۔ مگر جو لفظ حضورؐ نے کہا تھا ایک لفظ میں نے یاد دلایا تھا "جو رحم نہ کرے اس پر رحم نہیں ہوتا ہے"۔ اب دوسرا لفظ پہچانئے۔ حلیمہ نے کہا بیٹا یہ کیا غضب کیا باہر خطرات بہت ہیں۔ کہا اماں گھبرایئے نہیں "ان معی من یحفظنی" میرے ساتھ وہ ہے جو مجھے بچائے گا۔

میرے ساتھ وہ ہے جو میرا بچانے والا ہے۔ مجھے کوئی پرواہ نہیں ہے۔ یہ دھاگے رہیں یا نہ رہیں۔ یہ گرہیں رہیں یا نہ رہیں۔ جس کے پاس خدا ہے نہ کسی دھاگے کا محتاج نہیں ہے۔ کاش میرے اس جملہ کو آپ محسوس کریں یہ پیغمبرؐ نے تین برس کی عمر میں کہا اور اس حلیمہ سے کہا جس نے نہ ابھی اعلان اسلام دیکھا نہ اسلام کی تعلیمات۔ مگر حلیمہ کی سمجھ میں یہ بات آ گئی کہ جسکا بچانے والا خدا ہے اسے خطرات کی کوئی پرواہ نہیں ہے۔ مجھے حیرت ہوتی ہے عرب کے دیہاتی ماحول میں رہنے والی عورت وہ تین برس کے بچے کے سمجھانے سے سمجھ گئی کہ جس کے ساتھ خدا ہے اسے خطرہ کی کوئی پریشانی نہیں ہے مگر چالیس چالیس پچاس پچاس برس کے لوگ دس دس بارہ بارہ سال کا پرانا اسلام۔ سمجھانے والا پیغمبرؐ اور ابھی تک یہ سمجھ میں نہیں آیا کہ اگر خدا کا ساتھ ہے تو خطرہ کی کوئی پریشانی نہیں ہے۔

بس عزیزو، جن کا عقیدہ مستحکم ہوتا ہے کہ میرے ساتھ خدا ہے وہ خطرات کی پرواہ نہیں کرتے ہیں۔ چھوٹے بچے ہیں کم سن بچے ہیں۔ تیس ہزار کا لشکر نظر کے سامنے ہے مگر اطمینان قلب کیلئے عقیدہ ہے کہ میرے ساتھ خدا ہے مجھے کوئی پرواہ نہیں ہے جس کے ساتھ خدا ہے اس کے دل میں کسی کا خوف نہیں ہے۔ ایک خوف خدا دل میں آجائے تو دنیا کے ہر خوف سے انسان آزاد ہو جائے۔ یہی کربلا کی تاریخ ہے۔ جہاں چھوٹے چھوٹے بچے ہیں مگر اس عقیدے کی بنیاد پر کہ جس کے ساتھ خدا ہے وہ کسی سے نہیں ڈرتا ہے۔ نہ لشکروں کی پرواہ ہے نہ اسلحوں کی پرواہ ہے نہ تلواروں کی پرواہ ہے نہ تیروں کی پرواہ ہے سب کے سامنے تن، تنہا کھڑے ہوئے ہیں۔

بس اسی موقع کیلئے یہ ساری تمہید میں نے آپ کے سامنے گزارش کی اب آپ متوجہ ہیں۔ ایک پانچ سات منٹ کے اندر بیان تمام ہو رہا ہے ابھی ان کا تذکرہ نہیں کر رہا ہوں جو خانوادہ عصمت کے ہیں جو شہزادیوں کی گود کے پلے ہیں۔ یہ عقیدہ وہ تھا جس نے سبکو بے خطر بنا رکھا تھا۔ جس نے سبکو مطمئن بنا رکھا تھا۔ ورنہ سوچئے ابھی حسینؑ اپنے ایک چاہنے والے کے سرہانے سے آ رہے ہیں چاہنے والے کے سرہانے سے اُٹھ کے مولا خیمہ گاہ کی طرف جا رہے ہیں کہ دیکھا خیمہ کا پردہ اٹھا۔ ایک بچہ خیمہ سے دوڑتا ہوا آ رہا ہے۔ حبیب ساتھ ہیں۔ فرمایا حبیب اس بچہ کو روکو یہ ہمارے خیمہ سے آ رہا ہے۔ یہ کون بچہ ہے۔ کہاں جا رہا ہے۔ حبیب آگے بڑھے۔ بچہ کا بازو پکڑا بیٹا کہاں جا رہے ہو۔ کہا میدان میں جا رہا ہوں۔ بیٹا یہاں تلواریں ہیں۔ یہاں نیزے ہیں۔ یہاں تیر انداز ہیں۔ یہاں لشکر ہیں۔ یہاں فوجیں ہیں۔ یہاں کہاں جا رہے ہو۔ کہا یہ سر مولا کے قدموں پر قربان کرنے جا رہا ہوں۔ تیرہ برس کا بچہ دیکھیں آپ اور یہ حوصلہ دیکھیں۔ یہ عقیدہ۔ حبیب بچہ کو لیے ہوئے مولاؑ کے پاس آئے۔ کہا بیٹا یہ تم نے کیا ارادہ کر لیا ہے۔ کہا مولاؑ آپ کے قدموں پر یہ سر قربان کرنے جا رہا ہوں۔ کہا میرے لال شائد تمھیں خبر نہیں ہے کہ میں تمھارے باپ کے سرہانے سے آ رہا ہوں میں مقتل میں تمھارے باپ کو رو کے آ رہا ہوں۔ اے بیٹا تیری ماں کیلئے تیرے باپ کا غم بہت کافی ہے اب اپنی جان دیکر ماں کو کیوں نیا غم دینا چاہتا ہے۔ بچے نے دست ادب جوڑے۔ کہا مولا یہ آپ کیا فرما رہے ہیں۔ یہ تلوار کمر سے کس نے لگائی ہے؟ یہ میدان میں جانے کیلئے مجھے کس نے سجایا ہے؟ یہ مجھے تیار کر کے کس نے بھیجا ہے؟ کہا شائد تیری ماں کو یہ خبر نہیں ہے کہ اب دنیا میں تیرا باپ نہیں رہ گیا ہے اس کے واسطے وہی ایک صدمہ کافی ہے۔ ابھی مولا نے یہ فقرہ کہا تھا کہ پس پردہ سے آواز

آئی مولا ایک بیوہ کا ہدیہ ہے رد نہ کیجئے گا۔

اے ارباب عزا جب اصحاب کے گھر کی خواتین کا یہ جذبہ ہو کر چھوٹے چھوٹے بچے قربان ہو جائیں تو وہ بہن جو مدینہ سے حضرت عبداللہ سے یہ کہہ کر چلی ہے کہ میرے والی! آپ کو معلوم ہے کہ میں نے بھیا کا ساتھ کبھی نہیں چھوڑا اب میرا مانجایا جا رہا ہے میں نے مانجائے سے کہا کہ بھیا مجھے ساتھ لیکر چلو۔ فرماتے ہیں کہ تم پر عبداللہ کا حق ہے عبداللہ سے اجازت لیکر آؤ بتایئے والی! آپ کا کیا خیال ہے؟ کہا اگر مولا کے جانے کیلئے تیار ہیں تو میں کون روکنے والا۔

بس عزیزو! آپ رونے کیلئے تیار ہو گئے۔ اگر مولا کے جانے کیلئے تیار ہیں تو میں کون روکنے والا؟ جاؤ بنت علیؑ جاؤ۔ شوق سے جاؤ۔ اگر تم نے کبھی حسینؑ کا ساتھ نہیں چھوڑا تو جاؤ۔ بھائی کے ساتھ رہو مگر ایک گذارش میری بھی ہے کہ مجھے مولا نے بتا دیا ہے کہ یہ رُخ میدان کربلا کی طرف ہے۔ یہ رُخ میدان کربلا کی طرف ہے۔ اس کے بعد مصائب ہی مصائب ہیں۔ اگر میرا مولا مصیبتوں میں گھر گیا تو مجھے تو نہیں لے جا رہے ہیں۔ مصلحت امامت یہ ہے کہ میں مدینہ میں رہوں مگر کم سے کم ان بچوں کو ساتھ لیتی جاؤ کہ اگر کبھی کوئی وقت آجائے تو میری طرف سے یہ بچے قربان ہو جائیں۔ لو عزیزو قافلہ چلا۔ بچے ساتھ چلے۔ اب جو عاشور کی رات کربلا میں آئی تو ثانی زہرا نے بچوں کو سمجھانا شروع کیا۔ اے بیٹا کل آل محمدؐ کی قربانی کا دن ہے۔ دیکھو اسکا خیال رکھنا کہ بہن بھائی سے شرمندہ نہ ہونے پائے۔ میرے لال میدان میں جا کے ماموں پر قربان ہو جانا اور بیٹا جہاد کرنا تو اس شان سے جہاد کرنا کہ لوگوں کو معلوم ہو جائے کہ حیدرؑ کرار کے نواسے ہیں اور جعفر طیارؑ کے پوتے ہیں۔ رات بھر ماں جوش شجاعت دلاتی رہی۔ صبح کے وقت قربانی کا ہنگام آیا تو بچوں نے کہا مادر گرامی! اب چل کے آقا سے اجازت بھی دلوا دیجئے۔ ثانی زہراؑ

بچوں کو لیکر بھائی کی خدمت میں آئیں۔ سر جھکا کے کھڑی ہو گئیں۔ زینبؑ کے تیور کو حسینؑ سے بہتر کون پہچانے گا۔ کہا بہن اس وقت تو تمھارے آنے کا انداز کچھ عجیب ہے۔ خیر تو ہے۔ کہا بھیا ایک بات کہنا چاہتی ہوں۔ مجھے یقین ہے کہ آج تک آپ نے میری کسی بات کو ٹالا نہیں ہے تو میری اس بات کو ٹالیں گے نہیں۔ کہا بہن بتاؤ کیا کہنا چاہتی ہو۔ کہا بھیا ان میرے گود کے پالوں کو مرنے کی اجازت دید یجئے۔ میں چاہتی ہوں میرے سامنے یہ میرے لال آپ پر قربان ہو جائیں۔ حسینؑ نے بچوں کو سر سے پیر تک دیکھا کبھی بہن کو دیکھتے ہیں۔ کبھی بچوں کو دیکھتے ہیں۔ بہن یہ تم نے کیا کہدیا۔ مگر آج قربانی کا دن ہے۔ جاؤ میں نے اجازت دیدی۔ ماں نے ننھے ننھے بچوں کو سجایا۔ تیار کیا۔ میدان میں روانہ کیا۔ خیمہ گاہ سے باہر آئے۔ حسینؑ نے بازو تھام کے بچوں کو گھوڑے پر بٹھایا۔ چلتے چلتے ماں نے کہا بیٹا مگر اسکا خیال رکھنا کے میدان میں جدھر چاہو چلے جاؤ۔ مگر دریا کا رخ نہ کرنا۔ اصغر پیاسا ہے۔ خیمہ میں بچے پیاسے ہیں۔ میدان میں شہزادے آئے اُدھر عون کی جنگ ہو رہی ہے اِدھر محمد کا جہاد ہو رہا ہے۔ بھائی دونوں مصروف جہاد ہیں۔ یہاں تک کہ ہر طرف سے حملے شروع ہوئے۔ زخموں سے چور ہو کر گرنے لگے آواز دی مولا اب جو حسینؑ کے کانوں میں آواز آئی۔ کہا بھیا عباسؑ چلو۔ اِدھر سے مولا چلے عباس کو ساتھ لیا۔ مقتل میں آئے۔ دیکھا بچے دنیا سے رخصت ہو چکے ہیں۔ ایک لاشہ کو حسین نے اٹھایا۔ ایک کا جنازہ عباس نے اٹھایا۔ خیمہ میں لیکر آئے۔ بچوں کے لاشے رکھدیئے۔ فضہ نے آکے کہا بی بی چلئے۔ آپ کے لال آئے ہیں۔ ثانی زہراؑ نے کہا میں نہ جاؤں گی۔ کیا میں نے انھیں واپس آنے کیلئے بھیجا تھا۔ یہ میدان سے کیوں آئے۔ کہا چل کے اپنے شیروں کو دیکھ تو لیجئے۔ اب جو پلٹ کے آئیں۔ دیکھا صحن خیمہ میں بچوں کے جنازے۔ زینبؑ نے سجدے میں سر رکھدیا۔ پروردگار تیرا

شکر کہ میرے بچے میرے بھیا کے کام آ گئے۔ لاشوں کو کلیجہ سے لگایا شاباش میرے شیرو! شاباش میرے بچو! تم نے ماں کو بھائی کے سامنے سرخرو کر دیا ....

انا للہ و انا الیہ راجعون

سیعلم الذین ظلموا ای منقلب ینقلبون

مجلس ۷

صاحبان ایمان و تقوی وہ ہیں جو اس رسولؐ نبی اُمّی کا اتباع کرتے ہیں جسکا تذکرہ توریت میں بھی ہے اور انجیل میں بھی۔ وہ نیکیوں کا حکم دیتا ہے۔ برائیوں سے روکتا ہے۔ طیبات کو حلال قرار دیتا ہے۔ خبائث کو حرام قرار دیتا ہے۔ انسانیت سے اس بوجھ اور ان زنجیروں کو ہٹا لیتا ہے جسمیں انسانیت جکڑی ہوئی ہے۔ پس جو لوگ اس پیغمبرؐ پر ایمان لائے۔ انھوں نے پیغمبرؐ کا احترام کیا اسکی مدد کی اور اس نور کا اتباع کیا جو نبی کے ساتھ نازل کیا گیا ہے وہی زندگانی دنیا میں کامیاب ہیں۔

آیۂ کریمہ کے ذیل میں جو سلسلہ کلام "رسالت الٰہیہ" کے عنوان سے آپ کے سامنے پیش کیا جا رہا تھا اس کے ساتویں مرحلہ پر آج کچھ باتیں "ایمان بالرسالۃ" سے متعلق گذارش کرنا ہیں۔ اگرچہ کل کا موضوع نامکمل رہ گیا ہے لیکن چونکہ آنے والے کل کے بیان میں پیغمبرؐ اسلام کے احترام سے متعلق کچھ باتیں گذارش کرنا ہیں لہٰذا گزشتہ کل کے جو مسائل باقی رہ گئے ہیں ان مسائل کا ایک اجمالی تذکرہ کل آپ کے سامنے پیش کیا جائے گا تاکہ یہ اندازہ ہو سکے کہ پیغمبرؐ اسلام کا احترام کیوں فرض کیا گیا ہے۔ اسلئے کہ دین الٰہی میں اور مذہب عقل میں کوئی انسان اسوقت تک قابل احترام نہیں ہوتا ہے جب تک

اس کے کارنامے نہ ہوں۔

گندی سیاسی دنیا میں تو یہ امکان ہے کہ انسانی زندگی میں کوئی کارنامہ نہ ہو لیکن انسان قابل احترام ہو جائے۔ مگر مذہب عقل میں، مذہب انسانیت میں اور دین خدا میں اسکا کوئی امکان نہیں ہے کہ کوئی انسان قابل احترام قرار دیدیا جائے اور اسکی زندگی میں کوئی بات وجہ احترام نہ ہو۔ یہ مسائل وہ ہیں جنکی وضاحت انشاءاللہ کل کی مجلس میں کی جائے گی۔

آج یہ گذارش کرنا ہے کہ مالک کائنات نے انسان کی فلاح، انسان کی کامیابی اور انسان کی نجات کیلئے پیغمبرؐ اسلام کے اس مسلسل تذکرے کے بعد ان شرائط کا ذکر کیا ہے "فالذین منوا بہ" فلاح، کامیابی اور نجات کیلئے پہلی شرط یہ ہے کہ پیغمبرؐ پر ایمان لایا جائے وعزروہ دوسری شرط یہ ہے کہ پیغمبر کا احترام کیا جائے۔ تیسری شرط یہ ہے کہ پیغمبرؐ کی مدد کی جائے۔ "واتبعوا النور الذی انزل معہ" اور چوتھی شرط یہ ہے کہ اس نور کا اتباع کیا جائے جو نبی کے ساتھ نازل کیا گیا ہے۔ اس کے بغیر نہ انسانی زندگی کامیاب ہو سکتی ہے اور نہ انسان منزل نجات تک پہونچ سکتا ہے۔

آج قرآن حکیم کی آیات کا ایک مختصر جائزہ آپ کے سامنے پیش کرنا ہے تاکہ یہ اندازہ کیا جائے کہ مالک کائنات کی نگاہ میں ایمان کسے کہتے ہیں۔ ہماری دنیا میں تو سارے الفاظ اپنی قدر و قیمت کھو چکے ہیں معاشرہ میں سارے الفاظ اپنے معانی کا ساتھ چھوڑ چکے ہیں۔ انتہائی درجہ کے بے ایمان کو بھی صاحب ایمان کہا جاتا ہے اور سب سے بڑا جھوٹا بھی "سب سے بڑا سچا" کہا جاتا ہے۔ لیکن دین خدا میں، کتاب خدا میں اسکی کوئی گنجائش نہیں ہے اسلئے مالک کائنات نے جب بار بار اپنے بندوں کو ایمان کی دعوت دی اللہ پر ایمان لاو، رسول پر ایمان لاو، آخرت پر ایمان لاو تو یہ پروردگار ہی کی ذمہ داری تھی کہ بندوں کو سمجھائے کہ ایمان کے معنی کیا ہیں تاکہ کوئی بھی انسان ایمان

کا دعوی کرنے سے پہلے اپنے حالات کا جائزہ لیکر خود اپنا حساب کرے کہ ہم منزل ایمان تک پہونچے یا نہیں؟

منزل ایمان پہلا مرحلہ ہے نجات تک جانے کیلئے۔ اس کے بعد احترام اس کے بعد نصرت پیغمبرؐ اور اس کے بعد نور الٰہی کا اتباع۔ یہ سارے مراحل بعد کے ہیں۔ پہلے مرحلہ کا نام ہے "ایمان بالرسول"۔ اگر رسول پر ایمان نہیں ہے تو انسان منزل نجات تک نہیں جاسکتا ہے۔

ایمان کے مختلف شعبے ہیں اللہ پر ایمان۔ آخرت پر ایمان۔ کتابوں پر ایمان۔ انبیاء پر ایمان۔ مگر چونکہ میرے موضوع کا تعلق رسالت الٰہیہ سے ہے اور میں تذکرۂ سرکارؐ دوعالم آپ کے سامنے گذارش کر رہا ہوں لہٰذا اتنا ہی حصہ گذارش کروں گا جسکا تعلق پیغمبرؐ پر ایمان سے ہے کہ پیغمبر اسلام پر ایمان لانے کے معنی کیا ہیں۔ اب آپ میری طرف متوجہ رہیں گے تاکہ یہ سلسلہ آیات درمیان سے ٹوٹنے نہ پائے ورنہ پھر نتیجہ آپ کے سامنے واضح نہ ہوسکے گا۔

پہلا مرحلہ "اذا جائک المنافقون قالوا نشھد انک لرسول اللہ واللہ یعلم انک لرسولہ واللہ یشھد ان المنافقین لکاذبون"۔ پیغمبرؐ یہ منافقین آپ کے پاس آتے ہیں اور یہ آکے کہتے ہیں کہ ہم اس بات کی شہادت اور گواہی دیتے ہیں کہ آپ رسول اللہ ہیں ایمان میں اور کیا ہوتا ہے؟ "اشھد ان لا الٰہ الا اللہ واشھد ان محمدؐ رسول اللہ" ہم آپ جو ایمان کا اعلان کرتے ہیں تو ایمان بالرسالت کا اعلان یہی ہے کہ ہم گواہی دیتے ہیں کہ وہ اللہ کے رسول ہیں۔ منافقین پیغمبرؐ سے آکے یہی کہتے ہیں کہ ہم اس بات کی گواہی دیتے ہیں کہ آپ اللہ کے رسول ہیں۔ یعنی بالکل وہی ایمان جیسے ایک مخلص کا ایمان ہوتا ہے۔ لیکن اب آپ قرآن مجید کی بلاغت دیکھئے۔ اگرچہ یہ منافقین کا ایمان نہیں ہے۔ نالائق ہیں، جھوٹے ہیں۔

مگر پروردگار فوراً نہیں کہتا ہے کہ یہ جھوٹے ہیں۔ توجہ کریں آپ۔ مسئلہ ذرا دقیق ہے لیکن بہرحال کچھ قرآن فہمی کا ذوق بھی ہم میں آپ میں ہونا چاہئے۔ یہ منافقین آپ سے آکے کہتے ہیں کہ آپ اللہ کے رسول ہیں۔ اگر پروردگار فوراً بلافاصلہ یہ کہدیتا کہ "مگر یاد رکھئے کہ یہ جھوٹے ہیں" تو اسکا صاف نتیجہ یہ ہوتا کہ آپ اللہ کے رسول نہیں ہیں۔

مثلاً ایک آدمی ہمارے مجمع میں آیا اور اس نے آکے بیان کیا کہ آج بازار میں ایک درہم میں بیس میٹر کپڑا مل رہا ہے۔ اس نے یہ خبر دی ہم نے فوراً یہ کہا یہ جھوٹا ہے۔ اس کے معنی یہ ہوئے کہ ایک درہم میں بیس میٹر کوئی کپڑا نہیں ملتا ہے۔

منافقین کہتے ہیں کہ آپ اللہ کے رسول ہیں۔ اگر خدا نے فوراً کہدیا ہوتا کہ یہ جھوٹے ہیں تو اس کے صاف معنی یہ ہوتے کہ یہ غلط کہتے ہیں کہ آپ رسول ہیں آپ ہمارے رسول نہیں ہیں۔ لہٰذا پروردگار نے ان کے جھوٹ کا اعلان کرنے سے پہلے یہ کہا "واللہ یعلم انک لرسولہ" اور اللہ یہ جانتا ہے کہ آپ رسول ہیں۔ آپ کی رسالت میں کوئی شک نہیں ہے۔ لیکن اب اس کے بعد اللہ ہی گواہی دیتا ہے کہ "ان المنافقین لکاذبون" یہ منافقین جھوٹے ہیں۔ مگر ان کے سچے جھوٹے ہونے کا آپ کی رسالت سے کوئی تعلق نہیں ہے۔ یہ جھوٹے رہیں گے جب بھی آپ رسول رہیں گے۔ ان کے جھوٹے ہوجانے سے آپ کی رسالت مجروح نہیں ہوگی۔ لہٰذا پیغمبرؐ ہم گواہی دیتے ہیں کہ آپ ہمارے رسول ہیں۔ مگر اسکی بھی گواہی دیتے ہیں کہ یہ جھوٹے ہیں۔ تو جب وہ بے چارے یہی آکے کہتے ہیں "اشہد انک رسول اللہ" ہم گواہی دیتے ہیں کہ آپ اللہ کے رسول ہیں تو جھوٹے کیوں ہیں؟ جھوٹے ہونے کی وجہ کیا ہے؟ اگر کوئی جھوٹ بات کہے آدمی تو جھوٹا ہے مگر سچی

بات کے تو کیوں جھوٹا ہے۔

اگر منافقین آ کے کہتے کہ اب ہملوگ بھی رسول اللہ ہو گئے ہیں تو یقیناً بے ایمان جھوٹے تھے۔ لیکن جب منافقین یہی کہتے ہیں کہ آپ اللہ کے رسولؐ ہیں تو ان کے جھوٹے ہونے کی وجہ کیا ہے؟ جھوٹ بولنے والا جھوٹا۔ سچ بولنے والا سچا۔ یہ ایک نئی قسم بے چاروں کی پیدا ہوئی ہے کہ بولتے ہیں سچ مگر ہیں جھوٹے۔ نہیں آپ نے توجہ نہیں کی۔ اس قسم کو یاد رکھئے گا۔ قرآن مجید نے پورا ایک سورہ نازل کیا ہے ان حضرات کے بارے میں تاکہ آدمی کو معلوم ہو جائے کہ خالی لفظوں سے آپ دھوکہ نہ کھائیے۔ ہو سکتا ہے لفظوں میں آدمی انتہائی سچا ہو مگر واقعاً انتہائی جھوٹا ہو۔ لفظوں کی دنیا الگ ہے حقیقتوں کی دنیا الگ ہے۔ اب لفظوں اور حقیقتوں میں فرق کیسے کیا جائے گا۔ قرآن نے دوسری آیت نازل کی دوسری جگہ پر پروردگار نے اسکا اعلان بھی کیا کہ ایسا کیسے ہو گا کہ بات جو کہے وہ سچ ہو۔ کہنے والا جھوٹا ہو "قالت الاعراب آمنا" پیغمبر یہ صحرائی آپ کے پاس آتے ہیں اور کہتے ہیں کہ ہم ایمان لے آئے "قل لم تومنوا"۔ آپ کہدیجئے کہ تم ایمان نہیں لائے۔ کیا بدقسمتی، بے کسی بے چاروں کی ہے کہ وہ آتے ہیں حضورؐ کو خوش کرنے کیلئے۔ کہتے ہیں کہ ہم ایمان لے آئے۔ خدا کہتا ہے۔ ان سے کہئے کہ تم ایمان نہیں لائے۔ یہ مروّت کی جگہ نہیں ہے۔ اسلئے کہ اگر آپ نے ان کے ایمان کو مان لیا تو اس کے خطرات بہت زیادہ ہیں۔ ہم ان خطرات کو سامنے نہیں آنے دیں گے۔ آپ صاف کہئے کہ تم مومن نہیں ہو۔ اب ظاہر ہے کہ یہ ناراض ہو جائیں گے ہم ایمان لائے ہیں۔ کہہ رہے ہیں مگر آپ نہیں مانتے ہیں۔ تو پھر ہم ہیں کیا " ولکن قولوا اسلمنا" آپ ان سے کہئے کہ تم لوگ یہ کہو کہ ہم اسلام لائے ہیں۔ مسلمان ہیں۔ ایمان کی بات نہ کرو "ولکن قولوا اسلمنا" کہو کہ ہم مسلمان

ہو گئے ہیں۔ ہم مان لیں گے۔ یعنی تمھارا اسلام ہمیں منظور ہے۔ تمھارا ایمان ہمیں قبول نہیں ہے۔ تو حضورؐ اگر آپ ان کے کہنے سے انھیں مسلمان مان سکتے ہیں تو ان کے کہنے سے انھیں مومن کیوں نہیں مان سکتے ہیں۔ تسلسل یاد رکھئے گا۔ یا تو یہ بالکل بے ایمان جھوٹے ہیں۔ نہ ان کا اسلام نہ ان کا ایمان۔ لیکن یہ کہیں کہ ہم مسلمان ہیں تو آپ مان لیجئے اور یہ کہیں کہ ہم مومن ہیں تو نہ مانئے۔ یہ کیسے جھوٹے، کیسے سچے ہیں کہ ایک بات کہیں تو سچے اور دوسری بات کہیں تو جھوٹے۔ خدا نے کہا نہیں فرق ہے۔ ہم اسلام کیوں مانتے ہیں ایمان کیوں نہیں مانتے ہیں "لما یدخل الایمان فی قلوبکم" آپ ان کو سمجھا دیجئے کہ چونکہ ایمان تمھارے دلوں میں داخل نہیں ہوا ہے لہٰذا ہم تمھیں مومن نہیں مان سکتے ہیں۔ اب تو اندازہ ہو گیا کہ اسلام کی دنیا الگ ہے ایمان کی دنیا الگ ہے۔ جب تک زبان سے لفظی بازیگری ہوتی ہے اسلام اور جب عقیدہ دل کی گہرائیوں میں اُتر جائے تو ایمان۔ جسکا دل خالی ہوتا ہے عقیدے سے وہ مسلمان تو ہوتا ہے مگر صاحب ایمان نہیں ہوتا ہے۔ ایمان نے اپنی جگہ زبانوں پر نہیں بنائی۔ ایمان نے اپنی جگہ دل میں بنائی ہے۔

اب بات آئی ہے تو ایک جملہ یاد رکھئے گا ایمان نے اپنا گھر بنایا ہے دل میں اور نفاق نے اپنا گھر بنایا ہے زبان پر۔ منافق کے دل میں کوئی ایمان نہیں ہے جو کچھ ہے زبان پر ہے۔ تو نفاق کی جگہ ہے زبان، ایمان کی جگہ ہے دل۔ اگر دل میں ایمان رہے اور زبان تک نہ آئے تو بھی نقصان نہیں ہے لیکن اگر زبان پر ایمان رہے اور دل میں نہ آئے تو خدا کہتا ہے کہ یہ مومن نہیں کہے جا سکتے ہیں۔ پرانا جملہ برابر آپ سنتے رہتے ہیں۔ یہی فرق ہے منافقت میں اور تقیہ میں۔ منافقت میں ایمان زبان پر ہوتا ہے دل میں نہیں ہوتا ہے اور تقیہ میں

ایمان دل میں ہوتا ہے چاہے زبان پر نہ آئے۔

اتنے واضح اور نمایاں فرق کے بعد بھی بعض سادہ لوح ہمارے مسلمان تقیہ کو منافقت کی ایک قسم قرار دیتے ہیں۔ ابھی آپ کو منافقت کے معنی ہی نہیں معلوم۔ آپ نے اپنے ہی کو نہیں پہچانا ہم کو کیا پہچانیں گے۔ ابھی آپ کو منافقت ہی کے معنی نہیں معلوم ہیں تو آپ کو تقیہ کے معنی کیا معلوم ہوں گے مگر میرے سلسلہ کلام کو ذہن میں رکھیں گے۔

یہ منافقین جب آکے کہتے ہیں کہ آپ رسول اللہؐ ہیں تو خدا کہتا ہے کہ یہ جھوٹے ہیں۔ یہ سچے کیسے بنیں گے۔ دوسری جگہ پر فیصلہ ہوا یہ اعراب آکے کہتے ہیں کہ ہم ایمان لائے آپ کہئے کہ تم مسلمان ہو۔ ایمان نہیں لائے۔ کیوں؟ اسلئے کہ ایمان ابھی دل میں نہیں ہے۔ اس آیت سے اندازہ ہوا کہ منافقین کو جھوٹا کیوں کہا گیا ہے اسلئے کہ اگر ایمان ان کے دل میں آگیا ہوتا اگر دل سے پیغمبرؐ کی رسالت کے قائل ہو گئے ہوتے۔ تو جھوٹے نہ کہے جاتے مگر چونکہ خدا نے یہ طے کر دیا کہ جن کا عقیدہ زبانوں پر رہتا ہے دل میں نہیں رہتا ہم اس عقیدہ کو نہیں مانتے ہیں لہٰذا منافقین کی یہی کمزوری ہے جس نے جھوٹا کہلوایا ہے۔ تو منافق تو اسلئے جھوٹے قرار پائے کہ ان کا عقیدہ ان کے دل میں نہیں ہے۔

اب آیئے سچا کون ہے اسے بھی تلاش کریں۔ جھوٹوں کا حال تو معلوم ہو گیا اب سچوں کو تلاش کریں ان کا حال کیا ہے۔ ممکن ہے کوئی آدمی مجھ سے کہے آپ کو کیا تکلیف ہے کہ سچے جھوٹے سب مسلمان معلوم ہو جائیں۔ ارے جیسے گاڑی چل رہی ہے چلنے دیجئے۔ اگر سب مسلمان کہے جاتے ہیں تو الحمد للہ مجمع بڑھ ہی رہا ہے۔ عالم اسلام میں کثرت پیدا ہو رہی ہے آپ کو کیا پریشانی ہے۔ آپ نے کیوں یہ ٹھیکہ لے لیا ہے کہ یہ معلوم ہونا چاہئے کہ ایمان میں کتنے سچے ہیں اور کتنے

جھوٹے ہیں۔ تو عزیزو! یہ میری ٹھیکیداری نہیں ہے۔ سورہ عنکبوت کی پہلی آیت ہے "الم احسب الناس ان یترکوا ان یقولوا آمنا وہم لایفتنون" کیا ان لوگوں نے یہ خیال کر رکھا ہے کہ یہ کہدیں گے کہ ہم ایمان لے آئے اور انھیں چھوڑ دیا جائے گا۔ ان کا امتحان نہیں لیا جائے گا۔ "ولقد فتنا الذین من قبلہم" ہم نے ان کے پہلے والوں کا امتحان بھی لیا ہے۔ خدا یا یہ امتحان کیوں لیا۔ کہا "فلیعلمن اللہ الذین صدقوا ولیعلمن الکاذبین" اسلئے کہ خدا یہ دیکھنا چاہتا ہے کہ کتنے دعوائے ایمان میں سچے ہیں اور کتنے جھوٹے ہیں۔ تو عزیزو! یہ ہماری کوئی ٹھیکیداری، ہمارا کاروبار نہیں ہے یہ امتحان تو خدا نے شروع کیا ہے۔ جب وہ یہ دیکھنا چاہتا ہے کہ کتنے دعوائے ایمان میں سچے ہیں اور کتنے جھوٹے ہیں۔ تو ہم بھی اسی کے کلام کی روشنی میں دیکھنا چاہتے ہیں کہ کن لوگوں کو اسنے سچا قرار دیا ہے اور کن لوگوں کو اس نے جھوٹا قرار دیا ہے۔

ہم نہ کوئی فتنہ چاہتے ہیں نہ کوئی فساد چاہتے ہیں۔ نہ کوئی تفرقہ چاہتے ہیں نہ کوئی اختلاف چاہتے ہیں۔ پروردگار یہ چاہتا ہے کہ اسے یہ معلوم ہوجائے اس پر یہ بات واضح ہوجائے۔ اس پر تو واضح ہے اگرچہ الفاظ یہی ہیں کہ خدا یہ جاننا چاہتا ہے کہ دعوائے ایمان میں کتنے جھوٹے ہیں اور کتنے سچے ہیں۔ لیکن اگر وہ جاننا چاہتا ہے تو جانتا کون ہے؟ اس کے معنی کیا ہوئے؟ حقیقت امر یہ ہے کہ خدا اپنے جاننے کے واسطے یہ کام نہیں کر رہا ہے کہ خد کو معلوم ہوجائے۔ کون پاس ہوا کون فیل ہوا۔ کون ایمان میں سچا ثابت ہوا کون جھوٹا ثابت ہوا۔ یہ خدا ہمارے آپ کے علم کیلئے کر رہا ہے۔ کہیں ایسا نہ ہو کہ کوئی جھوٹا ہے اگر ہمیں دھوکہ دے تو ہم اسکو سچا سمجھ لیں۔ ہوسکتا ہے اور ہوا ہے۔ چونکہ یہ خطرہ تھا کہ کوئی جھوٹا آکے کہے گا مجھ سے بڑا مومن کون ہے۔ سب سے پہلے تو میں ہی مسلمان ہوا ہوں اور کوئی صاحب

دھوکہ کھا جائیں۔ خدا نے کہا نہیں ہم چاہتے ہیں کہ سبکو معلوم ہوجائے کہ کون جھوٹا، کون سچا اور یہ معلوم ہوگا امتحان کے ذریعہ۔ اب امتحان کیسے ہوگا؟ یہ بعد میں۔

ابتک کتنے مرحلے طے ہوگئے؟ پہلا مرحلہ یہ کہ خدا نے منافقین کو جھوٹا قرار دیا۔ دوسرا مرحلہ یہ تلاش کرنا تھا کہ جھوٹے ہونے کی وجہ کیا ہے تو خدا نے کہا کہ جب تک عقیدہ زبان پر رہے اسکا نام ایمان نہیں ہے۔ جب دل میں آجائے تو ایمان ہے۔ لہذا منافقت اندر کا مسئلہ ہے۔ غور کریں۔ تو خدایا تو نے سچے مومن کی پہچان یہ بتائی ہے کہ اللہ و رسول پر ایمان ہو اور شک نہ ہو تو کوئی ایسی پہچان بتائی ہوتی کہ ہم صورت دیکھ کر پہچان لیتے۔ یہ سچا مومن ہے یہ جھوٹا مومن ہے۔ پہچان ایسی بتائی جس کی کسی کو اطلاع نہیں ہوسکتی۔ نہ یہ معلوم ہے کہ اندر ایمان ہے کہ نہیں۔ نہ یہ معلوم ہے کہ اندر شک ہے کہ نہیں۔ یہ سب تو اندرونی معاملات ہوگئے۔ ہم کیا کریں۔ ایسے اعلان کا فائدہ کیا ہوا۔ ایسے اعلان ایسے معیار ایسے میزان کا فائدہ کیا ہوا۔ جو کوئی نہ سمجھ سکے۔ خدا نے کہا سچا مومن وہی ہے جو خدا اور رسول پر ایمان لائے مگر شک نہ کرے۔ مگر کون کرے گا کون نہ کرے گا ہمیں کیسے معلوم ہوگا ہم تو ہر جھوٹے کو سچا ہی سمجھیں گے تو پروردگار نے کہا کہ جب ہم پہچنوانا چاہیں گے تو آپ پریشان نہ ہوں ہم دونوں قسموں کو پہچنوا دیں گے۔ انھیں بھی پہچنوائیں گے جن کے ایمان میں کبھی شک نہ داخل ہوا ہو اور انھیں بھی پہچنوا دیں گے جن کے ایمان میں شک داخل ہوجائے۔ یہ اندر کی باتیں تم نہ سمجھ سکو گے مگر ہم انھیں کو مجبور کریں گے کہ اعلان کریں۔ اب تم انسانوں کی تاریخ پڑھو جہاں شک نہیں آیا اسکا اعلان یہ ہے کہ "اگر سارے پردے ہٹا دیئے جائیں تو بھی ایمان میں زیادتی نہیں ہوسکتی" اور جہاں شک آگیا وہاں اعلان ہوا جیسا شک آج ہوا ہے۔۔۔

تو خدا یہ جاننا چاہتا ہے۔ خدا یہ دیکھنا چاہتا ہے۔ خدا یہ دکھلانا چاہتا ہے کہ دعوائے ایمان میں کتنے سچے ہیں اور کتنے جھوٹے ہیں۔ اور یہ کیسے معلوم ہوگا امتحان کے ذریعہ۔ امتحان لینے کے بعد خدا نے اعلان کر دیا کہ دعوائے ایمان میں وہ سچے ہیں جن کا ایمان اللہ و رسولؐ پر ہو اور اس کے بعد پھر کبھی شک نہ کیا ہو۔ خیر اگر یہ شک نہ بھی کھلے تو ایک دوسری پہچان میں نے بالکل سامنے کر دی اسے دیکھ لو اور پہچان لو "جاھدوا باموالھم وانفسھم فی سبیل اللّٰہ" راہ خدا میں مال سے بھی جہاد کریں اور جان سے بھی جہاد کریں۔ خدا نے پہلے جہاد مال کو رکھا یہ چھوٹا جہاد ہے حالانکہ ہمارے واسطے تو یہی بڑا جہاد ہے۔ ہمارے لیے جہاد نفس جان دیدینا اتنا بڑا کام نہیں ہے جتنا بڑا کام مال دیدینا ہے اسلئے اکثر لوگوں کو دیکھا ہے کہ کوئی دوست آیا دوست کے پاس۔ مجھے ضرورت ہے دو ہزار درہم کی آپ کے پاس ہوں گے؟ کہنے لگے کیا عرض کیا جائے۔ درہم تو نہیں ہے ویسے جان حاضر ہے۔ یعنی درہم نہیں دیئے جاسکتے ہیں جان دی جاسکتی ہے۔ تو ہماری نگاہ میں جان کی کوئی قیمت نہیں ہے۔ اصل قیمت جو کچھ ہے وہ مال کی ہے اور شائد اسی لیے پروردگار نے بھی پہلے مال کو رکھدیا ہے۔ اس کے بعد جہاد نفس کا ذکر کیا ہے اور شائد ایک مصلحت خدا یہ بھی ہو کہ جہاد نفس تو کبھی ہوگا اور کبھی نہ ہوگا جان کے ذریعہ جہاد کے بارے میں نہیں معلوم کہ کب معرکہ ہوگا۔ کب لڑائی ہوگی۔ کب کفار و مسلمین اکٹھا ہوں گے۔ کب جنگیں ہوں گی مگر مال کا جہاد تو صبح و شام ہوتا رہتا ہے۔ اگر دومنٹ کوئی بات کسی آدمی کے خلاف ہو بھی جائے خدانخواستہ تو "رکھیو غالب مجھے اس تلخ نوائی سے معاف"۔ جہاد مال میں ہم کہاں ہیں جہاد نفس میں ہم کہاں ہیں یا یوں کہا جائے کہ جہاد نفس میں کہاں ہوں گے یہ تو کل معلوم ہوگا جہاد مال میں کہاں ہیں یہ تو آج بھی معلوم ہوسکتا ہے۔

ایک جملہ آپ کو سناؤں آپ کو اندازہ ہو جائے گا۔ جب ہم نے اپنے ایمان اور عقیدہ کا اعلان کیا تو ہم نے کہا حسینؑ پر تو ہماری جان قربان ہے۔ کتنا محتاط اعلان ہے۔ کتنی احتیاط سے اعلان ہوا ہے۔ فرزند رسولؐ پر مولاؑ پر ہماری جان قربان ہے لیکن جب مال قربان کرنے کا وقت آیا تو میں بھی کبھی کبھی ایسے مناظر دیکھتا ہوں کہ جیب میں ہاتھ ڈال تو دیا اور جیب سے پیسہ بھی نکال لیا لیکن اب مسئلہ ہے قربانی کا۔ اسی پرس میں پانچ سو کا نوٹ بھی رکھا ہوا ہے۔ اِسی پرس میں دو سو کا نوٹ بھی ہے۔ اسی پرس میں سو کا نوٹ بھی ہے۔ اِسی میں پچاس کا نوٹ بھی ہے۔ اِسی میں دس کا نوٹ بھی ہے۔ اِسی میں خوش قسمتی سے پانچ کا نوٹ بھی ہے اور کھڑے ہیں اس کاؤنٹر پر جہاں یہ اعلان کرنا ہے کہ مولا پر جان قربان ہے۔ مجھے کیا حق ہے کسی کے ایمان میں شک کرنے کا۔ یقیناً جان قربان ہوگی۔ لیکن خدا نے کہا جہاد نفس تو بعد میں ہوگا۔ پہلے جہاد مال کرو۔ سارے ورق اُلٹ کے ڈھونڈھ کے پانچ کا نوٹ کھینچ کے نکالا۔ اس احتیاط کے ساتھ کہ کہیں ایک ساتھ دو نہ نکل آئیں۔ بس یہ ہے کل مال جو قربان ہے۔ سوچئے گا اطمینان سے گھر جا کے۔ اگر مولا بھی کوئی ہماری برادری کے آدمی ہوتے تو ان کو دھوکہ دینا بہت آسان ہوتا کہتے حضور ہم آپ پر قربان ہیں اور حضورؑ بھی خوش ہو جاتے مگر وہ تو ہمارے رگ و ریشہ سے باخبر ہیں۔ ہمارے دل کے حالات جانتے ہیں۔ ہماری نیتوں کو جانتے ہیں۔ ہمارے ضمیر کو پہچانتے ہیں۔ جو ہم خود اپنے بارے میں نہیں جانتے ہیں وہ جانتے ہیں۔ انھیں دھوکہ تو نہیں دیا جا سکتا ہے۔ آئے تھے اس جوش و خروش کے ساتھ کہ حضورؑ پر قربان اور جب قربانی کا وقت آیا تو بچ بچا کے جو سب سے کم تھا وہ نکالا، قربان کرنے کیلئے۔ ہم نے تم کو دیکھ لیا۔ ہم پر خالی یہ پانچ کا نوٹ قربان

ہے۔ باقی کچھ قربان نہیں ہے۔ اب اس کے بعد شیطان موجود ہی ہے سمجھانے کیلئے۔ کہا ٹھیک ہے دس بھی ہمارے پاس ہیں۔ بیس بھی ہمارے پاس ہیں پچاس بھی ہمارے پاس ہیں۔ سو بھی ہمارے پاس ہیں مگر کام بھی تو ہمارے پاس بہت ہیں۔ بچوں کا معاملہ ہے۔ بیگم کا معاملہ ہے۔ دوستوں کا معاملہ ہے۔ یہ معاملہ ہے وہ معاملہ ہے۔ لیکن یہ سب معاملات وہ ہیں جن میں کسی سے نہیں کہا کہ تم پر ہم قربان۔ نہ کبھی بیٹے سے کہا کہ تم پر ہم قربان۔ نہ کبھی بھائی سے کہا کہ تم پر قربان۔ نہ کبھی دوستوں سے کہا کہ تم پر قربان۔ جن پر قربان نہیں ہوئے ان کے واسطے دس والا بچا کے رکھا ہے ان کے واسطے بیس والا نوٹ بچا کے رکھا ہے۔ ان کیلئے پچاس والا، سو والا، پانچ سو والا بچا کے رکھا ہے اور جن پر قربان ہیں.....

" بس! اتنا ہی کافی ہے یہ جملہ میں نے صرف اسلئے کہدیا تاکہ ہر آدمی اگر دھوکہ میں ہے تو اپنا حساب کرلے۔ ورنہ حساب کرنا ہمیں آتا ہے۔ چودہ سو برس پہلے مر جانے والوں کا حساب تو ہم کر ہی لیتے ہیں تو پھر زندوں کا حساب کرنے میں کیا تکلیف ہے۔ کون سا مشکل کام ہے۔ ہم نے تو خالی حساب کا ایک طریقہ بتا دیا ہے کہ اگر کوئی آدمی حساب کرنا چاہتا ہے تو یہ پہچان لے کہ ہم جہاد نفس میں کہاں ہیں اور جہاد مال میں کہاں ہیں۔ ہمارا عمل کتنا ہے اور ہمارا دعوی کتنا ہے۔ اگر ہم جیسے صاحبان ایمان کا دعوی بھی عمل کے ساتھ نہیں چل سکتا ہے اور ہمارا عمل بھی ہمارے دعوے کی تصدیق نہیں کر سکتا ہے تو دوسروں کے بارے میں کیا کہیں۔ ان کا تو نہ دعویٰ کچھ تھا نہ عمل کچھ تھا۔

سب کا دعوی ایمان ہے کہ سچے ہیں لیکن اگر دل میں شک پیدا ہو جائے تو سچے نہیں ہیں۔ اگر مٹھی میں بخل پیدا ہو جائے تو سچے نہیں ہیں۔ اگر دل میں بزدلی پیدا ہو جائے تو سچے نہیں ہیں۔ سچے دعوائے ایمان میں وہ ہیں کہ دل بھی

مضبوط رہے، شک نہ آنے پائے۔ مٹھی بھی کھلی رہے راہ خدا میں قربانی کیلئے۔ اور مال قربان کرتا رہے۔ اس قدر حوصلہ سلامت رہے جان دینے کا کہ وقت آئے تو اپنی جان کو بھی راہ خدا میں عزیز نہ کرے "اولئک ھم الصّادقون" یہ وہ ہیں جنکو پروردگار عالم امتحان کے بعد دعوائے ایمان میں سچا قرار دیتا ہے۔

کتنی منزلیں طے ہو گئیں جوڑتے رہئے گا۔ منافقین جھوٹے ہیں۔

کیوں جھوٹے ہیں۔ اعراب کے بارے میں واضح کیا گیا۔ اسلئے کہ ایمان دل کے اندر نہیں ہے اور ایمان کے دعوے میں کچھ جھوٹے ہیں کچھ سچے ہیں۔ جنکا پہچاننا بھی ضروری ہے۔ یہ کام خدا نے شروع کیا ہے اور جب پہچاننے کی منزل میں آئے تو خدا نے اعلان کر دیا جہاں شک نہ ہو۔ جہاں جہاد مال ہو۔ جہاد نفس ہو سمجھو وہاں دعوائے ایمان میں صداقت ہے ورنہ دعوائے ایمان جھوٹا ہے۔

ان چار منزلوں کے بعد اب ایک پانچویں منزل سنئے جہاں براہ راست اللہ نے پیغمبرؐ پر ایمان لانے کا واضح فیصلہ کیا ہے اور اتنا سنگین فیصلہ قرآن مجید کا دیگر مقامات پر نظر نہیں آتا ہے "فلاوربک لایومنون حتی یحکموک فیما شجر بینھم" پیغمبر میں اپنی ذات کی قسم کھا کے کہہ رہا ہوں کہ یہ لوگ صاحب ایمان نہیں ہو سکتے۔ کبتک؟ "حتی یحکموک فیما شجر بینھم" جب تک اپنے درمیانی اختلافات میں آپ کو حکم نہ بنائیں۔ میں پھر آ گیا اپنی منزل پر۔ جب تک اپنے درمیانی اختلافات میں آپ سے فیصلہ نہ کرائیں یہ صاحب ایمان نہیں ہو سکتے۔ تو اگر یہ اپنے معاملات کا خود فیصلہ کریں گے تو صاحب ایمان کہیں ہیں معاملات خود طے کریں گے اگر یہ اپنے معاملات ان کے ہوں مگر فیصلہ آپ کا ہو۔ تو سوچئے جب خدا کو یہ گوارا نہیں ہے کہ اپنے معاملات کا فیصلہ خود کریں تو جب ایمان کے دعویدار خدا کے معاملات کا فیصلہ کرنے بیٹھیں گے کہ معاملہ خدا کا اور فیصلہ کرے گا بندہ تو یہ بندہ کیسے صاحب ایمان ہو جائے گا یہ تو اس وقت تک

صاحب ایمان نہ ہوں گے جب تک آپ سے فیصلہ نہ کرائیں۔ اچھا آگئے فیصلہ کرانے کیلئے۔ آپ نے فیصلہ کردیا۔ اس کے بعد ہوگئے مومن۔ خدا نے کہا نہیں "ثم لایجدوا فی انفسہم حرجا مما قضیت" اس کے بعد میرے حبیبؐ جب آپ کوئی فیصلہ کردیں تو اس فیصلہ کے خلاف اپنے دل میں تنگی کا احساس نہ کریں۔ کہ یہ کیا کہدیا۔ یہ فیصلہ کیوں کردیا۔ ایسا نہیں کرنا چاہئے تھا۔ اپنے بچے ہیں ان کی خاطر سجدے کو طول دئے چلے جارہے ہیں۔ بیٹی ہے اس کے لیے کھڑے ہوئے جا رہے ہیں۔ یہ سب کیا کر رہے ہیں۔ اگر دل میں خیال بھی پیدا ہوگیا نبوت کے فیصلے کے خلاف تنگی کا احساس بھی پیدا ہوگیا۔ تو پھر میرے حبیبؐ یہ صاحب ایمان نہیں ہوسکتے۔ شان ایمان یہ ہے کہ "یسلموا تسلیما" اپنے کو آپ کے حوالے کردیں۔ جب تک منزل تسلیم میں نہ آجائیں گے یہ صاحب ایمان نہ ہوں گے۔ اور یہ مسئلہ وہ تھا جسکے واسطے خدا نے اپنی ذات کی قسم کھا کے اعلان کیا ہے۔ اب دیکھئے مسئلہ ایمان کا کتنا مشکل ہوگیا۔ جب کوئی اختلاف ہو تو حضورؐ سے فیصلہ کرائیں اور جب فیصلہ کردیں تو اپنے حق میں ہو یا اپنے خلاف ہو مگر دل میں کوئی تنگی کا احساس نہ پیدا ہو خوش رہیں کہ حضورؐ کا فیصلہ ہے۔ کیا کہنا ہے سرکار کا فیصلہ ہے۔ چاہے ہمارے خلاف ہی کیوں نہ ہو۔ اگر یہ حوصلہ یہ ہمت ہے تو اس کے معنی ہیں کہ صاحب ایمان ہے اور اگر یہ حوصلہ نہیں ہے تو صاحب ایمان نہیں ہے۔ اسی مسئلہ کا پروردگار عالم نے دوسرے مقام پر اعلان کیا "یاایہاالذین آمنوا اطیعواللہ واطیعوالرسول و اولی الامر منکم" اللہ کی اطاعت کرو، رسول کی اطاعت کرو، صاحبان امر کی اطاعت کرو "فان تنازعتم فی شئی" اس کے بعد اگر آپس میں کسی بات پر جھگڑا ہوجائے "فردوہ الی اللہ والرسول" تو مسئلہ کو خدا اور رسول کے حوالے کردینا۔ اگر اپنے جھگڑوں کا خود تم نے فیصلہ کرلیا تو صاحب ایمان نہیں

ہو۔ صاحب ایمان ہونے کی شرط یہ ہے کہ خدا کے حوالے کرو۔ رسول کے حوالے کرو۔ اگر خدا تک نہیں جا سکتے تو رسول تو سامنے موجود ہے۔ مسئلہ کو اس کے حوالے کردو۔ اگر نبیؐ سے فیصلہ کرالیا تو صاحب ایمان ہوگئے اور اگر نبی سے فیصلہ نہیں کرایا تو خدا خود کہتا ہے کہ میری ذات کی قسم یہ صاحب ایمان نہیں ہیں۔ اس شدت کا احساس آپ رکھیں گے۔ اب میں آخری مرحلہ پر دو ایک جملے گزارش کرنا چاہتا ہوں تاکہ جن نکتوں پر بات واضح نہیں ہوئی ہے ان پر بھی واضح ہوجائے۔

معبود نے آخری مرحلہ پر آخری فیصلہ سنا دیا کہ شرط ایمان یہ ہے کہ جب کوئی اختلاف ہو تو فیصلہ نبی سے کرائیں اور جب نبی فیصلہ کردیں تو کسی طرح کی تنگی کا احساس نہ ہو "فان تنازعتم فی شئی" جب کسی بات میں تنازع جھگڑا ہو تو خدا کے حوالے کرو رسول کے حوالے کرو اب ہمارے ایمان کا دارومدار اس بات پر ہے کہ جب کوئی جھگڑا ہو تو فیصلہ حضورؐ سے کرائیں۔ اگر پیغمبرؐ سے فیصلہ کرالیا تو مومن ہوگئے اور پیغمبرؐ سے فیصلہ نہیں کرایا تو منافق و کافر ہوگئے۔ اب ہم پیغمبرؐ سے فیصلہ کرانا نہیں چاہتے۔ ہم پیغمبرؐ کے فیصلہ کو ماننا نہیں چاہتے تو خدا کہتا ہے کہ نبیؐ سے فیصلہ نہ کراؤ گے تو مومن نہ ہوگے۔ اب کریں کیا۔ ہم بھی سمجھدار ہیں۔ ہم تو صحرا بیابان کے رہنے والے نہیں ہیں۔ پڑھے لکھے ہیں۔ سمجھدار ہیں۔ ہم نے کہا مسئلہ کا حل موجود ہے۔ خدا نے کیا کہا ہے جب کوئی جھگڑا پیدا ہو تو خدا اور رسولؐ سے فیصلہ کراؤ جب جھگڑا پیدا ہو۔ اگر خدا اور رسولؐ سے فیصلہ کرائیں گے تو مومن ہیں نہ کرائیں گے تو مومن نہیں ہیں۔

ہم نے کہا ہم سمجھدار ہیں جب تک نبیؐ سامنے رہیں گے ہم جھگڑا کریں گے ہی نہیں کہ حضورؐ سے فیصلہ کرانا پڑے۔ خدا نے تو کہا ہے کہ جب جھگڑا پیدا

ہوجائے تو فیصلہ یہ کریں نگے۔ یہ فیصلہ نہ کریں گے تو تم صاحب ایمان نہ بنوگے تو بہترین بات یہ ہے کہ جھگڑے کو اتنی دیر روک لیا جائے کہ ان سے فیصلہ کرانے کی ضرورت ہی نہ پڑے۔ ایمان بھی سلامت رہے گا اور آیت پر عمل بھی ہوتا رہے گا۔ پروردگار نے کہا اگر تم میں اتنی ذہانت پائی جاتی ہے اگر تم میں اتنی ہوشیاری پائی جاتی ہے تو یہ ذہن بھی تو ہمارا ہی بنایا ہوا ہے۔ یہ دماغ بھی ہمارا ہی بنایا ہوا ہے ہم سے تو کوئی بندہ آگے نہیں جاسکتا ہے۔

یہ بات اچھی نہیں لگتی ہے ایک پرانی مثل ہے بلکہ پرانا قصہ ہے اور بغیر مثالوں کے بچوں تک بات منتقل نہیں ہو سکتی ہے لہٰذا بس دو منٹ کے اندر یہ مثال بھی آپ سن لیں۔ بادشاہ اور وزیر میں ہو گیا اختلاف۔ بادشاہ وزیر کو ملامت کرتا تھا کہ تم لوگوں کو اگر صحیح تربیت دو تو لوگ واقعا صحیح اچھے خاصے مسلمان، مومن یا باقاعدہ انسان شریف ہوجائیں۔ یہ تربیت کی کمزوری ہے جو لوگ ٹھیک نہیں ہوتے ہیں۔

وزیر کہتا تھا کہ بعض لوگ واقعاً شریر ہوتے ہیں خبیث ہوتے ہیں۔ نالائق ہوتے ہیں۔ کتنی ہی آپ ان کو تربیت دیجئے ٹھیک نہیں ہو سکتے ہیں۔ بادشاہ کا دعویٰ یہ ہے کہ نہیں تربیت سے سب کچھ ہوسکتا ہے اب ظاہر ہے کہ وزیر بے چارہ کیا بحث کرے گا۔ کل وزارت سے برخواست کردیا جائے گا مگر بادشاہ کو یہ خیال ہے کہ وزیر پر یہ ثابت کردینا ضروری ہے کہ تربیت سے سب کچھ ہوسکتا ہے۔ اُس نے دوسرے آدمی سے کہا کہ تم بتاؤ تربیت سے انقلاب پیدا ہوسکتا ہے یا نہیں؟

اس نے کہا بے شک ہوسکتا ہے۔ کہا تم کچھ کرکے دکھلاؤ تاکہ میں وزیر پر حجت تمام کردوں۔

اس نے کہا کہ حضور تھوڑا موقع دیجئے۔ وزیر دو بلیاں لایا اور بلیوں کو ٹریننگ دینا شروع کی کہ جب بادشاہ آکے بیٹھے تو بادشاہ کے سامنے شمع لیکر کھڑی ہوجائیں ایک دن دو دن چار دن مہینہ دو مہینہ گزر گیا۔ جب بادشاہ آکے دربار میں بیٹھتا ہے بلیاں شمع لیکر کھڑی ہوجاتی ہیں۔ جب بادشاہ کو اطمینان پیدا ہوگیا کہ اب کوئی دھوکہ نہیں ہوگا تو ایک دن وزیر کے سامنے پھر ذکر کیا کہ تربیت سے زندگی میں انقلاب آسکتا ہے۔ وزیر نے کہا کہ میں نے آپ سے گزارش کی ہے کہ نہیں ہوسکتا ہے۔ اب آپ نہیں مانتے ہیں تو میں آپ سے کیسے بحث کروں۔

فرمایا تم کو شرم نہیں آتی ہے یہ کہتے ہوئے کہ نہیں ہوسکتا ہے۔ یہ دیکھو کیا ہورہا ہے بلیوں کا کام ہے شمع لیکر کھڑا ہونا؟ یہ کام آدمیوں کا ہے۔ آدمی شمع لیکر کھڑا ہوتا ہے۔ بلیاں یہ کام نہیں کرتی ہیں۔ مگر تربیت سے ہوا کہ نہیں ہوا۔ اگر تربیت سے بلیوں کا مزاج بدل سکتا ہے تو آدمی کا مزاج کیوں نہیں بدل سکتا ہے۔

وزیر نے دیکھا کہ بادشاہ اتنی اونچی دلیل لے آیا ہے کہ سارا مجمع قائل ہوگیا ہے۔ میں ہار گیا۔ بادشاہ سلامت جیت گئے۔ اب مجھے کیا سزا ملتی ہے۔

اس نے کہا حضور آپ نے دو چار مہینہ کی محنت سے اپنے دعویٰ کو ثابت کیا ہے۔ دو چار منٹ کا وقت مجھے بھی دیجئے تاکہ میں اپنے دعویٰ کے بارے میں کچھ کہہ سکوں۔ کہا جاؤ تمہیں وقت دیدیا۔ وزیر دربار سے باہر نکلا اور باہر آنے کے بعد کیا کوشش کی۔ کیا محنت کی۔ خدا بہتر جانتا ہے کہیں سے ایک چوہے کا بچہ پکڑ کے لے آیا مٹھی میں دبا کے ایک چھوٹا سا چوہے کا بچہ لے آیا۔ کہا حضور کیا فرما رہے تھے۔ کہا میں فرما نہیں رہا ہوں۔ میں تم کو دکھا رہا ہوں۔ دیکھو تربیت سے مزاج کیسے بدلتا ہے۔ کہا حضور کیا آپ کا خیال ہے کہ بلیوں کا مزاج بدل گیا ہے۔ کہا بالکل بدل گیا ہے۔ کیا اندھے ہوگئے ہو دیکھ نہیں رہے ہو کہ شمع لیے

کھڑی ہیں۔ اسنے کہا حضور اپنی کرامت دکھلا چکے۔ اب حقیر کی کرامت دیکھئے۔ یہ کہہ کر چوہے کا بچہ مٹھی سے نکال کے چھوڑ دیا۔ کہاں کی شمع اور کیسی روشنی۔ دونوں بلیاں ٹوٹ پڑیں۔ اب بادشاہ کی جو حالت ہوئی وہ آپ محسوس کر سکتے ہیں۔ وزیر نے کہا سرکار آپ نے دیکھ لیا اصل میں ویسے حالات نہیں آئے جن میں فطرت پہچانی جاتی ہے ورنہ حالات پیدا ہو جائیں تو اس کے بعد آپ بتائیے کہ کیا ہوا تو میں مان جاؤں گا۔ توبہ کر رہے ہیں۔ لوگ یہ سوچ رہے تھے کہ درمیان میں کوئی چوہے کا بچہ آنے ہی نہیں پائے گا۔ بلا تشبیہ گزارش کر رہا ہوں۔ نہ درمیان میں چوہے کا بچہ آنے پائے گا اور نہ فطرت پہچانی جائے گی۔ مگر پیدا کرنے والے نے کہا کہ جب میں پہچنوانا چاہوں گا تو فطرت سامنے آجائے گی۔ تم نے طے کر لیا کہ جب تک یہ رہیں گے فیصلہ کرنے والے ہم جھگڑا نہ کریں گے۔ ہم جب پہچنوانا چاہیں گے تو ایسا انتظام کر دیں گے کہ فطرت کھل کے سامنے آجائے گی۔ اچھی خاصی زندگی گزر گئی۔ باعزت سب آمنا صدقنا کہہ رہے تھے۔ عزیزو میں کچھ گزارش نہ کروں گا۔ خود سوچئے گا۔ جسکی ایسی باعزت زندگی گزری ہو کہ جو جملہ زبان سے نکلے آمنا۔ جو بات کہیں صدقنا۔ سب قربان، سب صدقے۔ سب نچھاور، اسے کیا تکلیف تھی کہ ایسی بات کہدے کہ سب کہیں ھذیان، بکواس۔ وہ اپنی عزت کو کیوں خطرہ میں ڈال رہا ہے۔ مگر مسئلہ عزت کو خطرہ میں ڈالنے کا نہیں ہے۔ مسئلہ اس دبی ہوئی فطرت کو اُبھارنے کا ہے۔ اتنی باعزت زندگی گزارنے والا اب آخر میں کہتا ہے ایک قلم دوات لے آؤ۔ ارے آپ کو تو معلوم ہے کہ کچھ ہونے والا نہیں ہے۔ ضرورت ہی کیا ہے کہ ایسی بات کہیں کہ اسی بات سے بہت سی باتیں پیدا ہو جائیں۔ لیکن کہدیا قلم دوات لاؤ۔ اتنے دنوں سے سب سنبھالے ہوئے ہیں اپنے کو کوئی۔ جھگڑا نہ ہونے پائے گا۔ میں نہیں کہتا۔ امام بخاری فرماتے

ہیں۔ اب جھگڑا شروع ہو گیا۔ دیا جائے، نہ دیا جائے۔ لایا جائے، نہ لایا جائے۔ اتنا اختلاف بڑھا کہ حضورؐ نے خود فرمایا "لا ینبغی عند نبی تنازع" نبی کے سامنے جھگڑا نہیں ہو سکتا۔ یعنی اب جو کچھ ہو رہا ہے۔ اس کا نام حضورؐ نے پیار و محبت نہیں رکھا ہے صحیح کتاب کی روایت کی بنا پر حضورؐ نے اسکا نام رکھا ہی تنازع۔ لفظیں یاد کر لیجئے کام آئیں گی۔ حضورؐ نے اسکا نام رکھا ہے جھگڑا۔ اور جب حضور نے کہا ہے جھگڑا تو اب قرآن نے کہا۔ مسلمانو جب کوئی جھگڑا پیدا ہو جائے تو پیغمبرؐ سے فیصلہ کرانا۔ اگر پیغمبرؐ سے فیصلہ نہ کرایا تو پروردگار کی قسم تم صاحب ایمان نہیں ہو سکتے ہو۔

تو عزیزان محترم! ہر مسلمان کی ذمہ داری ہے کہ حضورؐ کے فیصلے کے آگے سر جھکا دے۔ سر تسلیم خم کر دے۔ حضورؐ کے فیصلہ کے مقابلہ میں دل میں احساس بھی نہیں ہو سکتا۔ کبھی یہ نہ سوچئے گا کہ مغرب کی تین رکعت کیوں ہے۔ اور صبح کی دو کیوں ہے۔ اور عصر کی چار کیوں ہے۔ عشاء کی چار کیوں ہے۔ کبھی نہ سوچئے گا۔ جو فیصلہ ہو گیا وہ ہو گیا۔ جو فرما دیا وہ فرما دیا۔ بغیر وحی خدا کے فرماتے نہیں ہیں۔ جو فرما دیا اسی کے سامنے ہماری ذمہ داری ہے کہ سر جھکا دیں۔ اب اپنی عقل اپنا خیال اپنا مزاج اپنی سوچ اپنی فکر۔ ان باتوں کا کوئی گزر نہیں ہے۔ یہ تو منزل تسلیم ہے جو کہدیں وہی ماننا پڑے گا اسلئے کہ ان پر ایمان لائے ہیں۔ اپنی عقل پر ایمان نہیں لائے۔ اپنے مزاج پر ایمان نہیں لائے۔ ایمان ان پر لائے ہیں اگر ایسے ہی صاحب عقل تھے تو ایمان ہی نہ لائے ہوتے۔ اگر آپ ان سے زیادہ سمجھ سکتے ہیں اور ان کی باتیں سب بیماری کا نتیجہ ہیں اور آپ کی باتیں سب عقلمندی کا نتیجہ ہیں۔ تو ان سے کہئے کہ آپ کا کلمہ پڑھیں۔ آپ کو کیا تکلیف ہے کہ آپ ان کا کلمہ پڑھتے ہیں۔ جو زیادہ سمجھدار ہے اسکا کلمہ پڑھنا چاہئے۔ جو سمجھدار ہے وہ

غیر سمجھدار کا کلمہ کیوں پڑھے گا۔ لیکن اگر ایمان لائے ہیں تو شرط ایمان یہ ہے کہ ان کے سامنے سر جھکانا ہوگا۔ ان کے سامنے سر نہیں اٹھانا ہوگا عجب بات ہے اگر ایمان لائے ہو تو ان کے سامنے سر جھکانا ہوگا ان کے سامنے سر اٹھانے کی کوئی گنجائش نہیں ہے۔ یہ کیا ایمان ہے کہ نبیؐ سامنے آئے تو سب کا سر اٹھ جائے اور عمرو بن عبدود سامنے آئے تو کسی کا سر نہ اٹھے۔ اب ہم نے اندر کے مزاج کو پہچان لیا۔ یہ سر کہاں اٹھتا ہے اور کہاں جھک جایا کرتا ہے۔

شرط ایمان یہ ہے کہ جہاد ہو مال سے، جان سے۔ حقیقی صاحب ایمان وہ ہے جو جان و مال سے جہاد کرنے کا حوصلہ رکھتا ہو۔ اگر دنیا کی تاریخ میں ایسے مجاہدین نہیں ہیں تو نہ ہوں ہمارا کیا قصور ہے۔ اگر دنیا کی تاریخ میں میدان جہاد میں ثبات قدم کا مظاہرہ کرنے والے نہیں ہیں تو نہ ہوں ہمیں کیا تکلیف ہے۔ اگر دنیا کی تاریخ میں میدان موت سے ہٹ جانے والے ملتے ہیں تو ملا کریں ہم سے کوئی تعلق نہیں ہے۔ ہماری تاریخ میں تو وہ کردار ملتے ہیں کہ اگر مرنے کا ذکر نہ آئے تو پریشانی ہے۔ "قل ان الموت الذی تفرون منہ" یہ بھی ایک کردار تھا خود قرآن مجید کہتا ہے آپ انہیں سمجھائیے کہ جس موت سے بھاگ رہے ہو بھاگ کے کہیں جا نہیں سکتے۔ "اذ تصعدون ولا تلوون" پیغمبرؐ یاد دلائیے کہ جب آپ پکار رہے تھے اور یہ پلٹ کے نہیں آرہے تھے۔ یہ میدان موت میں نہیں آنا چاہتے ہیں۔ جان دینے کا حوصلہ نہیں رکھتے ہیں۔ یہ مرنے کی ہمت نہیں رکھتے ہیں۔ ایک تاریخ وہ بھی ہے جو بڑوں کی تاریخ ہے۔ بزرگوں کی تاریخ ہے۔ سن و سال والوں کی تاریخ ہے کہ موت سامنے آجائے تو میدان چھوڑ کے سامنے سے چلے جائیں اور ایک بچوں کی تاریخ ہے۔ ایک کمسنوں کی تاریخ ہے۔ ایک نابالغوں کی تاریخ ہے کہ جب سب کا ذکر آیا کہ کل راہ خدا میں سب قربان ہوں گے اور بچہ

کا ذکر نہیں آیا تو دنیا کا کوئی دوسرا بچہ ہوتا تو خوش ہو جاتا کہ کوئی نہ رہے گا مگر ہم رہ جائیں گے ہماری جان بچ جائے گی۔ مگر یہاں عجیب منظر دیکھا جب محضر شہادت سنایا گیا سب کا نام آیا ایک بچہ کا نام نہیں آیا تو بچہ مولا کے سامنے سے اٹھا خیمہ کے ایک گوشہ میں جا کے بیٹھ گیا اور بیٹھ کے زار و قطار رونا شروع کیا۔ ہائے میرا مقدر۔ دو برس کی عمر تھی کہ باپ کا سایہ سر سے اٹھ گیا۔ یتیمی کی زندگی گذاری۔ باپ کے سائے سے محروم رہا۔ ایک آخری وقت آیا تھا ایک آخری سعادت کا، ایک آخری شرف، ایک آخری عزت کا، یہ بھی مقدر میں نہیں ہے۔ ابھی بچہ رو رہا تھا کہ روتے روتے نہ جانے کیا ذہن میں خیال آیا کہ جب میں انتہائی کمسن تھا باپ کی گود میں اور باپ دنیا سے رخصت ہو رہا تھا تو ایک تعویذ مجھے دیا تھا کہ بیٹا جب کوئی سخت وقت آجائے تب اس تعویذ کو کھولنا اس سے پہلے نہیں اور تعویذ کو دیکھ لینا جو اس میں لکھا ہو اس کے مطابق عمل کرنا۔ جیسے ہی یہ خیال آیا فوراً تعویذ کو کھولا۔ دیکھا لکھا ہے "بُنَیَّ قاسم اورک عمک الحسینؑ" بیٹا قاسم تم سے بس اتنا کہنا ہے کہ چچا کا ساتھ نہ چھوڑنا۔ اپنے چچا حسینؑ کا خیال رکھنا۔ بس قاسم نے یہ دیکھا تو دل باغ باغ ہو گیا۔ لبوں پر تبسم ہے۔ آئے مولا کے سامنے۔ فرمایا بیٹا خیر تو ہے۔ خوش دکھائی دے رہے ہو۔ کہا ہاں چچا ایک نوشتہ لیکر آیا ہوں ذرا اسے آپ پڑھ لیں۔ مولاؑ نے کاغذ کو لیا پڑھا۔ آنکھوں میں آنسو آگئے۔ کہا بیٹا یہ نوشتہ لیکر آئے ہو یا اپنی موت کا پیغام سنانے آئے ہو۔ ہائے اولاد والو، تیرہ برس کا کمسن بچہ اپنی موت کا پیغام سنانے آیا ہے۔ فرمایا میرے لال سنو۔ کل وہ قربانی کا دن ہے کہ سب راہ خدا میں قربان ہو جائیں گے۔ بیٹا قاسم تمہارا کیا ذکر ہے تمہارا چھ مہینہ کا بھیا علی اصغر بھی راہ خدا میں قربان ہو جائے گا۔ غیرت دارو، متوجہ

رہنا۔ جب قاسم نے اپنے مرنے کا ذکر سنا تو خوش ہو گئے مگر جیسے ہی مولاؑ نے کہا کہ تم کیا تمہارا چھوٹا بھیا علی اصغر بھی راہ خدا میں کام آجائے گا ایک مرتبہ بے قرار ہو گئے۔ کہا چچا "ھل یصلون الی الخیام" اے چچا کیا یہ اشقیا خیمہ میں آجائیں گے۔ ہاشمی بچہ کی غیرت گوارا نہیں کر سکتی کہ اشقیا خیمہ میں داخل ہو جائیں۔ حسینؑ نے قاسم کو یہ کہہ کر سمجھا دیا۔ بیٹا میں علی اصغر کو لیکر میدان میں جاؤں گا۔ مگر جی چاہتا ہے گذارش کروں۔ قاسم یہ تمہارا حوصلہ تھا تم یہ نہ سوچ سکے کہ اشقیا خیمہ میں آجائیں گے اور یہ عابدؑ بیمار کا حوصلہ تھا کہ خیمے جل رہے ہیں۔ چادریں چھن رہی ہیں اور بیمار اس منظر کو دیکھ رہا ہے۔

بس عزیزو اب کتنے دن باقی رہ گئے ہیں۔ اب تو یہ تذکرے وہ ہیں کہ جہاں بنی ہاشم کے گھر میں صف عزا بچھی ہے۔ یہ رات بھی گذر گئی صبح کا وقت آیا اب جو قربانی کا وقت آیا اولاد عقیل کی قربانی کے بعد جب اولاد علیؑ کی قربانی کا وقت آیا تو اولاد علی میں امام حسینؑ اور امام حسنؑ کی اولاد میں جناب قاسم۔ پھر آئے چچا کے سامنے چچا آپ نے تو فرمایا تھا کہ محضر شہادت میں تمہارا نام بھی ہے۔ کل راہ خدا میں تمہیں بھی قربان ہونا ہے۔ تو چچا پھر اب اجازت دیدیجئے۔ حسینؑ نے قاسم کو سر سے پیر تک دیکھا۔ عزیزو لفظوں کا کہہ دینا اور سن لینا بہت آسان ہے مگر جس پر گذر رہی ہے اسکا دل جانتا ہے۔ امام حسینؑ نے بھتیجے کو سر سے پیر تک دیکھا۔ بیٹا میدان میں جانا چاہتے ہو۔ کہا ہاں چچا اب اجازت دیدیجئے۔ اب میدان میں جانے دیجئے۔ اب مجھے قربان ہونے دیجئے۔ کہا اچھا بیٹا ٹھہرو۔ یہ کہہ کر امام حسینؑ نے قاسم کو سجانا شروع کیا۔ پہلے سر پر عمامہ باندھا اور عمامہ باندھا تو دونوں سرے سینے پر لٹکا دیئے۔ زرہ پہنائی۔ تلوار کمر سے لگائی۔ قاسم کو تیار کیا۔ اب جو قاسم آراستہ ہو گئے چلنا چاہتے ہیں تو نہ جانے مولاؑ کو کیا خیال آیا۔ ایک مرتبہ قاسم کا گریبان

چاک کردیا۔ بچے نے گھبرا کے پوچھا۔ چچا کیا مجاہدوں کے سجانے کا یہ بھی کوئی طریقہ ہوتا ہے۔ کیا میدان میں جانے والوں کا یہ بھی کوئی طریقہ ہوتا ہے۔ یہ آپ نے گریبان کیوں چاک کردیا۔ کہا بیٹا یہ یتیموں کی نشانی ہے یہ کہہ کر حسینؑ چاہتے تھے کہ قاسم کو گھوڑے پر بٹھائیں کہ ایک مرتبہ کلیجہ سے لگالیا۔ کلیجہ سے لگا کے رونا شروع کیا۔ اُدھر بھتیجہ رو رہا ہے اِدھر چچا رو رہا ہے۔ دونوں اتنا روئے کہ تاریخ کا فقرہ ہے کہ غش کھا کے گر پڑے۔ ہائے وہ ثانی زہراؑ کی مجبوری۔ اُدھر بھتیجہ غش کے عالم میں اِدھر بھائی غش کے عالم میں اور خیمہ میں ایک قطرہ پانی نہیں۔ زینب کیسے ہوش میں لانے کا انتظام کریں۔ شہزادی بیٹھ گئیں۔ آنسوؤں کا چھڑکاؤ شروع کیا۔ حسینؑ نے آنکھیں کھولیں۔ قاسم کو بیدار کیا۔ بچہ کو کلیجہ سے لگایا۔ بازو تھام کے گھوڑے پر بٹھایا۔ بس اب جو قاسم چلے۔ میدان میں آئے۔ قاسم کا جہاد شروع ہوا۔ مگر عالم یہ ہے کہ اِدھر ایک کے بعد ایک بڑے سے بڑا پہلوان آرہا ہے اور اُدھر قاسم ایک ایک وار میں اسکا خاتمہ کر رہے ہیں۔ اُدھر سے تربیت دینے والا داد شجاعت دے رہا ہے۔ شاباش میرے لال۔ عباس بھتیجے کا جہاد دیکھ رہے ہیں۔ شاباش میرے لال شاباش میرے قاسم۔ جہاد کا سلسلہ چلتا رہا۔ ایک مرتبہ چاروں طرف سے حملہ ہوگیا اور زخموں کی تاب نہ لاکر گھوڑے پر ٹھہر نہ سکے۔ جب خاک کیطرف چلے۔ آواز دی۔ عماہ چچا آیئے۔ حسینؑ کے کانوں میں آواز آئی۔ ایک مرتبہ کمر کو کس کے باندھا۔ میدان کا رخ کیا روایت کہتی ہے کہ اب جو آگے بڑھے تو دیکھا کہ قاتل سرہانے بیٹھا ہوا ہے۔ تلوار ہاتھ میں ہے قاسم کا سر کاٹنا چاہتا ہے۔ قاسم نگاہیں اٹھا اٹھا کر چچا کو دیکھ رہے ہیں۔ حسینؑ اس تیزی سے دوڑتے ہوئے جارہے ہیں کہ کیسے زندہ بھتیجے تک پہونچ جائیں۔ بس اسی کش مکش کے عالم میں نہ جانے قاسم پر کیا گذر گئی کہ اُدھر کے سوار اِدھر۔ اِدھر

کے سوار اُدھر۔ رونے والو مقتل میں میں نے یہ منظر دیکھا ہے کہ جب سینہ پر چوٹ پڑتی تھی تو گھبرا کے کہتے تھے چچا۔ چچا۔ چچا۔ حسینؑ نے کہا اے بیٹا تیرے چچا کیلئے بڑا سخت وقت ہے کہ میں آیا مگر تیرے کام نہ آسکا۔ میں آیا مگر تجھے دشمنوں سے نہ بچا سکا۔ ہائے میری نگاہ کے سامنے تصویر برادر خاک میں مل گئی۔ اے بھیا یہ تمہارا لال۔ اے بھیا حسنؑ یہ تمہارا قاسم ۰۰۰۰۰ انا للّٰہ وانا الیہ راجعون۔

سیعلم الذین ظلموا ای منقلب ینقلبون

مجلس ۸

صاحبان ایمان و تقوی وہ ہیں جو اس رسولؐ نبی اُمی کا اتباع کرتے ہیں جسکا تذکرہ توریت میں بھی ہے اور انجیل میں بھی۔ وہ نیکیوں کا حکم دیتا ہے۔ برائیوں سے روکتا ہے۔ طیبات کو حلال قرار دیتا ہے۔ خبائث کو حرام قرار دیتا ہے۔ انسانیت کے سر سے اس بوجھ کو اٹھا لیتا ہے اور انسانیت کو ان زنجیروں سے آزادی دلادیتا ہے۔ جن زنجیروں سے عالم انسانیت جکڑا ہوا تھا۔ پس جو لوگ اس نبی پر ایمان لائے۔ اسکا احترام کیا اور اسکی مدد کی اور اس نور کا اتباع کیا جو نبی کے ساتھ نازل کیا گیا ہے یہی لوگ زندگانی دنیا میں کامیاب ہیں۔

آیۂ کریمہ کے ذیل میں رسالت الہیہ کے عنوان سے جو سلسلہ کلام آپ حضرات کے سامنے پیش کیا جارہا تھا اس کے آٹھویں مرحلہ پر کچھ باتیں تعظیم پیغمبرؐ سے متعلق آپ کے سامنے گذارش کرنا ہیں۔

یہ نکتہ حقیقتاً قابل توجہ ہے کہ مالک کائنات نے اپنے حبیبؐ کے بارے میں جن باتوں کا مطالبہ کیا ہے۔ ان میں فقط ایمان نہیں ہے فقط پیغمبرؐ کی نصرت اور مدد نہیں ہے بلکہ ایمان اور نصرت کے علاوہ پیغمبرؐ کا احترام اور پیغمبرؐ کی تعظیم بھی شامل ہے۔ یہ کوئی نیا مسئلہ بھی نہیں ہے۔ قرآن مجید میں اس سے پہلے بھی تذکرہ پایا جاتا ہے۔ "لقد اخذ اللہ میثاق بنی اسرائیل" اللہ نے بنی اسرائیل سے اس

وقت عہد لیا جب بنی اسرائیل کے درمیان اللہ نے بارہ نقیب بھیجے۔ اس کے بعد پروردگار نے اعلان کیا "انی معکم" بنی اسرائیل میں تمہارے ساتھ ہوں مگر شرطیں ہیں "لئن اقمتم الصلٰوۃ" اگر تم نے نماز قائم کی "وآتیتم الزکٰوۃ" اور تم نے زکوٰۃ ادا کی اور اس کے بعد میرے مرسلین کا احترام کیا۔ پروردگار عالم نے بندوں کا ساتھ دینے کا وعدہ کیا مگر اس کے لیے تنہا نماز کو کافی نہیں قرار دیا۔ تنہا زکوٰۃ کو کافی نہیں قرار دیا۔ "آمنتم برسلی" اگر تم میرے رسولوں پر ایمان لائے۔ اور تنہا ایمان بھی کافی نہیں ہے "وعزرتموہ" اگر تم نے میرے رسولوں کا احترام کیا۔ اس کے علاوہ بھی دیگر مقامات پر قرآن مجید میں یہ تذکرہ پایا جاتا ہے۔ مگر ساری باتوں کے عرض کرنے کا یہ موقع نہیں ہے جس مسئلہ کی وضاحت کرنا مقصود ہے وہ یہ ہے کہ دین اسلام میں نہ پیغمبرؐ پر تنہا ایمان لانا کافی ہے۔ نہ پیغمبرؐ کی مدد کرنا کافی ہے۔ نہ پیغمبرؐ کا اتباع کرنا کافی ہے نہ پیغمبرؐ کے ساتھ رہنا کافی ہے ان تمام باتوں کے ساتھ ایک بنیادی شرط ہے پیغمبرؐ کا احترام۔

دنیا میں کوئی قوم ایسی نہیں ہے جو اپنے بزرگوں کا احترام نہ کرتی ہو۔ قانون احترام، شریعت اسلام کا قانون نہیں ہے۔ عالم عقل و عالم انسانیت کا قانون ہے جس پر ساری دنیائے انسانیت میں عمل ہوتا ہے۔ جو جسکی نگاہ میں قابل تعظیم ہوتا ہے وہ اسکی تعظیم کرتا ہے۔ کہیں آپ کو یہ بدبختی نظر نہ آئے گی۔ کسی قوم میں، کسی جماعت میں، کسی ملحد گروہ میں، کسی کافر گروہ میں، کسی مشرک جماعت میں۔ کہیں بھی آپ کو یہ بدبختی نظر نہ آئے گی۔ کسی جماعت میں کہ انسان کی عظمت اور شخصیت کا اعلان بھی کیا جائے اور اس کے بعد یہ بھی کہا جائے کہ ہم ہی جیسے ہیں۔ جس قوم نے جسے محترم قرار دیا اسے اپنے سے بالاتر سمجھا۔ جس قوم نے جسے معظم قرار دیا اسے اپنے سے اونچا سمجھا۔ کوئی قوم دنیا میں ایسی نہیں ہے

جس نے کسی کی عزت کا، اسکی عظمت کا اعتراف بھی کیا ہو اور پھر اس کے بعد یہ بھی کہدیا ہو کہ کوئی فرق نہیں ہے یہ اور ہم دونوں ایک ہی جیسے ہیں۔ یہ بد نصیبی پورے عالم انسانیت میں فقط عالم اسلام کا حصہ ہے۔ جہاں ایمان بھی ہے۔ نصرت بھی ہے۔ تصدیق بھی ہے۔ قربانی بھی ہے۔ فدائی بھی ہیں۔ ساری باتیں پائی جاتی ہیں اور اس کے بعد بھی کوئی فرق نہیں ہے۔ جیسے یہ ویسے ہم اگر جیسے یہ ویسے ہی آپ تو ایمان ہی کیوں لائے تھے۔ اتباع ہی کیوں کیا تھا۔ پیروی ہی کیوں کی تھی۔ لیکن اگر ایمان لائے ہیں۔ اتباع کیا ہے تو اس کے معنی یہ ہیں کہ یہ کچھ اور ہیں اور آپ کچھ اور ہیں۔ اور جس دن یہ احساس پیدا ہوجائے گا جذبہ احترام اندر سے پیدا ہوجائے گا۔ جذبہ احترام کسی پر لادا نہیں جاتا ہے۔ کسی کے بارے میں آپ کو یہ خیال پیدا ہوجائے کہ یہ محترم ہیں، یہ بزرگ ہیں، آپ کے اندر خودبخود جذبہ احترام پیدا ہوجائے گا۔ اسلام نے اسی نکتہ کیطرف مسلمان کو متوجہ کیا ہے کہ شاید مسلمان میں کوئی ایسی کمزوری پیدا ہوجائے کہ دنیا میں ساری قومیں محترم شخصیتوں کا احترام کریں۔ اور مسلمان غافل ہوجائے۔ لہذا پروردگار نے کہا کہ تمھارے لیے شرط ایمان یہ ہے کہ اگر نبی پر ایمان لائے ہو تو نبی کا احترام بھی کرنا۔

چند جملے اس مقام پر تمہیدی طور سے گزارش کرتا ہیں تاکہ یہ باتیں میرے بچوں کے ذہن میں رہیں کہ فقط سرکار دوعالمؐ کی زندگی سے متعلق نہیں ہے بلکہ ہر ایک کی زندگی سے متعلق ہے تعظیم، احترام۔ یہ دنیا کی ہر قوم میں دنیا کی ہر جماعت میں اور دنیا کے ہر انسان کے ذہن میں یہ تصور پایا جاتا ہے اختلاف طریقہ تعظیم میں ہوتا ہے۔ ایک قوم میں تعظیم کا طریقہ کچھ اور ہے دوسری قوم میں تعظیم اور احترام کا طریقہ کچھ اور ہے۔ ہم نے اپنے بچپنے میں دیکھا کہ بزرگ، بچوں کو سمجھایا

کرتے تھے کہ جب بزرگوں کے سامنے جاؤ تو اگر سر کھلا ہوا ہے تو ٹوپی پہن کے جاؤ۔ اور اسی ماحول میں چونکہ ہمارے ملکوں میں آپ جانتے ہیں کہ انگریزوں کی حکومت تھی ان کا ٹھیک اس کے برعکس قانون تھا کہ جب کسی بڑے بزرگ کے سامنے جاؤ تو اگر ٹوپی پہنے ہو تو اتار لو۔ اس کے معنی یہ نہیں کہ تعظیم میں اختلاف ہے۔ اس کے معنی یہ نہیں کہ مسلمان اپنے بزرگوں کی تعظیم سکھاتا ہے اور عیسائی اپنے بزرگوں کی توہین سکھاتا ہے۔ تعظیم کی تعلیم یہ بھی دیتے ہیں احترام کی تعلیم وہ بھی دیتے ہیں۔ احترام کے طریقوں میں فرق پایا جاتا ہے۔ اِن کے یہاں ٹوپی پہن لینا احترام ہے اُن کے یہاں ٹوپی اُتار دینا احترام ہے۔ یہ مسئلہ قوموں کا ہے۔ آج بھی آپ دیکھ لیجئے بعض مسلمان معاشرہ ہیں جہاں مسجدوں کے اندر آپ کھانا کھائیں۔ پانی پئیں۔ بیڑی پئیں۔ سگریٹ پئیں۔ کوئی بولنے والا نہیں ہے۔ بعض مسلمان معاشروں میں اگر مسجد میں کوئی مسلمان سگریٹ کو ہاتھ لگا دے تو شائد واجب القتل ہو جائے۔ یہ قانون شریعت نہیں ہے۔ یہ قوموں کے اپنے اصول ہیں۔ اپنے طریقے ہیں۔ ہر جگہ تعظیم اور احترام کا ایک طریقہ پایا جاتا ہے۔ بعض لوگوں کے خیال میں یہ احترام ہے۔ بعض لوگوں کے خیال میں وہ احترام ہے۔

تو اصل تعظیم اور احترام قوموں کا متفق علیہ مسئلہ ہے کہ جو بزرگ ہے اسکا احترام ہونا چاہئے۔ لیکن تعظیم اور احترام کے طریقوں میں اختلاف دنیا کی ساری قوموں میں پایا جاتا ہے۔

تیسرا مسئلہ، تعظیم اور احترام میں ایک اختلاف اور بھی ہے اور وہ یہ ہے کہ احترام فقط شخصیت کا کیا جائے یا اس سے متعلقہ امور کا بھی احترام کیا جائے۔ بعض قوموں کا خیال ہے کہ یہ شخصیت محترم ہے اسکا احترام ہونا چاہئے۔ لیکن اس سے

متعلق جو مسائل ہیں ہیں ان سے کوئی تعلق نہیں ہے۔ بعض قوموں کا اصول ہے کہ نہیں جسکو محترم مان لیا جو چیز اس سے متعلق ہوجائے وہ بھی قابل احترام ہے۔ اور دنیا کی اکثریت، دنیا کی بیشتر قوموں میں یہی اصول پایا جاتا ہے جو محترم ہے وہ محترم ہے۔ لیکن اس کے علاوہ جو چیزیں اس سے وابستہ ہوجائیں وہ بھی قابل احترام ہوجاتی ہیں۔ دنیائے عقل میں یہی قانون رائج ہے ورنہ گستاخی ہوگی مگر میں ایک بات کہنا چاہتا ہوں۔ ایک آدمی غریب فقیر آدمی معمولی مکان میں رہنے والا۔ ایک آدمی رئیس دولت مند یا صاحب اقتدار قصر میں رہنے والا۔ ایک آدمی کا گذر اس مکان کے پاس سے ہوا یا اِس مکان کے پاس سے ہوا۔ غریب نے اپنی دیوار پر لکھ رکھا ہے یہاں پیشاب کرنا منع ہے مگر اس کے بعد بھی جب ان کو کوئی جگہ نہ ملی تو غریب کے گھر کی دیوار ہی پسند آئی۔ لیکن جب کسی رئیس کے محل کے پاس سے گذرے کسی بادشاہ کسی وزیر کسی صاحب اقتدار کے قصر کے پاس سے گذرے تو چاہے حبس بول میں مر جائیں مگر یہ سوچ نہیں سکتے کہ اسکی دیوار کے قریب کھڑے ہو کر پیشاب کریں گے۔ بھئی دیوار تو دیوار ہے۔ وہی اینٹا وہی چونا۔ وہی گارا جو یہاں استعمال ہوا ہے وہی وہاں استعمال ہوا ہے۔ فرق کیا پیدا ہو گیا کہ غریب کی دیوار کے ساتھ وہ برتاؤ اور رئیس کی دیوار کے ساتھ یہ برتاو۔ آپ سوچ نہیں رہے ہیں۔ یہ فلاں صاحب کا قصر ہے۔ یہ فلاں کا محل ہے تو جن صاحب کا محل ہے وہ قابل احترام ہیں۔ محل سے کیا تعلق ہے۔ جن صاحب کا قصر ہے وہ قابل احترام ہیں دیوار سے کیا تعلق ہے۔ کہا نہیں تو جس محل میں وہ رہیں گے وہ بھی قابل احترام ہوگا۔ جس قصر میں وہ رہیں گے وہ قصر بھی قابل احترام ہوگا۔ یہ دنیا کی ساری قوموں کا مانا ہوا عقیدہ ہے۔ کسی مصلحت سے انسان انکار کردے یہ ہوسکتا ہے لیکن انسان کو اس کے حالات پر چھوڑ دیا جائے تو طریقہ کار یہی ہے کہ اگر وہ محترم ہیں تو جو ان

سے وابستہ ہے وہ بھی قابل احترام ہوگا۔ میری گاڑی کو دیکھنے کوئی نہیں آتا ہے۔ میں نے بھی پیسہ لگا کے خریدا ہے۔ لیکن کسی بڑے آدمی کی گاڑی کھڑی ہو جائے تو قریب سے جانے کی ہمت نہیں کرتے ہیں۔ بھئی بڑا آدمی محترم ہوتا ہے گاڑی محترم نہیں ہوتی ہے۔ گاڑی تو کارخانے سے نکلی ہے۔ اگر وہ نہ خریدتے تو شائد میں ہی خرید لیتا۔ کہا مگر آپ خرید لیتے تو شائد ہم اسکا احترام نہ کرتے۔ مگر چونکہ انھوں نے خرید لیا ہے اسلئے محترم ہے۔ کیوں؟ اسلئے کہ آپ محترم نہیں ہیں وہ محترم ہیں۔ تو محترم کا گھر بھی محترم جس میں برابر رہتے ہیں۔ اور محترم آدمی کی وہ گاڑی بھی محترم ہے جس میں کبھی بیٹھتے ہیں۔ کبھی اتر آتے ہیں۔ تھوڑی دیر کا رابطہ ہے مگر محترم ہے۔ حد یہ ہے کہ زندہ رہیں تو جس گھر میں رہیں وہ گھر محترم ہے اور مر گئے تو مرنے کے بعد بھی احترام کو قوموں نے نظرانداز نہیں کیا جہاں دفن ہو گئے وہ مقبرہ محترم ہو گیا۔ وہ جگہ محترم ہو گئی۔ سارے عالم عقل کے یہی فیصلے ہیں تو اس کے معنی کیا ہوئے کہ اگر اُمت اسلامیہ بھی ان قوانین پر عمل کرنے والی ہوتی تو پروردگار کو الگ سے یہ کہنے کی ضرورت نہیں تھی کہ نجات ان کے لیے ہے جو نبیؐ پر ایمان لائیں اور نبیؐ کا احترام کریں۔ اس کے معنی یہ ہیں کہ سرکارؐ کا کوئی خاص احترام مقصود ہے کہ جس کے بغیر ایمان کامل نہیں ہوسکتا۔ پروردگار چاہتا ہے کہ میرے پیغمبرؐ کا احترام دنیا کے سارے بڑے انسانوں سے زیادہ کیا جائے اسلئے کہا تمھارا ایمان کامل نہیں ہوگا تم نجات کے حقدار نہیں ہوگے جب تک اس پیغمبر کا احترام نہیں کروگے۔ میں ان تذکروں میں آپ کا زیادہ وقت نہیں صرف کر سکتا ورنہ اصل بات رہ جائے گی۔

ہمارے یہاں احترام کی بھی قسمیں ہیں۔ کبھی کبھی ایسا ہوتا ہے کہ میں کسی مقام پر گیا ذرا مجھے بھی یہ خیال ہے کہ اگر میں چپل اُتار کر چلا گیا تو پامال

ہو جائے گی لیکن صرف اسلئے اُتار دیا کہ کیا فرق پڑتا ہے۔ بالاخر میرے بھی پیر ہی اس پر رہتے ہیں۔ کوئی آدمی چپل جب پہنتا ہے تو پیر ہی اس پر رہتے ہیں کوئی سر تو رہتا نہیں ہے تو میں نے بھی اس پر پیر ہی رکھا ہے اگر مومنین کے پیر اس پر پڑیں گے تو پیر ہی پڑیں گے کوئی قیامت تو نہیں آجائے گی اور اگر یہ خیال ہے کہ خراب ہو جائے گی۔ میلی ہو جائے گی۔ پرانی ہو جائے گی۔ تو جس خدا نے اتنا دیا ہے، دوبارہ خرید دے گا مگر ایک مرد مومن کو خیال پیدا ہو گیا اور فوراً پلٹ کے انھوں نے چپل کو اٹھا کے کسی معقول جگہ پر رکھدیا۔ میں نے کہا بھائی آپ کیوں زحمت کر رہے ہیں۔ کہنے لگے مولانا یہ آپ کی چپل ہے۔ حالانکہ میری چپل نہیں ہے یہ کارخانے کی چپل ہے مگر فقط تھوڑی دیر کیلئے جو مجھ سے رابطہ پیدا ہو گیا کہ مجھ جیسے غریب فقیر آدمی نے اس پر پیر رکھ دیئے تو اب اسکا اتنا احترام ہو گیا کہ بے چارے مرد مومن اسکو رکھنے کی جگہ ڈھونڈھ رہے ہیں۔ یہ ساری شریف قوموں کے طریقے ہیں۔ کوئی خاص بات نہیں ہے۔ مکان محترم تھا۔ گاڑی محترم تھی۔ وہ خود بھی ایک قیمت رکھتی تھی مگر اسکی تو کوئی قیمت بھی نہیں ہے مگر چونکہ آپ کے پیروں میں ہے یا لفظیں بدل دوں۔ چونکہ آپ کے قدموں میں ہے لہذا اسکا احترام اتنا زیادہ ہو گیا۔ اور میں شائد بات کو نہ سمجھ سکتا یا اپنے بچوں کو نہ سمجھا سکتا یہ بات تو اس دن سمجھ میں آئی جب جنگ صفین سے واپسی پر مولائے کائنات ایک مقام پر ٹھہر کر اپنی ٹوٹی ہوئی جوتیوں کی خود اصلاح کر رہے تھے اور ابن عباس نے دیکھ کر کہا مولاؑ اب یہ جوتیاں بہت خستہ حال ہو گئی ہیں بہت بوسیدہ ہو گئی ہیں اب ان کو پھینک دیجئے۔ فرمایا یہ بتاؤ کہ اسکی بازار میں قیمت کیا ہے۔ شائد ابن عباس یہ سمجھے کہ اسکو بیچ کے مولاؑ دوسری خریدنا چاہتے ہیں۔ عرض کی۔ لیس لہا قیمۃ۔ اسکی کوئی قیمت نہیں ہے بازار میں کوئی لے جائے گا

تو اسکو کوئی نہ خریدے گا۔ اسلئے کہ پرانی بوسیدہ ٹوٹی ہوئی اسے کون خریدے گا۔ عجب فقرہ مولاؑئے کائنات نے ارشاد فرمایا اور شائد یہی مصلحت رہی ہوگی پروردگار کی۔ اور ابن عباس اسی اعلان کی حقیقت کیطرف جارہے ہوں گے۔ کہا ابن عباس اگر ان جوتیوں کی کوئی قیمت نہیں ہے تو یہ یاد رکھو کہ تمھارے تخت حکومت سے علیؑ کی نگاہ میں یہ جوتیاں زیادہ قیمتی ہیں۔ اب دنیا کو علیؑ کی عظمت کا اندازہ ہوا کہ جس تخت حکومت، تخت اقتدار کو بہت بڑی چیز سمجھتے ہو میری نگاہ میں اسکی اتنی قیمت بھی نہیں ہے جتنی قیمت نعلین کی ہے۔ ان جوتیوں کی ہے۔ یہ جوتیاں محترم ہیں۔ کیوں۔ اسلئے کہ علیؑ کے قدموں میں آگئی ہیں۔ تخت حکومت کی کوئی قیمت نہیں ہے اور کسی کہنے والے نے بڑی اچھی بات کہی ہے کہ یہ جوتیاں تخت حکومت سے زیادہ قیمتی ہیں۔ اسلئے کہ ان جوتیوں کی خوش قسمتی یہ ہے کہ سوائے حق کے کسی کے قدم دیکھے نہیں ہیں تو اب معلوم ہوا کہ ان کی عظمت کیا ہے اور شائد اسی لیے جب حضورؐ چلے تھے تو آواز آئی تھی کہ پیغمبرؐ مع نعلین کے چلے آؤ۔ تاکہ دنیا کو اندازہ ہوجائے کہ سب زمین پر رہنے کے قابل ہیں اور یہ یہاں تک آنے کے لائق ہیں۔ جو تم سے الگ ہوجائے وہ وہاں رہے گا اور جو تمھارے قدموں سے وابستہ ہوجائے وہ اتنا بلند ہوسکتا ہے۔

تو شخصیت بھی محترم ہوتی ہے اور شخصیت سے متعلق چیزوں کا بھی احترام پیدا ہوجاتا ہے۔ صرف اسلئے کہ ان سے رابطہ پیدا ہوگیا ہے۔ ان سے تعلق پیدا ہوگیا ہے ورنہ شائد ذاتی طور پر اسکی کوئی اہمیت اور کوئی قدروقیمت نہ ہو مگر اس رابطے نے، اس تعلق نے اسے اہم بنادیا ہے، اسے قابل احترام بنادیا ہے۔ آج بھی آپ جانتے ہیں کہ کتنے مقامات ایسے ہیں کہ جہاں مسلمانوں کی نگاہ میں کتنے محترم ہیں صرف اسلئے کہ ان کا سرکار دوعالمؐ سے کوئی رابطہ ہے۔ لاہور کی مسجد میں چلے جایئے

یہ کیا ہے یہ سرکارؐ کا جبہ ہے۔ ارے کپڑا ہی تو ہے یعنی حیرت کی بات ہے اس دور میں جب کے سرکارؐ کا احترام سمجھ میں نہیں آرہا ہے۔ جہاں کے لوگوں کا خیال یہ ہے کہ ہم ہی جیسے انسان ہیں وہاں پیغمبرؐ کا احترام سمجھ میں نہیں آرہا ہے جبہ کا احترام سمجھ میں آرہا ہے۔ کشمیر میں چلے جائیے موئے مبارک۔ یہ بال سرکارِ دوعالمؐ کا ہے اسکا احترام ہے۔ کیوں اسلئے کہ حضورؐ سے تعلق ہے۔ جبہ باہر کی چیز ہے۔ بال بہرحال جسم کا ایک حصہ ہے مگر یہ بھی ایک تعلق رکھتا ہے۔ وہ بھی ایک رابطہ رکھتا ہے۔ یہ بھی قابل احترام ہے وہ بھی قابل احترام ہے۔ اب یہ تو مقدر کی بات ہے کہ جو جبہ پہن لیا وہ محترم ہو گیا۔ جو دل کے ٹکڑے ہیں وہ قابل احترام نہ ہو سکے۔ جو بال بدن سے الگ ہو گئے وہ قابل احترام ہو گئے وہ آلؑ جو اجزائے پیغمبرؐ ہیں وہ قابل احترام نہ ہو سکے۔ اب چونکہ دنیا میں ایسے اختلافات کے امکانات تھے لہٰذا مالک کائنات نے اپنے حبیبؐ کے احترام کے اصول خود معین کئے۔

اس پوری تمہید کو آپ ذہن میں رکھیں اور اب نتیجہ کو پہچانیں۔ اللہ نے اپنے پیغمبرؐ کے احترام کیلئے خود اصول بنا دیئے ہیں تاکہ یہ اختلاف قوموں کا اختلاف نہ ہو جائے کہ فلاں آدمی یوں احترام کرے گا اور فلاں آدمی یوں احترام کرے گا۔ ورنہ اگر مسئلہ کو قوموں کے حوالے کر دیا گیا تو جیسے دنیا میں اختلافات چل رہے ہیں ویسے ہی اسلام میں بھی اختلاف ہو جائے گا۔ ہر آدمی نبیؐ کے ساتھ جو برتاؤ چاہے گا کرے گا اور کہے گا کہ ہمارے یہاں ایسا ہی احترام ہوتا ہے۔ پروردگار نے کہا۔ نہیں۔ یہ تمہارا پیغمبرؐ ہوتا تو احترام تم طے کرتے۔ یہ ہمارا پیغمبرؐ ہے۔ اسے ہم نے محترم بنایا ہے تو ہم بتائیں گے کہ اسکا احترام کیسے ہوتا ہے۔ ساری باتیں گزارش نہیں کروں گا۔ اللہ نے احترام پیغمبرؐ کے چھ طریقے بتائے ہیں۔ انھیں آپ جلدی جلدی سن لیں آیتیں میں پڑھوں گا معنی آپ پہلے سے جانتے ہیں۔ پہلا طریقہ

احترام پیغمبر۔ ایمان والو " استجیبوا للہ وللرسول اذا دعاکم لما یحییکم " اللہ و رسول تمھیں کسی بات کی دعوت دیں تو فوراً لبیک کہو۔ اب یہ نہ سوچو کہ ٹھیک کہہ رہے ہیں یا غلط کہہ رہے ہیں۔ کہاں بلا رہے ہیں۔ کیوں بلا رہے ہیں۔ یہ پوچھنے کا حق نہیں ہے۔ یہ رسولؐ ہے تقاضائے احترام یہ ہے کہ جب بلائے تو فوراً لبیک کہہ کے آؤ۔ یہ نہ سوچو کیا ہوگا "لما یحییکم" وہ بلاتے ہی ہیں اس کام کیلئے جس میں زندگی ہوتی ہے۔ یہ مرنے کیلئے نہیں بلاتے ہیں۔ یہ موت دینے کیلئے نہیں بلاتے ہیں۔ یہ زندگی کے واسطے بلاتے ہیں۔ تو ان کا پہلا احترام یہ ہے کہ جب بلائیں تو فوراً لبیک کہو یہ نبوت کے احترام کی ایک قسم ہے۔

دوسری قسم پیغمبرؐ کے احترام کی قرآن مجید نے خود بیان کیا " یا ایہا الذین آمنوا لاتقدموا بین یدی اللہ و رسولہ " ایمان والو خبردار اللہ و رسول سے آگے نہ بڑھ جانا۔ خیر اللہ سے آگے کیا بڑھ جائیں گے۔ شائد مادی اعتبار سے یہی ہو سکتا ہے کہ اگر حضورؐ ساتھ چل رہے ہیں اور کوئی آدمی آگے بڑھ جائے تو یہ کہا جائے کہ یہ حضورؐ سے آگے نکل گئے۔ پروردگار نے کہا کہ خبردار اسکا خیال رکھنا اور اسی لیے ہمارے یہاں بھی آج فقہی اعتبار سے یہ مسئلہ پایا جاتا ہے کہ اگر کوئی مسلمان قبر پیغمبرؐ کے برابر کھڑے ہو کے نماز پڑھنا چاہے تو جب تک وہ قبر پیغمبرؐ سے پیچھے ہے اس وقت تک کوئی حرج نہیں ہے لیکن، اگر قبر پیغمبرؐ سے آگے کھڑا ہو جائے گا تو اسکی نماز نہ ہو سکے گی۔ کیوں۔ اسلئے کہ اللہ نے رسول سے آگے بڑھنے کی اجازت نہیں دی ہے۔ اور اگر ہم نے سمجھ لیا کہ مر گئے تو رسولؐ نہیں رہ گئے۔ اگر ہمارا خیال یہ ہو گیا کہ دنیا سے چلے گئے تو اب رسول نہیں رہ گئے۔ یہ احترام تو رسول کا تھا تو شائد یہ نماز صحیح بھی نہیں ہوگی۔ اس لیے کہ وہ زندہ رہیں تب بھی

رسولؐ ہیں اور اگر دنیا سے چلے جائیں تو بھی ان کی رسالت کا خاتمہ نہیں ہوا ہے۔ ان کی رسالت کا سلسلہ تمام نہیں ہوا ہے۔ لہٰذا جو احترام حیات پیغمبرؐ میں تھا وہی احترام پیغمبرؐ کے انتقال کے بعد بھی برقرار ہے۔ مسلمان کیلئے احترام پیغمبرؐ یہ ہے کہ مسلمان پیغمبرؐ سے آگے نہیں بڑھ سکتا۔ یہ نبی کا دوسرا احترام ہے۔

تیسرا احترام "یا ایہاالذین آمنوا لا ترفعوا اصواتکم فوق صوت النبی" اے ایمان والو خبردار تمھاری آواز نبیؐ کی آواز پر بلند نہ ہونے پائے۔ یعنی اس کے معنی یہ ہیں کہ سرکارؐ اگر کہیں بیٹھ جائیں تو وہاں لاوڈ اسپیکر کا استعمال نہیں ہوسکتا ہے۔ اگر حضورؐ کہیں تشریف فرما ہوں تو مسلمان لاوڈ اسپیکر پر بات نہیں کر سکتے ہیں۔ اسلئے کہ ان کی آواز رسول کی آواز سے بلند ہو جائے گی۔ نہیں۔ آواز بلند کرنے کے معنی آپ جانتے ہیں کہ ایک آدمی دوسرے آدمی پر جب اپنی آواز بلند کرنا چاہتا ہے تو اس کے معنی خالی آواز کا والیوم (Volume) بڑھا دینا نہیں ہے۔ اپنی بات کو دوسرے کی بات سے آگے بڑھانا ہے۔ لہٰذا خبردار نہ نبیؐ کی آواز پر آواز بلند ہونے پائے اور نہ نبیؐ کی بات پر اپنی بات کو بلند تر بنانے کی فکر کرنا۔ یہ ایک احترام ہے۔ اس کے بعد خالی یہی نہیں کہ حضورؐ کی آواز سے آواز بلند نہ ہونے پائے بلکہ حضورؐ کے سامنے بلند آواز سے بات کرنے کی اجازت بھی نہیں ہے "کجہر بعضکم لبعض" جیسے آپس میں بات کرتے ہو تو بلند آواز سے، اونچی آواز سے بولتے ہو لیکن اگر پیغمبرؐ کے سامنے بات کرنا ہو تو چاہے تمھاری آواز پیغمبرؐ کی آواز سے اونچی نہ ہو لیکن پھر بھی اونچی آواز سے بولنا خلاف احترام پیغمبرؐ ہے۔

آپ احترام محسوس کر رہے ہیں۔ مسئلہ یہ نہیں ہے کہ نبیؐ کس آواز سے بول رہے ہیں اور کس کی آواز ان سے بلند ہو گئی یا بلند نہیں ہوئی۔ نہیں۔ حضورؐ کے

سامنے بیٹھے ہیں تو آہستہ بولئے۔ شرافت سے بات کیجئے۔ پیغمبرؐ کے سامنے آپ کی آواز بلند نہ ہو جائے اسلئے کہ آپس میں کبھی اونچی آواز سے بولتے ہیں کبھی آہستہ بولتے ہیں پیغمبرؐ کے سامنے یہ اختیار کسی مسلمان کو نہیں دیا گیا ہے۔ اچھا اگر فرض کیجئے کہ غلطی ہو گئی کہ ایک مسلمان نے پیغمبرؐ کے سامنے بلند آواز سے بات کی تو آپس میں۔ حضورؐ سے کوئی بات نہیں ہو رہی ہے۔ دو مسلمان بیٹھے ہیں باتیں کر رہے ہیں اور ذرا آواز بلند ہو گئی تو اس سے کیا ایمان پر کوئی اثر پڑ جائے گا۔ کیا یہ حضورؐ کا کافر ہو گیا۔ حضورؐ کو نہیں مانتا ہے۔ کیا حضورؐ کی عظمت میں کوئی فرق پیدا ہو گیا۔ کیوں۔ کیا ہوا۔ اگر آواز بلند ہی ہو گئی اگر اونچی آواز سے باتیں کرنے لگا تو کیا قیامت آ گئی سورہ حجرات پڑھئے۔ سورۂ حجرات اعلان کر رہا ہے نبیؐ کی آواز پر آواز بلند نہ ہونے پائے اور نبیؐ کے سامنے ویسے اونچی آواز سے نہ بولنا جیسے آپس میں باتیں کرتے ہو۔ خدایا اگر یہ ہو جائے تو کیا ہو گا۔ کہا۔ ان تحبط اعمالکم "ہوشیار رہو۔ اگر نبیؐ کے سامنے تمھاری آواز بلند ہو گئی تو تمھارے سارے اعمال برباد ہو جائیں گے۔

خدا جانتا ہے کائنات میں کسی شخصیت کے واسطے یہ احترام نہیں رکھا گیا ہے جو احترام سرکارؐ دو عالم کا ہے۔ لیکن شائد آپ متوجہ نہیں، اس لفظ کے معنی کیطرف۔ پروردگار نے کیا کہا۔ اگر نبیؐ کی آواز پر تم نے اپنی آواز کو بلند کیا یا نبیؐ کے سامنے اونچی آواز سے آپس میں باتیں کرنے لگے تو نتیجہ کیا ہو گا۔ تمھیں خیال بھی نہ پیدا ہو گا اور تمھارے سارے اعمال برباد ہو جائیں گے۔ سوچئے بظاہر خطا کتنی چھوٹی ہے اور سزا کتنی بڑی ہے۔ نہیں پھر توجہ کریں۔ میں کیا کہنا چاہتا ہوں۔ بظاہر خطا کتنی چھوٹی ہے خالی آواز اونچی ہو گئی ہے نہ کوئی مار پیٹ ہے نہ کوئی توہین ہے نہ کوئی بات ہے مگر سارے اعمال برباد۔ ایک آواز کیا بلند ہو گئی اب

نہ نمازوں کی کوئی قیمت رہ گئی۔ نہ روزوں کی کوئی قیمت رہ گئی۔ نہ حج کی کوئی قیمت رہ گئی۔ نہ زکوٰۃ کی کوئی حیثیت رہ گئی۔ نہ تلاوت کی کوئی حیثیت رہ گئی سب بے کار ہو گیا صرف اسلئے کہ حضورؐ کے سامنے آواز بلند کیوں ہوئی۔ نبیؐ کی آواز پر تمہاری آواز کیوں بلند ہوئی۔ تمہارے سارے اعمال برباد ہو گئے۔

خدایا میں فریاد کرنا چاہتا ہوں۔ اسکی کوئی مدت معین ہے۔ ایک سال ہم نے نماز روزہ حج زکوٰۃ سب کیا اور ایک دن حضورؐ کی آواز پر آواز بلند ہو گئی تو کیا ایک سال کے سارے اعمال برباد ہو جائیں گے۔

خدا نے کہا بے شک۔

میں نے کہا اگر دو سال اعمال کئے۔

کہا تم میرے الفاظ کے معنی کیوں نہیں سمجھتے۔ اگر تم نے نبیؐ کے سامنے اونچی آواز سے بات کی۔ نبیؐ کی آواز پر آواز بلند کی تو میں سب برباد کر دوں گا۔ مجھے کوئی پرواہ نہیں ہے کہ ایک سال کا عمل ہے یا کہ دو سال کا ہے یا دس سال کا عمل ہے یا پندرہ سال کا ہے یا بیس سال کا ہے یا اکیس سال کا ہے یا بائیس سال کا ہے یا تیئیس سال کا ہے۔ جتنے عمل کئے ہوں گے اگر ایک دن آواز بلند ہو گئی تو سب بیکار ہے۔ سوچو عزیزو! جب آواز پر آواز بلند ہونے کی یہ سزا ہے تو اگر کوئی اپنی بات کو نبیؐ کی بات سے اونچا بنانا چاہتا ہو تو قرآن کی نگاہ میں اس کے عمل کی کیا قدر و قیمت رہ جائے گی۔

وہ چاہے اپنا ہی جیسا بشر ہو یا اپنے سے بھی کچھ کم درجہ کا بشر ہو۔ جیسا بھی ہو لیکن اسکا احترام یہی ہے کہ سب کے اعمال کا دارومدار اسی کے احترام پر ہے۔ سب کے ایمان کا دارومدار اسی کے احترام پر ہے۔ اگر اس کے احترام میں ذرہ برابر فرق آگیا تو تمہارے اعمال کی کوئی قدر و قیمت نہ رہ جائے گی۔ اب اندازہ ہوا

کر کہاں وہ اُمت، کہاں وہ دنیا، کہاں وہ عالم اسلام، جس کے سارے اعمال کا دارومدار ایک پیغمبرؐ کے احترام پر ہے۔ اگر یہ احترام قائم ہے تو سارے اعمال قیمتی ہیں۔ سارے اعمال کی جزا ہے۔ سارے اعمال کا انعام ہے لیکن اگر یہ احترام برقرار نہ رہا تو کسی عمل کی کوئی قیمت نہیں ہے۔ ابھی تو کچھ کہنے کا ذکر بھی نہیں آیا۔ اب اس کے بعد میں نہ کہوں گا۔ آپ اہل نظر ہیں خود سوچئے گا اور جو میں کہنا چاہتا ہوں اسے سمجھئے گا۔ ہم نے حضورؐ کو کچھ نہیں کہا خالی حضورؐ کے سامنے اپنی آواز بلند کردی حضورؐ کی شان میں کوئی گستاخی نہیں کی۔ حضورؐ کے بارے میں کچھ نہیں کہا مگر خدا کہتا ہے ہم تمہارے اعمال کو برباد کردیں گے۔ ہمارے نبی کے احترام میں فرق آگیا ہے تو اگر حضورؐ ہی کے بارے میں کوئی فیصلہ ہم فرما دیں تو سوچئے پھر اس کے بعد ہمارے عمل کی کیا حیثیت رہ جائے گی۔ ہمارے عمل کی کیا اہمیت رہ جائے گی۔ اور ہمارا ایمان کس قابل رہ جائے گا۔

ایک اور احترام جسکی طرف کل میں نے اشارہ کیا تھا آج اسکی مختصر سی وضاحت کرنا چاہتا ہوں " یا ایہا الذین آمنوا اطیعوا اللہ واطیعوا الرسول و اولی الامر منکم "۔ ایمان والو اللہ کی اطاعت کرو۔ رسول کی اطاعت کرو اور اولی الامر کی اطاعت کرو " فان تنازعتم فی شئی فردوہ الی اللہ والرسول " اگر آپس میں کسی بات پر اختلاف پیدا ہو جائے تو اسے پلٹا دو خدا اور رسول کی طرف۔ فیصلہ خدا کرے گا یا رسولؐ کرے گا۔ اگر تم نے خود فیصلہ کیا تو نبوت کے احترام میں فرق آگیا۔ توجہ کرو عزیزو احترام پیغمبرؐ کیا ہے۔ اختلاف تمہارے درمیان ہوا ہے کہ یہ باغ آپ کا ہے یا ہمارا ہے۔ یہ گھر آپ کا ہے یا ہمارا ہے۔ اختلاف ہمارے آپ کے درمیان ہوا ہے۔ لیکن ہم اپنے معاملات کو بھی خود طے نہیں کر سکتے۔ فیصلہ ہوگا پیغمبرؐ کے ذریعہ۔ اگر پیغمبرؐ کیطرف پلٹا دیا تو اس کے معنی یہ ہیں کہ ہمارا ایمان سلامت

ہے۔ ہمارا اسلام سلامت ہے اور اگر پیغمبرؐ کو درمیان سے ہٹا دیا اور ہم خود طے کرنے بیٹھ گئے تو اس کے معنی یہ ہیں کہ ہمارا اسلام و ایمان سلامت نہیں ہے۔ کیوں؟ اسلئے کہ پیغمبرؐ کا احترام نہیں ہوا اور شائد پروردگار عالم نے اگر پیغمبرؐ ہی کا نام لیا ہوتا کہ جب کوئی اختلاف پیدا ہو تو نبی کیطرف پلٹا دو۔ تو پلٹانے کے معنی بھی سمجھ میں نہ آتے۔

عزیزو! متوجہ رہیں یہ بڑا دقیق مسئلہ ہے اور اسی پر میرے مستقبل کے بیان کا دارومدار ہے۔ اگر آپ نے اسکو محسوس کرلیا تو انشاءاللہ بہت لطف آئے گا اور جو باتیں کبھی کبھی سطحی انداز سے کہی جاتی ہیں میں اس بات کو استدلالی انداز سے آپ کے سامنے گذارش کرنا چاہتا ہوں۔ اگر پروردگار عالم نے یہ کہا ہوتا کہ جب تم میں کوئی اختلاف پیدا ہو جائے تو اختلاف کو نبی کیطرف پلٹا دینا۔ تو اس کے معنی یہ ہوتے کہ حضورؐ کی ذات کو فیصلہ کرنا ہے اور اس پورے قانون کا تعلق فقط ان لوگوں سے ہوتا جو مکہ مدینہ کے رہنے والے تھے اسلئے کہ وہ تو اپنے جھگڑے کو حضور کے یہاں پیش کر سکتے تھے مگر اُسی دور میں ایک آدمی جو دنیا کے کسی اور حصہ کا رہنے والا ہے جہاں تک اسلام پہونچ گیا ہے؛ اگر وہاں دو مسلمانوں میں اختلاف پیدا ہو جائے اور وہ اپنے مسئلہ کو لیکر پیغمبرؐ کے پاس آنا چاہیں تو شائد جب تک پہونچیں گے مسئلہ ہی ختم ہو جائے گا۔ ایک آدمی ہزار میل کے فاصلے پر رہتا ہے۔ مسلمان تو ہو گیا ہے اور دو مسلمانوں کے درمیان اختلاف پیدا ہو گیا اور دونوں چلے ہزار میل سرکار دو عالمؐ سے فیصلہ کرانے کیلئے۔ اسلئے کہ خدا نے کہدیا ہے جب کوئی اختلاف پیدا ہو تو نبیؐ کیطرف پلٹاؤ۔ دس درہم کا فیصلہ کرانے کیلئے ہزار میل کا فاصلہ۔ پھر بھی اُس دور والے سے تو کہا بھی جاسکتا تھا کہ جاؤ نبیؐ کے پاس۔ لیکن؛ اگر آج ہم میں اختلاف پیدا ہو جائے تو اس کے معنی یہ ہیں کہ ہم اس

قانون سے آزاد ہو گئے اسلئے کہ حضورؐ ہیں نہیں کہ ہم حضورؐ کی طرف پلٹائیں۔ اب ہم آزاد ہو گئے ہمارا جو جی چاہے گا فیصلہ کریں گے۔ یہ ساری پریشانی، یہ ساری مجبوری، یہ ساری بے کسی، مکہ مدینہ کے اُس دور کے مسلمانوں کیلئے تھی۔ آج کے مسلمان بالکل آزاد ہیں۔ نہ رسولؐ ہیں۔ نہ رسولؐ کی طرف پلٹانے کا کوئی امکان ہے۔

پروردگار نے کہا کہ اپنی طرف سے میری لفظوں کے معنی نہ بیان کرنا جتنا تم سمجھ لیتے ہو اس سے زیادہ تم کو میں سمجھتا ہوں۔ لہٰذا اختلاف میں رسول کیطرف اور خدا کی طرف پلٹانا ہے۔ تو پہلے اپنا نام لیا۔ اس کے بعد نبی کا نام لیا کہ اگر میری طرف پلٹانا ہوگا تو کیا میری بارگاہ میں لیکر آؤ گے۔ میں نے کوئی دربار سجایا ہے۔ میں نے کوئی بارگاہ سجائی ہے۔ میں نے کوئی دارالقضاوۃ کھولا ہے۔ میں نے کوئی محکمہ بنایا ہے۔ کہ یہاں میں بیٹھا ہوں اور فیصلہ کرنے کیلئے تم آؤ میں فیصلہ کروں گا۔ اگر میری طرف پلٹانے کی معنی سمجھ گئے تو نبی کیطرف پلٹانے کے معنی خود ہی سمجھ میں آجائیں گے۔ میرے پاس آنے کا کوئی امکان نہیں ہے۔ نہ تم میرے پاس آؤ گے نہ میں تمھارے پاس آؤں گا۔ تم جسمانیات کی دنیا کے رہنے والے۔ میں اس سے بہت بالاتر۔ تم مکانوں کے قیدی میں لامکان۔ تمھارا عالم کہیں اور میں کچھ اور۔ تو نہ میں تمھارے پاس آؤں گا فیصلہ کرنے کیلئے نہ تم میرے پاس آؤ گے فیصلہ کرانے کیلئے۔ میں نے فیصلے خود پہلے سے کر دیئے ہیں یہ ایک سو چودہ سوروں میں میں نے کیا کیا ہے۔ زندگی کے ہر مسئلہ کا فیصلہ میں نے نازل کر دیا ہے۔ اب میری طرف پلٹانے کے معنی یہ ہیں کہ جب کوئی اختلاف پیدا ہو جائے تو تم نہ طے کرنا۔ میری کتاب پڑھو۔ میرا قرآن پڑھو تو جیسے میں تمھارے سامنے نہ آیا اور جو میرے فیصلے موجود ہیں قرآن کی شکل میں ان کو سند بنا دیا کہ اگر انھیں نظرانداز کر دیا اور تو تم نے کوئی فیصلہ کیا تو تمھارا ایمان مجھ پر نہیں ہے اسی طرح نبی ممکن ہے

-۴

خدایا تو بتادے کہ اگر ان سے محبت کریں تو مجرم تو نہ ہو جائیں گے۔ کہا "قل لا اسئلکم علیہ اجرا" ہم نے ان کی محبت کو اجر رسالت بنا دیا ہے۔

خدایا تو بتادے کہ تیری نگاہ میں یہ سچے ہیں یا نہیں۔ کہا کہ۔۔
جھوٹوں پر لعنت کرنے کا وقت آیا تو ہم نے کسی اور کو نہیں بھیجا ہے۔

ہم نہ کسی تاریخ کے بندے ہیں نہ کسی روایت کے بندے ہیں۔ نہ کسی راوی کے بندے ہیں۔ خدا کے بندے ہیں۔ خدا نے کہا جب کوئی اختلاف پیدا ہو جائے۔ ہم سے پوچھو۔ ہم فیصلہ کریں گے۔ ہم نے پوچھا علم کے بارے میں۔ پروردگار نے بتایا۔ ہم نے پوچھا طہارت کے بارے میں خدا نے فیصلہ کیا۔ ہم نے پوچھا صداقت کے بارے میں۔ خدا نے فیصلہ کیا۔ ہم نے پوچھا محبت کے بارے میں خدا نے فیصلہ کیا۔ پروردگار ان کے کرم کے بارے میں تیرا کیا فیصلہ ہے۔ کہا۔ "یطعمون الطعام علی حبہ مسکینا و یتیما و اسیرا" یہ وہ ہیں جو اپنی ضرورت کے باوجود ہماری محبت میں مسکین و یتیم و اسیر کو کھلا دیتے ہیں۔ پروردگار ان کا کرم تو معلوم ہو گیا ان کی سخاوت معلوم ہو گئی باقی کمالات کے بارے میں؟ پروردگار نے کہا اور کیا پوچھنا چاہتے ہو۔ کہا خدایا ان کے جہاد کے بارے میں کیا ارشاد ہے۔ ہم ان کے بارے میں کیا عقیدہ قائم کریں۔ کہا۔ "یقاتلون فی سبیلہ صفا کانھم بنیان مرصوص" یہ وہ ہیں جو سیسہ پلائی ہوئی دیواروں کی طرح راہ خدا میں جہاد کرتے ہیں۔ اور تم کو یہ اندازہ نہیں ہو سکا یہ تو میں اعلانات قرآن کے ذریعہ کر رہا تھا۔ اس کے بعد جب کوئی جہاد کا قدردان نہ پیدا ہوا۔ کوئی تھا ہی نہیں جو شان جہاد دیکھتا۔ کوئی تھا ہی نہیں جو جہاد کی قدردانی کرتا اسلئے کہ تمہارے لیے جہاد کیا ہوتا تو تم نے قصیدہ پڑھا ہوتا۔ جب میری راہ میں جہاد کر رہا تھا۔ میری راہ میں

دنیا سے چلا جائے مگر نبیؐ کے فیصلے کہیں جانے والے نہیں ہیں۔ جیسے میرا کلام محفوظ رہے گا ویسے ہی سنت پیغمبر محفوظ رہے گی۔ جب کوئی اختلاف پیدا ہو جائے تو فیصلے کیلئے دو ہی جگہیں ہیں۔ کوئی تیسری جگہ نہیں ہے۔ یا کتاب خدا یا سیرت پیغمبرؐ۔ انہی کے ذریعہ فیصلہ ہوگا۔ ان سے ہٹ کے اگر کوئی مسلمان فیصلہ کرنا چاہے گا تو یہ فیصلہ خود اس بات کی علامت ہے کہ صاحب ایمان نہیں ہے۔ یہ فیصلہ اس بات کی نشانی ہے کہ یہ صاحب ایمان نہیں ہے۔

اگر میری بات کو یہاں تک آپ نے محسوس کیا ہے تو چلئے۔ خدا نہ کردہ آج میرا کسی مسلمان سے اختلاف ہو گیا۔ میں نے کہا کہ امت کی قیادت علیؑ کے ہاتھوں میں ہونی چاہئے تھی۔ ایک نے کہا نہیں علیؑ کے ہاتھ میں نہیں ہونی چاہئے تھی۔ میرے ہاتھ میں ہونی چاہئے۔ اختلاف ہو گیا یا نہیں ہو گیا۔ اب خدا کہتا ہے کہ اگر صاحب ایمان ہو تو فیصلہ میں کروں گا۔ چلئے فیصلہ خدا سے کرائیں۔ تاریخ سے کیا فیصلہ کرانا ہے۔ راویوں سے کیا فیصلہ کرانا ہے خدایا تو بتا دے کہ علیؑ کے بارے میں تو نے کیا فیصلہ کیا ہے۔

مالک نے آواز دی۔ کیا پوچھنا چاہتے ہو۔ خدایا تو بتا دے کہ علیؑ کا علم کیسا ہے۔ کہا "کل شئی احصیناہ فی امام مبین" ہم تو خدائی فیصلہ چاہتے ہیں۔ پروردگار تو بتا دے کہ تو نے ان کے بارے میں کیا فیصلہ کیا ہے۔ ہم علیؑ کا علم پوچھنا چاہتے ہیں۔ باقی سب کا علم تو یونہی معلوم ہو جائے گا تو بتا دے تو نے ان کے علم کے بارے میں کیا فیصلہ کیا ہے۔ کہا ہم نے ہر چیز کو امام مبین میں جمع کر دیا ہے۔ یہاں جہالت کا گذر نہیں ہے۔

خدایا تو بتا دے کہ تو نے علیؑ کی طہارت کے بارے میں کیا فیصلہ کیا ہے۔ کہا "انما یرید اللہ لیذھب عنکم الرجس" ہم نے انھیں حق طہارت عنایت کیا

لڑ رہا تھا۔ تو میں نے انتظام کیا۔ جاؤ جا کر اعلان کرو "لافتی الا علی لاسیف الاذوالفقار" یہ بھی خدائی فیصلہ ہے۔ تو جب کوئی اختلاف پیدا ہو جائے۔ میں دوسرا رُخ نہیں گذارش کروں گا۔ میں تو خالی اپنی بات کہنا چاہتا ہوں۔ دوسروں سے میرا کیا تعلق ہے۔ میں تو خدا سے یہ پوچھنا چاہتا ہوں کہ خدایا علیؑ کے بارے میں تیرا فیصلہ کیا ہے۔ باقی کے بارے میں کیا فیصلہ ہوگا وہ آپ جا کے تلاش کریں گے۔

اس کے بعد پروردگار نے کہا اگر صاحب ایمان ہو تو میری طرف پلٹاؤ اور نبی کیطرف پلٹاؤ۔ میں نے یہ سارے مسائل حضورؐ کیطرف پلٹا دیئے۔

میں نے کہا حضورؐ پروردگار کا فیصلہ تو میں نے سن لیا لیکن چونکہ خدا نے کہا اِدھر بھی لاؤ اُدھر بھی لے جاؤ۔ تو آپ کی بارگاہ میں لیکر آئے ہیں۔ حضورؐ آپ فیصلہ سنائیں۔ علی کے علم کے بارے میں آپ کا فیصلہ کیا ہے۔

کہا "انا مدینۃ العلم و علیؑ بابہا۔

کہا حضورؐ علیؑ کی ذات کے بارے میں کیا فیصلہ فرماتے ہیں۔

کہا "انا و علیؑ من نور واحد"۔

حضورؐ علیؑ کی شجاعت کے بارے میں کیا فیصلہ کیا۔

فرمایا "لاعطین الرایۃ غدا رجلا کرارا غیر فرار۔"

خلقت کے بارے میں حضورؐ کا فیصلہ موجود ہے۔ علم کے بارے میں سرکارؐ کا فیصلہ موجود ہے۔ سخاوت کے بارے میں سرکارؐ کا فیصلہ موجود ہے۔ قضاوت کے بارے میں فرمایا۔ "اقضا کم علیؑ" تم میں علیؑ سے بہتر فیصلہ کرنے والا کوئی نہیں ہے۔ تو یہ حضورؐ کا فیصلہ ہے علیؑ کے فیصلہ کے بارے میں جو علیؑ فیصلہ کریں علی سے بہتر کوئی فیصلہ کرنے والا نہیں ہے۔ اب میں سمجھا کہ اگر حضورؐ نہیں بھی رہ

گئے اور کوئی جھگڑا پیدا ہو گیا تو اس سے فیصلہ کراؤ جس سے بہتر حضورؐ کی نگاہ میں کوئی فیصلہ کرنے والا نہیں ہے۔ اس مسئلہ میں میرا فیصلہ چاہتے ہو تو میں اپنا فیصلہ سنا کر جا رہا ہوں تا کہ تمھیں اندازہ ہو جائے کہ اگر صاحب ایمان ہو تو جو خدا نے فیصلہ کیا ہے وہ ماننا۔ جو میں نے فیصلہ کیا ہے وہ ماننا یہی تقاضائے ایمان باللہ ہے اور یہی تقاضائے احترامِ رسالت ہے۔ الحمدللہ کہ نہ ہم نے اپنے ایمان کو کسی شک سے آلودہ کیا ہے نہ حضورؐ کے احترام میں کوئی فرق پیدا ہونے دیا ہے۔ جو سرکارؐ نے فیصلہ کر دیا وہی فیصلہ کیا۔ حد یہ ہے کہ جس کے لیے اٹھ کے کھڑے ہو گئے ہم نے اسے قابل تعظیم مان لیا اور جسکو حضورؐ نے باہر کر دیا ہم نے کبھی اپنے گھر میں اسکو جگہ نہیں دی۔

اسلئے کہ ظاہر ہے کہ نبیؐ اور اُمت کا رشتہ دو بھائیوں کا رشتہ نہیں ہے کہ ہمارے بھائی سے ان کا اختلاف ہے لیکن خیر ہم کو ان کے اختلاف سے کیا تعلق ہے اب ایسے بھی بھائی نہیں ہے بہرحال نبیؐ ہیں۔ بہرحال پیغمبر ہیں۔ بہرحال خدا کے رسول ہیں۔ ان کے معاملات ہمارے معاملات سے اجنبی نہیں ہیں۔ جو ان کا دوست ہے وہ یقیناً ہمارا دوست ہے۔ جو ان کا دشمن ہے وہ یقیناً ہمارا دشمن ہے۔ ان کی نگاہ میں اگر قابل احترام ہے تو ہماری نگاہ میں قابل احترام ہے۔ ان کی نگاہ میں اگر قابل احترام نہیں ہے تو ہماری نگاہ میں کوئی احترام نہیں ہے۔ چاہے ساری دنیا اسے محترم قرار دے۔ اسلئے کہ ہم پر پیغمبرؐ کا احترام واجب کیا گیا ہے۔ ہم پر تاریخ کا احترام واجب نہیں ہے۔ ہم پر راویوں کا احترام واجب نہیں ہے۔ ہم پر پیغمبرؐ کا احترام واجب ہے بتائیے ان کا احترام کیسے نہ کریں۔ جن میں سے کوئی آجائے تو اس کے لیے محفل میں کھڑے ہو جائیں۔ کوئی آجائے تو اس کے لیے سجدہ کو طول دیدیں۔ کوئی آجائے تو اسے کاندھے پر بٹھالیں۔ ان کا احترام نہ

کر کے کیا نبی کے احترام کا انکار کر دیں۔

ہاں آج اگر کوئی آدمی کہے کہ ساری دنیائے اسلام کا میری شخصیت عظیمہ پر اتفاق ہو گیا ہے تو دنیائے اسلام کیا ہے پیغمبرؐ اسلام کے مقابلہ میں۔ دنیائے اسلام کیا ہے مالک کائنات کے مقابلہ میں۔ مالک کائنات کا فیصلہ بندوں کے واسطے ہے۔ سرورؐ کائنات کا فیصلہ اُمت کے واسطے ہے۔ نہ دنیائے اسلام کوئی شئی ہے، نہ دنیائے کفر کوئی شئی ہے۔ یہ دنیائے اسلام دنیائے اسلام رہے گی اگر حضورؐ کا فیصلہ مانے گی ورنہ اگر حضورؐ کا فیصلہ نہ مانے تو یہ دنیائے اسلام دنیائے اسلام نہ کہی جائے گی۔

عجب مسئلہ ہمارے مولانا شبلی نے اٹھایا ہے:

"چونکہ یہ مسئلہ پیدا ہو گیا ہے عالم اسلام میں کہ سرکارؐ کی ہر بات وحی ہوتی ہے یا نہیں ہوتی ہے۔ لہٰذا ہم لوگوں کو بہرحال سنجیدگی سے غور کرنا چاہئے کہ حضورؐ کی ہر بات وحی ہوتی ہے یا حضورؐ کی کوئی بات ہذیان بھی ہو سکتی ہے۔ ہمیں سنجیدگی سے غور کرنا چاہئے اسلئے کہ یہ عالم اسلام میں اختلافی مسئلہ ہے"۔

اللہ کیا عالم اسلام ہے جس میں پیغمبرؐ کی حیثیت اختلافی ہے۔ پیغمبرؐ کا بیان جس کے بارے میں خدا کہتا ہے "ان ھو الا وحی یوحی" "یہ جو بولتے ہیں وہی وحی الٰہی ہے" یہ کہتے ہیں کہ عالم اسلام میں اختلافی مسئلہ ہے۔ سنجیدگی سے غور کیجئے۔ خیر آپ غور کرتے رہئے سنجیدگی سے۔ ہم کسی کو غور کرنے سے نہیں روک سکتے۔ آپ سنجیدگی سے غور کریں کہ پیغمبرؐ کا ہر بیان وحی کے مطابق ہوتا ہے یا معاذاللہ کسی وجہ سے بھی وہ بہکی ہوئی بات بھی کر سکتے ہیں۔ ہم بھی سنجیدگی سے غور کر رہے ہیں کہ اگر پیغمبرؐ کو کوئی بہکا ہوا کہے تو واقعی مسلمان رہ سکتا ہے یا نہیں رہ سکتا۔

ہمارے ایمان کا، ہمارے ایقان کا تقاضا یہ ہے کہ سرکار دو عالمؐ کا احترام کریں اور سرکارؐ کے احترام کا تقاضا یہ ہے کہ اپنے کو بھول جائیں۔ ہم کیا، ہمارے خواہشات کیا، ہمارے جذبات کیا، ہم کیا چاہتے ہیں، ہم کیا نہیں چاہتے ہیں۔ صرف یہ دیکھیں کہ وہ کیا چاہتے ہیں، ان کی نگاہ میں کون ہے، ان کی نگاہ میں کس کی عظمت ہے، ان کی نگاہ میں کس کا احترام ہے۔ بس جو اُن کی نگاہ میں ہے وہی سب کچھ ہے ورنہ ہماری کوئی نگاہ نہیں ہے۔ ہمارا کوئی خیال نہیں ہے۔ ہم خیالات کے مذہب کے قائل نہیں ہیں۔ ہم رسالت کے مذہب کے قائل ہیں۔ اور ہم نے یہ ایک اصول بنا لیا ہے روز اول سے کہ جسکو سرکارؐ نے محترم بنایا ہے ہم نے اسی کو محترم مانا ہے اور جسکو انھوں نے محترم بنا دیا ہم نے اسے بھی محترم مان لیا۔ اس محترم نے جسے محترم بنا دیا ہم نے اسے بھی محترم مان لیا۔ ہمارا سلسلہ احترام پیغمبرؐ سے مل رہا ہے۔ اگر حضورؐ نے علی کو محترم بنایا تو علیؑ محترم ہیں۔ اگر حسنینؑ کو کاندھے پر بٹھایا تو حسنینؑ محترم ہیں۔ اگر حسینؑ کسی سے کہدیں کہ بھیا جاؤ دیکھو فوج دشمن کیا کہہ رہی ہے میں تم پر قربان تو سوچنا پڑے گا کہ یہ انسان کتنا محترم ہے۔

نو محرم کی عصر کا وقت تھا۔ ابن سعد نے فوجوں سے خطاب کر کے کہا بس اب وقت آگیا ہے کہ خیام حسینی پر حملہ کر دیا جائے۔ تیار ہو جاؤ اور بہترین موقع ہے کہ دن کے اُجالے میں حملہ کر دیا جائے اور حسینؑ اور ان کے ساتھیوں کو قتل کر دیا جائے۔ امام حسینؑ مصلحت پروردگار سے نہیں چاہتے ہیں کہ اس وقت جنگ چھیڑی جائے۔ مشیت الٰہی نے ایک وقت معین کر دیا ہے۔ ایک رات درمیان میں آنے والی ہے جسکو حسینؑ اور اصحاب حسینؑ عبادت الٰہی میں گذارنے والے ہیں۔ لیکن کسکو آگے بڑھائیں۔ کون جائے جو ابن سعدلعنہ سے بات کرے۔ کون جائے جو شمرلعنہ سے بات کرے۔ کون جائے جو حسینؑ کی نمائندگی کرے۔ تاریخ کا فقرہ ہے کہ

فرزند رسول نے اپنے شیر کو دیکھا "ارکب بنفسی انت" عباس تم سوار ہو کر جاؤ۔ بھیا تم پر میری جان قربان ہو۔ اللہ ایک طرف کربلا کے سارے شہید جن سے ہم آپ کہتے ہیں کہ ہمارے ماں باپ آپ پر قربان۔ ایک طرف تنہا عباس علمدار۔ بھیا میں تم پر قربان۔ اس جملہ کو سننے کے بعد عباس کے جذبات کا کیا عالم ہوگا۔ خدا جانتا ہے۔ ہم آپ تو تصور بھی نہیں کر سکتے ہیں۔ عباس اس وقت کا انتظار کر رہے ہیں کہ وہ وقت کیسے آجائے کہ میں مولا پر قربان ہو جاؤں تاکہ مولا کے اس جملہ کا احترام رہ جائے۔ حکم تھا آقا کا آگے بڑھے۔ فوج دشمن سے آکے گفتگو کی اور یہ طے ہو گیا کہ اس وقت جنگ نہیں ہوگی۔ ایک رات عبادت الٰہی کیلئے ہوگی۔ چنانچہ ساری رات عبادت الٰہی میں گزرتی رہی۔ صبح کے وقت جب فرزند رسول نے لشکر کو مرتب کیا۔ مجھے تو لشکر کہتے ہوئے بھی تکلف ہوتا ہے۔ کیا لشکر تیس ہزار سپاہی کم سے کم اُدھر میمنہ پر دس ہزار میسرہ پر دس ہزار قلب لشکر پر دس ہزار۔ اور اِدھر صرف بہتر جن میں نو دس برس کے بچے بھی ہیں تیرہ برس کا نابالغ بچہ بھی ہے۔ چھ مہینہ کا بچہ بھی ہے۔ جو تھوڑے سے افراد حسینؑ کے پاس ہیں۔ حسینؑ نے ان کو بھی تین حصوں میں بانٹ دیا۔ یہ میمنہ زہیر کے ہاتھوں میں۔ وہ میسرہ حبیب کے ہاتھوں میں۔ قلب لشکر عباس علمدار کے ہاتھوں میں۔ اس کے بعد حسینؑ نے اپنے لشکر کا علم ویسے ہی علمدار کربلا کو دیا جیسے پیغمبرؐ نے اپنا علم عباس کے باپ کو دیا تھا۔ یہ وراثت ہے جو عباس علمدار کے ہاتھوں میں آئی ہے۔ کل پیغمبرؐ کا علم علیؑ کے ہاتھوں میں تھا آج حسینؑ کا پرچم عباس کے ہاتھوں میں ہے۔ اور یہ وہ پرچم ہے جس سے سارے اہل حرم کی ڈھارس وابستہ ہے اور یہ وہ شخصیت ہے جس سے سب کی امیدیں وابستہ ہیں۔ عباس لشکر کو مرتب کر رہے ہیں۔ جنگ کا وقت آگیا جنگ کا انتظام عباس کے ہاتھوں میں ہے وقت گزرتا رہا ظہر کا ہنگام

آیا۔ یہاں تک کہ نماز ظہر بھی تمام ہو گئی۔ اس کے بعد بنی ہاشم کی قربانی کا وقت آگیا۔ جب بنی ہاشم قربان ہونے لگے اور ایک ایک کر کے سب راہ خدا میں کام آگئے تو ایک مرتبہ عباس آئے مولاؑ کے سامنے دست ادب جوڑ کے کھڑے ہوئے۔ کہا مولا اب تو مجھے اجازت دیدیجئے۔ آقا کبتک برداشت کروں دشمنوں کے طعنے اتنی لاشیں اٹھائیں۔ اتنے جنازے اٹھائے۔ مولا اب تو اجازت دیدیجئے۔ عجب فقرہ حسینؑ نے کہا۔ بھیا تمھیں کیسے اجازت دوں "انت حامل لوائی" تم میرے علمبردار ہو "و کبش کتیبتی" تم میرے سردار لشکر ہو۔ تمھیں کیسے جانے دوں۔ عباس تم تو جانتے ہو کہ جب سردار مارا جاتا ہے تو لشکر کے حوصلے ٹوٹ جاتے ہیں عزیزو! میں تو کچھ نہ کہہ سکتا تھا۔ مگر بات خود عباس علمدار نے کہدی۔ جب امام حسینؑ نے کہا کہ تم میرے لشکر کے علمبردار ہو۔ تو ایک مرتبہ عباس نے داہنے دیکھا، بائیں دیکھا۔ مولا سے بہتر اپنے شیر کی اداؤں کو کون پہچانتا ہے۔ عرض کرتے ہیں آقا وہ لشکر کہاں ہے جس کا میں سردار ہوں۔ جب کوئی نہ رہ گیا سب قربان ہو گئے اب تو مجھے اجازت دیدیجئے۔ بھیا اگر جانا چاہتے ہو تو تم تو سن رہے ہو کہ چھوٹے چھوٹے بچے خالی کوزے ہاتھ میں لیے ہوئے العطش العطش۔ ہائے پیاس ہائے پیاس۔ اے بھیا اگر ہو سکے تو بچوں کیلئے پانی کا کوئی بندوبست کرو۔

عباس در خیمہ پر آئے۔ آ کے آواز دی سکینہ! بھتیجی نے چچا کی آواز سنی دوڑ کر در خیمہ تک آئی۔ چچا کیسے یاد فرمایا۔ کہا بیٹی ذرا مشکیزہ تو لاؤ۔ آقا نے مجھے حکم دیا ہے کہ میں بچوں کیلئے پانی کا انتظام کروں۔ ذرا مشکیزہ تو لاؤ۔ سکینہ مشکیزہ لیکر چلیں۔ چھوٹے چھوٹے بچے سکینہ کے ساتھ ہیں۔ بی بی یہ مشکیزہ کہاں لے جا رہی ہو۔ کہا تمھیں نہیں معلوم ہے۔ میرا چچا پانی لینے کیلئے جا رہا ہے۔ بس اب تمھاری پیاس کی مدت تمام ہو رہی ہے۔ اب میرا چچا جا رہا ہے۔ بس تھوڑی دیر میں پانی

آنے والا ہے۔ بچے آس لگائے بیٹھے ہیں۔ عباس نے مشکیزہ لیا۔ علم سے باندھا۔ مولا سے رخصت ہوئے۔ آگے بڑھے۔ چار ہزار کا نہر پر پہرہ۔ پہرے کو توڑا۔ فرات تک پہونچے۔ مشکیزہ کو فرات میں ڈبویا۔ مشکیزہ کو بھرا۔ لیکر چلے۔ داہنا شانہ قلم ہو گیا کوئی پرواہ نہیں۔ بایاں ہاتھ کٹ گیا۔ کوئی پرواہ نہیں ہے۔ ایک فکر ہے کہ یہ مشکیزہ بچوں تک پہونچ جائے۔ آگے بڑھتے جا رہے ہیں۔ ایک مرتبہ تیر مشک سکینہ پر لگا۔ جیسے ہی مشکیزہ کا پانی بہنے لگا عباس نے گھوڑے کا رُخ موڑ دیا۔ اب میں خیمہ کی طرف جا کر کیا کروں گا۔ سر جھکا کے پشت فرس پر بیٹھ گئے۔ ایک ظالم نے سر پر ایک گرز لگایا علیؑ کا لال پشت فرس پر سنبھل نہ سکا۔ اب جو پشت فرس سے خاک کربلا کیطرف چلے۔ کیا گذر گئی میں نے پرسوں اشارہ کیا تھا کہ ماں برابر یہ کہہ کر مرثیہ پڑھتی تھی بیٹا عباس تجھ پر اُس وقت کیا گذری ہوگی جب ہاتھوں کے کٹنے کے بعد تو گھوڑے سے گرا ہوگا۔ گرتے گرتے مولا کو آواز دی۔ حسینؑ کے کانوں میں آواز آئی۔ ایک مرتبہ کمر کو تھام کے آگے بڑھے۔ "الآن انکسر ظھری" عباس کمر ٹوٹ گئی۔ اب کوئی تدبیر سامنے نہیں ہے۔ عباس دشمن طعنے دے رہے ہیں کہ علمدار کہاں ہے۔ یہ کہہ کر آگے بڑھے۔ ایک مرتبہ چلتے چلتے اُتر کے کسی چیز کو اٹھا کے سینے سے لگا لیا۔ آگے بڑھے یہاں تک کہ اس منزل پر پہونچے جہاں شیر ایڑیاں رگڑ رہا تھا۔ آئے۔ آکے سرہانے بیٹھے۔ سر اٹھا کے زانو پر رکھا۔ روایت کہتی ہے کہ عباس نے سر ہٹا لیا۔ دوبارہ سر اٹھا کے زانو پر رکھا شیر نے سر ہٹا لیا۔ کہا بھیا مجھے خیال ہے کہ میں دیر سے آیا مگر بھیا یہ اپنا سر میرے زانو سے کیوں ہٹا رہے ہو۔ کہا مولا یہ میری مجال۔ فقط یہ سوچ رہا ہوں کہ اس وقت تو میرا سر آپ کے زانو پر ہے تھوڑی دیر کے بعد جب آپ گھوڑے سے گریں گے تو آپ کا سر کس کے زانو پر ہوگا۔ بھائی بھائی میں گفتگو ہوتی

رہی۔ ایک مرتبہ عباس خاموش ہوئے۔ حسینؑ نے مرثیہ شروع کردیا۔ اے عباس جو آنکھیں تیری ہیبت سے نہ سوتی تھیں اب سوئیں گی۔ ارے بھیا اب سیدانیاں جاگیں گی۔ انھیں سونا نصیب نہ ہوگا۔ امام حسینؑ نے وصیت کے مطابق لاش کو فرات کے کنارے چھوڑا۔ پرچم کو لیکر چلے۔ اب جو بچوں نے دیکھا کہ علم آرہا ہے۔ سارے بچے سکینہ کے گرد جمع ہوگئے۔ بی بی آپ کا چچا آرہا ہے۔ بی بی آپ کا سقا آرہا ہے۔ جب پرچم در خیمہ کے قریب آیا۔ تو بچی نے بڑھ کے خیمہ کا پردہ اٹھا دیا۔ کیا دیکھا۔ بابا آئے۔ چچا نہیں آئے۔ دوڑ کے قدموں سے لپٹ گئیں۔ بابا۔ میرا چچا کہاں ہے؟۔ کہا سکینہ کیا چچا کا انتظار کر رہی ہو۔ کہا بابا کیسے نہ انتظار کرتی چچا نے پانی کا وعدہ کیا تھا۔ میرا چچا بے وفا نہیں ہے۔ حسینؑ نے بچی کو کلیجہ سے لگالیا۔ سکینہ اب چچا کا انتظار نہ کرنا تیرا چچا فرات کے کنارے شانے کٹا کے سو گیا۔ بچی تڑپ گئی چچا اگر معلوم ہوتا کہ آپ واپس نہ آئیں گے تو سکینہ مرجاتی پانی کا تقاضا نہ کرتی۔ ہائے میرا چچا۔ ہائے میرا چچا۔

سیعلم الذین ظلموا ای منقلب ینقلبون

مجلس ۹

صاحبانِ ایمان و تقویٰ وہ ہیں جو اس رسولؐ نبی اُمی کا اتباع کرتے ہیں جسکا تذکرہ توریت میں بھی ہے اور انجیل میں بھی۔ وہ نیکیوں کا حکم دیتا ہے۔ برائیوں سے روکتا ہے۔ طیبات کو حلال قرار دیتا ہے۔ خبائث کو حرام قرار دیتا ہے۔ انسانیت کو اس بوجھ اور ان زنجیروں سے آزادی دلاتا ہے جن زنجیروں میں عالم انسانیت جکڑا ہوا ہے۔ پس جو لوگ اس پیغمبرؐ پر ایمان لائے پیغمبرؐ کا احترام کیا پیغمبر کی مدد کی اور اس نور کا اتباع کیا جو پیغمبر کے ساتھ نازل کیا گیا ہے یہی لوگ فلاح پانے والے اور کامیاب ہیں۔

آیہ کریمہ کے ذیل میں جو سلسلہ کلام "رسالت الٰہیہ" کے عنوان سے آپ کے سامنے پیش کیا جا رہا تھا اس کے نویں مرحلہ پر کچھ باتیں نصرت پیغمبرؐ سے متعلق گزارش کرنا ہیں۔

ابتدائی طور پر ایک ہلکا سا اشارہ بعض ان مطالب کیطرف جن کا تذکرہ اس کے پہلے مکمل نہ ہو سکا۔ پیغمبرؐ اسلام کے بارے میں قرآن مجید کی اس آیت میں تین مطالبات ہیں۔ پیغمبرؐ پر ایمان لانا۔ پیغمبرؐ کا احترام کرنا اور پیغمبر کی مدد کرنا۔ میں نے اس کے پہلے اشارہ کیا تھا کہ پیغمبرؐ کا احترام اسلام کا قانون بھی ہے اور عقل بشر کا تقاضا بھی ہے۔ ہر وہ انسان جسکی زندگی میں کارہائے نمایاں ہوتے

ہیں وہ ہر صاحب عقل اور صاحب انصاف کی نگاہ میں خود بخود محترم ہوجاتا ہے۔
پیغمبرؐ اسلام نے تیئیس سال کے مختصر سے عرصہ میں جتنا بڑا انقلاب پیدا کیا ہے جس طرح سماج کو برائیوں سے نکال کر نیکیوں کے راستہ پر لگایا ہے اسکی تاریخ کائنات میں کوئی مثال نہیں ملتی ہے۔

قرآن مجید نے پیغمبرؐ اسلام کی بعثت کے موقع پر جس صورت حال کا تذکرہ کیا ہے اس کے بیے میں نے عرض کیا تھا کہ مختلف عیوب، مختلف کمزوریاں تھیں جو سارے سماج میں پھیلی ہوئی تھیں۔ اتنی کمزوریوں کو دور کرنے کیلئے، اتنے فسادات کی اصلاح کرنے کیلئے ایک انسان کو کتنی بڑی زندگی درکار ہے۔ کتنے ساتھی درکار ہیں۔ کتنے وسائل اصلاح درکار ہیں۔ کتنے اسلحے درکار ہیں۔ کیسا ماحول درکار ہے۔ آپ جب ان حالات کا تصور کریں گے تو آپ کو محسوس ہوگا کہ وہ کام جو ہزاروں افراد کی معیت میں، ہزاروں اسلحوں کے ہونے کے باوجود، ہزاروں وسائل ابلاغ کے ہوتے ہوئے دنیا میں انجام نہیں پاسکتا ہے وہ کام سرکار دوعالم نے تن تنہا انجام دیا ہے۔

اس وقت چند لفظوں میں وہ خاکہ عرض کرنا چاہتا ہوں جسکو قرآن مجید نے بیان کیا ہے کہ میرے پیغمبرؐ کے آنے سے پہلے ان کا کیا حال تھا اور پیغمبرؐ کے آنے کے بعد سماج میں کتنا بڑا انقلاب پیدا ہوا ہے۔

قرآن مجید نے جن اٹھارہ برائیوں کا تذکرہ کیا ہے ان میں ایک برائی یہ تھی کہ انسان ذہنی طور پر اتنا پست ہوگیا تھا کہ کوئی مخلوق ایسی نہیں تھی جس کے سامنے اسکا سر نہ جھک جاتا ہو۔ آسمانی مخلوق ہو یا زمینی مخلوق ہو۔ زمین پر چلنے والی مخلوق ہو یا ایک مقام پر ثابت مخلوق ہو۔ قوت نمو رکھنے والی مخلوق ہو یا بالکل ہی جامد مخلوق ہو۔ ہر مخلوق کو انسان نے اس قابل بنالیا تھا کہ اس کے سامنے سر نیاز

جھکا دیا جائے اور اسکی خدائی کا اعتراف کر لیا جائے۔ آسمان پر چمکتے ہوئے سورج سے لیکر ٹھوکروں میں آنے والے ذرات تک سب خدا تھے۔ سوچئے انسانی ذہن کتنا پست ہو گیا تھا۔ ابھی اسی پتھر کو ٹھوکر ماری تو پتھر تھا۔ اٹھا کر طاق پر رکھدیا تو وہ خدا ہو گیا۔ درخت جب تک نہیں کاٹا گیا خدا ہے جب کاٹ دیا گیا تو لکڑی بن گیا۔ انسان کے پاس اتنی فکر، اتنی سمجھ، اتنا شعور نہیں تھا کہ جسکو خدا مانا ہے اسمیں کوئی بات تو ایسی ہونی چاہئے جو ہم سے زیادہ ہو۔ اگر خدا کیلئے خالقیت درکار نہیں ہے اگر خدا کیلئے رازق ہونا شرط نہیں ہے تو کم سے کم خدا ماننے کیلئے اپنے سے کچھ بالاتر تو ہونا چاہئے لیکن یہ اپنی ٹھوکروں میں آنے والے یہ کیسے خدا ہو گئے۔

کسی مصنف نے ایک بڑا حسین جملہ لکھا ہے کہ عجیب بات ہے سڑک سے گذر رہے ہیں سڑک پر ایک پتھر میل کا نصب ہے۔ تھوڑی دیر پہلے اسی پتھر پر کسی کتے کو پیشاب کرتے ہوئے دیکھا تھا اور تھوڑی دیر کے بعد کسی بندے کو اسی کے سامنے سجدہ کرتے دیکھا۔ سوچئے پتھر کا مقدر۔ کتنی جلدی خراب ہوا کتنی جلدی بنا۔ خراب ہوا تو کتنا کہ کتوں کی نگاہ میں بھی قابل احترام نہیں تھا اور محترم ہوا تو اتنا کہ بشر نے اس کے سامنے سجدہ کر لیا۔ جب آپ اس پستی ذہن کا اندازہ کر سکتے ہیں تو آپ محسوس کریں گے کہ پیغمبرؐ نے کیا انقلاب برپا کیا ہے۔

یہ انسان کی ابتدا کے اعتبار سے ہے کہ انسان خدا کو نہیں پہچانتا تھا۔

انتہا کے اعتبار سے انسان اس دن کو نہیں پہچانتا تھا جس دن حساب و کتاب ہونے والا ہے۔ یاد رکھئے کہ جس کے ذہن میں حساب و کتاب والے دن کا خیال رہتا ہے اسکا کردار ہوتا ہے اور جو اس دن کو بھول جاتا ہے اسکا کردار الگ

ہوتا ہے دنیا کے سارے فسادات کی بنیاد یہ ہے کہ عالم انسانیت نے اپنے ذہنوں سے قیامت کا خیال نکال دیا ہے ورنہ اگر یہ معلوم رہے کہ آج جتنا کریں گے کل حساب دینا پڑے گا۔ آج جو ظلم کیا ہے کل اسکا انتقام لیا جائے گا تو کبھی ایسے حالات نہ پیدا ہوں۔

تاریخ میں مختلف افراد کے بارے میں یہ فقرہ ملتا ہے کہ انھیں جب حجاج کے سامنے لایا گیا تو حجاج نے فرط غیض و غضب سے کہا کہ بتاؤ تم کیسے قتل ہونا چاہتے ہو۔ اسلئے کہ میری نگاہ میں محبت علیؑ کی ایک ہی سزا ہے کہ آدمی کو قتل کر دیا جائے۔ سامنے جلاد ہے، سامنے تلوار ہے، سامنے حجاج جیسا حاکم ہے۔ ایسے وقت میں انسان کا جواب کیا ہونا چاہئے۔ کوئی ترحم کی درخواست ہوتی کہ اگر مارنا ہی چاہتے ہو، قتل ہی کرنا چاہتے ہو۔ تو کم سے کم ویسے قتل کرو جسمیں کم سے کم تکلیف ہو۔ کم سے کم اذیت ہو۔ دیر تک مجھے مصیبت کو نہ برداشت کرنا پڑے گا مگر اللہ والے کا جواب پہچانئے تاکہ اندازہ ہو جائے کہ جس کے ذہن سے عقیدہ قیامت نکل جاتا ہے وہ حجاج ہوتا ہے اور جس کے ذہن میں یہ عقیدہ راسخ ہو جاتا ہے وہ محب علیؑ ہوتا ہے۔ عجب جواب دیا۔ کہا مجھ سے کیا پوچھ رہا ہے۔ مجھ سے یہ سوال کیوں ہے کہ میں کیسے قتل ہونا چاہتا ہوں۔ تو پہلے بتا دے کہ تو کیسے قتل ہونا چاہتا ہے۔ اس نے کہا کہ تمھاری مجال کہ تم مجھے قتل کرو گے۔ مجھ سے پوچھ رہے ہو کہ تو کیسے قتل ہونا چاہتا ہے تم میں یہ ہمت پائی جاتی ہے کہ قیدی میرے سامنے، دربار میرا، افراد میرے، جلاد میرا۔ اور تم میں یہ حوصلہ پیدا ہو گیا کہ مجھ سے اس انداز سے گفتگو کر رہے ہو۔ کہا نہیں۔ میں یہ نہیں کہنا چاہتا کہ میں تجھے قتل کروں گا۔ میں فقط یہ بتانا چاہتا ہوں کہ انسان دنیا میں جیسا جرم کرے گا آخرت میں ویسی ہی سزا دی جائے گی۔ جیسی سزا کا حوصلہ تجھ میں پایا جاتا ہو ویسے ہی ظلم کی ہمت پیدا کر۔ میں ہر

ظلم کو برداشت کرنے کیلئے تیار ہوں۔

فرق پہچانا آپ نے۔ ان دونوں کے ذہن میں کیا فرق ہے۔

اتنا ہی فرق ہے کہ وہ جس آخرت کو بھول گیا تھا۔ علیؑ کا غلام اس آخرت کو یاد دلانا چاہتا ہے تاکہ دنیا پر واضح ہو جائے کہ ظلم پیدا ہوتا ہے آخرت کو بھول جانے سے اور انصاف قائم ہوتا ہے آخرت کو یاد رکھنے سے۔

یہی وجہ ہے کہ خدا نے جسکو انصاف کا ذمہ دار بنایا اس کے عقیدہ کو قیامت سے جوڑ دیا۔ اول توحید، دوسرے عدل، تیسرے نبوت، چوتھے امامت، پانچویں قیامت۔ سمجھے آپ عقیدہ امامت کو قیامت سے کیوں جوڑا گیا ہے قیامت کا کام ہے عدل و انصاف کا حساب لینا اور امامت کا کام ہے عدل و انصاف قائم کر دینا۔

یہ اسلام کے بنیادی عقائد کے اعتبار سے جو اسلام نے بعد میں پیش کئے اس کے بعد اگر تہذیب اور اخلاق کا عالم دیکھنا چاہتے ہیں تو خود قرآن مجید نے جن حالات کیطرف اشارہ کیا ہے ان کا مختصر خاکہ یہ ہے کہ باپ کے مرنے کے بعد جیسے سارا مال ترکہ میں تقسیم ہوتا تھا یہ مکان انھیں ملا ہے۔ یہ پیسہ انھیں ملا ہے۔ یہ کپڑا انھیں ملا ہے جو مال جسے ملا ہے وہ مال استعمال کرے گا۔ وہ مال اسکا اپنا ہے اس مال کو وہ استعمال کرے گا۔ جس انداز سے باپ کے مرنے کے بعد ان کی ساری املاک کو ترکہ میں تقسیم کیا جاتا تھا ویسے ہی باپ کی بیوی یعنی اپنی ماں بھی بطور ترکہ اولاد کو دی جاتی تھی۔ قرآن مجید نے اسی لیے کہا تھا "ولا تنکحوا ما نکح آباؤکم" خبردار جن سے تمھارے باپ نے نکاح کیا ہے ان سے تم نکاح نہ کرنا۔ سوچئے کہاں تک انسانیت ذلیل ہو سکتی ہے ہم تو بیسویں صدی کے حالات سے پریشان ہیں کہ اس دنیا کی اصلاح نہیں ہو سکتی۔ اتنے مسلمان، لاکھوں مسلمان، کروڑوں مسلمان، پچاس اسلامی حکومتیں، سب پریشان ہیں اس دنیا کی اصلاح

کیسے کی جائے۔ کل تو نہ کروڑوں مسلمان تھے نہ لاکھوں چاہنے والے تھے نہ حکومتیں تھیں، نہ اقتدار تھا نہ وسائل ابلاغ کچھ نہیں تھا ایک آدمی تھا جو یہ آواز بلند کر رہا تھا کہ خبردار یہ کام نہ ہونے پائے۔ یہ ذلت کی آخری انتہا تھی کہ ماں کو میراث میں لینے کے بعد بطور ترکہ استعمال کیا جائے۔ یہ اونچے رشتہ کا حال تھا جسکا نام ہے ماں اور جو پست رشتہ تھا اسکا حال میں بیان کر چکا ہوں کہ بیٹی پیدا ہو اور زندہ دفن کر دی جائے۔ اس کے بعد دیگر اخلاقیات کو اگر دیکھنا ہے تو بدکاری کوئی عیب نہیں تھی۔ شراب پینا کوئی برائی نہیں تھا۔ جوا کھیلنا کوئی کام ہی نہیں تھا۔ سود کھانا کوئی مسئلہ ہی نہیں تھا۔ یہ دنیا کا حال تھا اور ذرا اونچے چلے گئے تو اپنی اپنی اولاد، اپنے اپنے گھر والوں کا احترام، ان کی عزت، ان کے بارے میں اچھے اچھے خیالات مگر ملائکہ۔ اللہ کی بیٹیاں۔ قرآن مجید نے کیا حسین نقشہ کھینچا ہے کہ جب تم نے ملائکہ کو دیکھا نہیں تو تمھیں یہ کیسے معلوم ہو گیا کہ یہ لڑکے ہیں یا لڑکیاں۔ اگر کبھی بزم پیغمبرؐ میں کسی نے وہب کلبی کی شکل میں کسی ملک کو دیکھا بھی ہوگا تو وہ بھی اتفاق سے مرد ہی کی شکل میں دیکھا ہوگا اور کسی نے اپنے سرہانے ملک الموت کو دیکھا ہوگا تو اس نے بھی کسی نہ کسی مرد ہی کی شکل میں دیکھا ہوگا۔ یہ عجیب قیامت ہے کہ جسکو دیکھا نہیں ہے جس کے بارے میں کوئی اطلاع نہیں ہے۔ پہلے اسے عورت قرار دیا اور عورت قرار دینے کے بعد شجرہ کی تلاش شروع ہو گی۔ اسلئے کہ ہر آدمی سوچ رہا تھا کہ اگر ہماری اولاد ہوتی تو ہم تو بیٹیوں کو زندہ نہیں رہنے دیتے۔ یہ کیسے بچے ہوئے ہیں۔ اسکا مطلب یہ ہے کہ یہ خدا کی بیٹیاں ہیں۔ پروردگار عالم نے کہا کچھ تو انصاف کیا ہوتا مجھے خدا نہیں مانا تو نہ مانا ہوتا۔ جب جانتے ہو کہ میں ہی پیدا کرنے والا ہوں تو اتنا باذوق تو مانا ہوتا کہ اگر تم اپنے واسطے بیٹی پسند نہیں کرتے ہو۔ بیٹا پسند کرتے ہو جبکہ تمھیں پیدا نہیں

کرنا ہے۔ تم تو خالی تمنا کر سکتے ہو۔ دعا کر سکتے ہو تو مجھے تو خود ہی بنانا ہے۔ تو اگر بیٹا بیٹی سے بہتر ہے تو جب میں اپنے لیے اولاد کا انتخاب کروں گا تو میں بیٹیاں نہیں بناؤں گا۔ بیٹے ہی بناؤں گا۔ مگر تمہارے پاس اتنا بھی شعور نہیں ہے۔ میرے بارے میں، اس ذوق کے بھی قائل نہیں ہو جس ذوق کے اپنے بارے میں قائل ہو۔

آپ نے حالات دیکھے۔ اب مالیات کو دیکھیں گے تو اسکا بھی وہی حال دکھائی دے گا۔ اس کے بعد جتنی اور برائیاں وہمیات سے تعلق رکھتی ہیں۔ خرافات سے تعلق رکھتی ہیں۔ ایک پورا سماج تھا جو غلاظتوں میں ڈوبا ہوا۔ برائیوں میں ڈوبا ہوا، خباثتوں میں ڈوبا ہوا، ذہنی خباثت، عملی خباثت، عقلی خباثت، اجتماعی خباثت، اقتصادی خباثت، سیاسی خباثت، کوئی برائی ایسی نہیں تھی جس سے وہ سماج پاک رہا ہو۔

ایک انسان اٹھا اور وہ یہ کہہ رہا ہے۔ ہے کوئی جو میرے بوجھ کو بٹائے۔ ہے کوئی جو میرا ساتھ دے۔ اس دن تو کوئی ساتھ دینے والا بھی دکھائی نہ دیا ایک بچہ کی آواز فضا میں گونج رہی تھی "انا یا رسولؐ اللہ" اور کوئی آواز نہیں سنائی دی۔ جتنی آوازیں سنائی دیں سب بعد میں۔ اس دن کوئی آواز نہیں سنائی دی۔ ایک انسان اٹھا ہے پروردگار عالم کے اعتماد پر۔ پروردگار عالم کی نصرت کے بھروسہ پر اور اس نے یہ اعلان کیا ہے کہ میں اس دنیا کو منقلب کردوں گا۔ میں ان حالات کو بدل دوں گا۔ میں اس ماحول کو برداشت نہیں کر سکتا۔ نہ میرا خدا برداشت کرے گا نہ میں برداشت کروں گا۔ میری ذمہ داری ہے کہ میں اس سماج میں انقلاب پیدا کروں۔ زیادہ زمانہ نہیں تیرہ سال مکہ میں، دس سال مدینہ میں۔ اور جو ساتھ دینے والے ہیں ان کا حال بھی آپ کو معلوم ہے۔ پہلے دن ایک تھا اس کے

بعد جتنے ہو گئے ہوں۔ لیکن بہرحال تیئیس سال کے بعد جب وہ دنیا سے جا رہا تھا تو کتنا بڑا انقلاب پیدا کر کے گیا۔ جو پتھروں کے سامنے سجدہ کیا کرتے تھے ان کی نگاہیں نامحرموں کے سامنے بند ہونے لگیں۔ جو جنگ و جدال کو اپنے لیے باعث فخر سمجھتے تھے انھیں صلح کرنے کا شعور دیدیا۔ جو بیٹیوں کو زندہ دفن کرتے تھے انھیں بیٹیوں کا احترام سکھا دیا۔ جو عورت کو میراث نہ دیتے تھے ان کی نگاہ میں اولاد کو وارث بنا دیا۔ جو مال حرام کھانے والے تھے ان کو مال لٹانے کا حوصلہ دیدیا۔ جو گلے کاٹنے والے تھے ان کو قربانی دینے کا حوصلہ دیدیا۔

ایک انسان، اتنا بڑا انقلاب پیدا کر دے سوچا نہیں جا سکتا۔ تو مجھے کہنے دیجئے کہ یہ انقلاب ایک نمونہ تھا کہ تم نے طاقت کا پہلا حصہ دیکھا ہے۔ یہ چھوٹے سے جزیرے میں اتنا بڑا انقلاب دیکھا دیا۔ اب اس کے بعد جب افراد بڑھیں گے۔ اولاد بڑھے گی۔ ذریت کام کرے گی۔ نسلیں کام کریں گی۔ تو اس کے بعد اگر یہ ساری برائیاں کل عالم میں پھیل جائیں گی تو ایک میرا ہی وارث اٹھے گا جو سارے عالم کے ظلم و جور کو عدل و انصاف میں تبدیل کر دے گا اور خدا نے میرے وقار کو محفوظ رکھنے کیلئے اسے میرا ہی نام بھی دیا ہے اور میری ہی کنیت بھی دی ہے تا کہ دنیا کو پھر یہ احساس پیدا ہو جائے یہ کسی غیر کا کام نہیں ہے یہ ابوالقاسم کا ہی کام ہے۔ یہ محمدؐ ہی کا کام ہے۔

اب اس کے بعد میں اس موضوع کی مختصر وضاحت کرنا چاہتا ہوں جسکو آج میں نے عنوان کلام قرار دیا ہے۔ مسئلہ ہے نصرت رسالت کا۔ فلاح پانے والے، کامیاب، نجات پانے والے وہی ہیں جو پیغمبرؐ پر ایمان لائے۔ پیغمبرؐ کا احترام کیا اور پیغمبرؐ کی مدد کی۔ اس مقام پر صرف دو باتیں گزارش کرنا ہیں۔ زیادہ وقت نہیں ہے۔ لیکن آپ ان دونوں باتوں کی طرف مکمل طور سے متوجہ رہیں تا کہ اس

حقیقت کو پہچانیں جسکی طرف میں اشارہ کرنا چاہتا ہوں۔

حیات پیغمبرؐ میں جتنے اعمال پائے جاتے ہیں۔ سیرت پیغمبرؐ میں جتنی باتیں پائی جاتی ہیں ان باتوں کے بارے میں سوچنے کے لیے انسان کو الگ سے معیار قائم کرنا ہوگا۔

پیغمبرؐ اسلام کے اعمال، پیغمبرؐ کے افعال، پیغمبرؐ کی سیرت قیاس دنیا کے دوسرے انسانوں کی سیرت پر نہیں ہوسکتا۔ اور یہ فقط میرا عقیدہ یا میرا ایمان نہیں ہے۔ یہ پیغمبرؐ اسلام کی شخصیت کو دیکھنے کے بعد ہر انسان خود اندازہ کرسکتا ہے کہ سرکار دوؐعالم کے اعمال، آپ کے افعال کی الگ ایک دنیا تھی۔ حضورؐ دنیا میں آئے تو دنیا کی اصلاح کیلئے آئے۔ دنیا کو سنوارنے کیلئے آئے۔ دنیا کو راہ راست پر لگانے کیلئے آئے۔ لہٰذا پیغمبرؐ کے سارے اعمال میں اس رُخ کا ہونا ضروری ہے کہ دنیا کی اصلاح ہوجائے۔ پیغمبرؐ کے ہر عمل میں اس پہلو کا ہونا ضروری ہے کہ دنیا کو کیسے سنوارا جائے گا اور دنیا کو کیسے راہ راست پر لایا جائے گا۔ ورنہ کتنے اعمال ایسے ہیں کہ جنکی سرکار دوؐعالم کو کوئی ضرورت نہیں تھی مگر اس کے بعد بھی حضورؐ نے وہ اعمال انجام دیئے کہ اگر ہم یہ کام نہ کریں گے تو تم کیسے سمجھو گے کہ یہ بڑا اہم نکتہ ہے ا

ایک غیر مسلم نے ایک کتاب لکھی۔ قرآن مجید کے خلاف اسمیں بہت سی باتیں بہت سے خرافات ہیں۔ ان میں پہلی بات یہ ہے کہ "الحمد للہ رب العالمین" یہ کس کا کلام ہے۔ ساری تعریف اللہ کیلئے ہے جو رب العالمین ہے۔ یہ کس کا کلام ہے۔ اگر پیغمبرؐ نے اپنے پاس سے بنایا ہے تو مسلمان کیوں کہتے ہیں کہ یہ کلام اللہ ہے۔ اور اگر یہ کلام خدا ہے تو یہ بات اچھی نہیں لگتی کہ کوئی آدمی خود اپنی تعریف کرے۔ یہ کون کہہ رہا ہے؟ خدا ہی تو کہہ رہا ہے۔ قرآن کلام خدا ہے اور

قرآن کہہ رہا ہے ساری تعریف اللہ کیلئے ہے جو رب العالمین ہے۔ یعنی ساری تعریف میرے واسطے ہے اور یہ بات اچھی نہیں لگتی ہے کہ کوئی آدمی اپنی خود تعریف کرے۔

اس بے چارے نے خود ہی اعتراض بھی کیا اور خود ہی جواب بھی دیدیا۔ سب سے پہلے جب میں نے اس کتاب کو پڑھا۔ آج سے تیس پینتیس سال پہلے تو مجھے پڑھ کر ہنسی آ گئی کہ بے چارے نے رُخ تو اچھا نکالا تھا اور ہوسکتا تھا کہ دو چار مسلمان گمراہ بھی ہوجاتے مگر آخر میں ایسی احمقانہ بات کہدی کہ یہ بات اچھی نہیں لگتی ہے کہ کوئی آدمی خود اپنی تعریف کرے۔ اگر یہ بات نہ کہی ہوتی تو شائد دو چار منٹ اسکی بات سوچنے کے قابل ہوتی۔ ابھی تو آپ نے کہا کہ دو قسمیں ہیں یا کلام پیغمبرؐ ہے یا کلام خدا۔ اگر کلام پیغمبرؐ ہے تو آدمی کا کلام ہے لیکن اگر کلام خدا ہے تو آدمی کا کلام نہیں ہے۔ ہم نے اگر کلام پیغمبرؐ کہا ہوتا تو آپ کو یہ کہنے کا موقع تھا کہ اچھا نہیں لگتا کہ کوئی آدمی اپنی تعریف خود کرے جبکہ یہ پیغمبرؐ کی تعریف نہیں ہے خدا کی تعریف ہے۔ لیکن اگر کلام خدا ہے تو یہ آپ کو کس دن خیال پیدا ہو گیا کہ یہ کسی آدمی کی بات ہے جسکو مسلمان نے خدا کہا ہے۔ مسلمان نے نہ خدا کو آدمی کہا ہے نہ کسی آدمی کو خدا کہا ہے۔ لیکن بہرحال لوگ سوچتے ہیں کہ اپنی تعریف اپنی زبان سے اچھی نہیں ہوتی ہے۔

عزیزان گرامی! اس مسئلہ کا واقعی حل بھی سامنے موجود ہے۔ آپ سوچئے ہم آپ جب پیدا ہوئے تو دوسروں کا حال نہیں سب اپنا اپنا حال تو جانتے ہیں کہ ہم آپ جب پیدا ہوئے تو اتنے جاہل تھے کہ دنیا کے بارے میں کچھ نہیں جانتے تھے اور خود اپنے بارے میں بھی کچھ نہیں جانتے تھے۔ قرآن مجید کا بھی اعلان ہے "واللہ اخرجکم من بطون امھاتکم لا تعلمون شیئا"۔ اللہ نے تم کو اس عالم میں پیدا کیا کہ

تم کچھ نہیں جانتے تھے۔ کتنا بڑا چیلنج ہے کسی صاحب میں ہمت ہو تو کہد یں کہ نہیں، ہم کچھ جانتے تھے۔ اتنا بڑا جاہل کہ اپنے بارے میں کچھ نہیں جانتا تھا۔ ماں کے بارے میں کچھ نہیں جانتا تھا۔ باپ کے بارے میں کچھ نہیں جانتا تھا۔ گھر کے بارے میں کچھ نہیں جانتا تھا۔ کسی کے بارے میں کچھ نہیں جانتا تھا۔ تو جو اپنے بارے میں کچھ نہیں جانتا وہ اپنے پیدا کرنے والے کو کیسے سمجھے گا۔ ایسا جاہل پیدا ہونے والا اپنے خالق اور مالک کو کیسے پہچان لے گا۔ یہ تو اس مالک کی ذمہ داری تھی کہ ایسی مخلوقات کے سامنے اپنی عظمت اور اپنے جلال و جمال کو پیش کرتا تاکہ یہ سب بے چارہ یہ نہ کہہ سکے کہ ہم کہاں سے آپ کو پہچانیں گے۔ ہماری اوقات ہی کیا ہے لہٰذا اس نے کہا "الحمد لِلّٰہ رب العالمین" پہچانو، میں کون ہوں۔ سب کسی ایک کام میں قابل تعریف ہو جاتے ہیں لیکن اگر ساری تعریفیں کہیں اکٹھا ہو سکتی ہیں کہ نہ تنہا میں ہوں۔ سب ایک دو کے پرورش کرنے والے ہیں اور اگر عالمین کا کوئی پالنے والا ہے تو میں ہوں۔ وہ اگر نہ پہچنواتا تو کوئی پہچنوانے والا نہ ہوتا۔

اب بات آ گئی ہے تو جملہ کو محسوس کیجئے گا۔ اس کے معنی یہ ہوئے کہ اگر خدا "الحمد لِلّٰہ رب العالمین" نہ کہتا تو کوئی خدا کا پہچاننے والا نہ ہوتا۔ خدا نے ایک راستہ بتا دیا کہ کسی شخص کا بھی اپنی تعریف کرنا عیب ہے مگر جو نہیں جانتے ان کو بتانا بھی فرض ہے۔ اگر عالم عربیت پیغمبرؐ کو پہچان سکتا ہوتا تو کبھی نہ کہتے میں رحمۃ للعالمین ہوں۔ کبھی نہ کہتے میں رسول اللہ ہوں۔ کبھی نہ کہتے میں صاحب اعجاز ہوں۔ کبھی نہ کہتے میں صاحب کمال ہوں۔ تو جیسے خدا کا فرض تھا کہ مخلوقات کو پہچنوائے کہ میں کون ہوں۔ ویسے ہی نبی کا فرض تھا کہ اس مخلوق کو سمجھائے کہ میں کون ہوں اور جب یہ راستہ آگے بڑھا تو اب نہ کہئے گا کہ منبر سے یہ کہنا کہ جو چاہو

دریافت کرو، اچھا نہیں لگتا ہے۔ اگر یہ نہ کہا ہوتا تو لوگ پہچانتے کیسے کہ یہ کیا ہیں۔ یہ کہنے کے بعد اندازہ ہوا کہ وہ کہنے والا اور ہے کہ جو چاہو دریافت کرو اور وہ کہنے والا اور ہے کہ سب جانتے ہیں تنہا میں نہیں جانتا ہوں۔

تو عزیزان محترم! میں یہ گذارش کر رہا تھا سرکار دو عالمؐ کی زندگی میں، آپ کے اعمال و افعال کی ایک بڑی بنیاد یہ ہے کہ اگر حضورؐ نے یہ اعمال انجام نہ دیئے ہوتے تو دنیا والوں کو وہ طریقے ہی نہ معلوم ہوتے اور زندگی کا وہ اصول ہی نہ معلوم ہوتا کہ کیسے زندگی گذاری جاتی ہے۔ وہ پروردگار جس نے حبیبؐ کو اتنا بڑا شرف دیا کہ جب چاہا وہاں بلالیا عرش اعظم پر جہاں تک کسی کا ذہن نہیں پہونچتا وہاں پیغمبر کے قدم پہونچے۔ وہ صاحب اختیار جو زمین پر بیٹھ کر آسمان کے چاند کو توڑ سکتا ہے۔ کیا یہ اپنی دو روٹیوں کا انتظام نہیں کر سکتا تھا۔ کیا یہ انسان اپنے دو وقت کے کھانے کا انتظام نہیں کر سکتا تھا۔ کیا پروردگار اسے انگلیوں میں صرف اتنی طاقت دیتا ہے کہ چاند کو توڑ دے اتنی قوت نہیں دیتا ہے کہ اشارہ کرے اور کہیں نہ کہیں سے کھانے کا بندوبست ہوجائے جبکہ خود قرآن میں مثال موجود ہے۔ جو خدا مریم کو یہ شرف دے سکتا ہے کہ درخت خرما ہلائیں تو بغیر فصل کے تازے میوے مل جائیں۔ وہ خدا اپنے پیغمبرؐ کو یہ طاقت نہیں دے سکتا تھا اور اگر دے سکتا تھا تو مال خدیجہ سے تجارت کرنے کا کیا کام تھا۔ ایک ایک خرمہ کے واسطے ایک ایک ڈول پانی کھینچنے کی کیا ضرورت تھی۔ تو اگر پیغمبرؐ مال خدیجہ لیکر تجارت کرنے کے واسطے گئے تو کیا پیغمبرؐ مال خدیجہ کے محتاج تھے۔ اگر پیغمبرؐ باغ میں جا کر سینچائی کر رہے ہیں ایک ڈول پر ایک خرمہ لینے کے واسطے تو کیا پیغمبرؐ خرمہ کے محتاج تھے۔ جس کے صدقہ میں کل کائنات بنی ہے وہ محتاج کس کا ہے۔ مگر چونکہ پروردگار عالم نے اس پیغمبرؐ کو اصلاح انسانیت کے واسطے بھیجا تھا

لہٰذا کہا کہ پیغمبرؑ اگر تم تجارت نہ کرو گے تو کل تجارت عیب بن جائے گی۔ اور اگر تم اپنے مال سے تجارت کرو گے تو سیٹھوں کی تجارت تو تجارت ہو گی اور غریبوں کی تجارت ذلت ہو جائے گی۔ یعنی جس کے پاس تجارت کا سرمایہ ہو وہ اگر تجارت کرے تو کیا کہنا لیکن اگر دوسرے کے پیسے سے تجارت کرے تو یہ تو انھیں کے رحم و کرم پر جی رہے ہیں۔ پیغمبرؑ میں تمھیں بھی مال دے سکتا تھا مگر میں چاہتا ہوں کہ تم تجارت بھی کرو تو مال خدیجہ سے۔ تاکہ نہ تجارت عیب بنے پائے اور نہ دوسرے کے مال سے تجارت عیب بننے پائے۔ ورنہ اسلام ساہوکاروں کا مذہب بن جائے گا۔ اے پیغمبرؑ تم چلو محنت مزدوری کرو۔ مشقت برداشت کرو ایک ایک خرمہ کے واسطے کہ اگر یہ نہ کرو گے تو کل مزدوری عیب ہو جائے گی۔ تو جتنے کاموں کو پروردگار نے حلال بنایا تھا سب کی زحمت اپنے پیغمبرؑ کو دی تاکہ سیرت پیغمبرؑ بہترین نمونہ بن جائے اور کل کوئی عمل عیب نہ بننے پائے۔ کل کوئی عمل نقص نہ بننے پائے۔ ورنہ پیغمبرؑ کسی بات کا محتاج نہیں تھا۔ اب آپ کو معلوم ہوا کہ پیغمبرؑ کے اعمال کی مصلحت احتیاج نہیں ہے پیغمبرؑ کے اعمال کی مصلحت مجبوری نہیں ہے۔ پیغمبرؑ کے اعمال کی مصلحتیں اور ہیں۔ کہیں اُمت کو تعلیم دینا مصلحت ہے۔ کہیں نمونہ عمل قائم کرنا مصلحت ہے۔ کہیں کوئی اور مصلحت ہے لیکن ان سب کا کوئی تعلق احتیاج، غرض اور ضرورت سے نہیں ہے اگر اتنی بات واضح ہو گئی تو دو جملے اور پہچانیں تاکہ میں اپنی منزل پر آجاؤں۔ اگر پیغمبرؑ مال خدیجہ کے بجائے اپنے مال سے تجارت کرتے یا خدا نے نبیؐ کو راتوں رات خزانہ دیدیا ہوتا تو یا حضورؐ بیٹھ کے کھاتے یا تجارت ہی فرماتے تو نبیؐ کی زندگی میں کھانا تو ہوتا۔ نبی کی زندگی میں تجارت تو ہوتی مگر وہ کردار خدیجہ کہاں سے سامنے آتا جو عالم انسانیت کی آدھی برادری کے واسطے ایک نمونہ بنا ہوا ہے۔ جب

مال خدیجہؑ سے حضورؐ نے تجارت کی اور اس کے بعد خدیجہ نے پیغام دیکر حضورؐ سے خود عقد کیا۔ تب دنیا کو اندازہ ہوا کہ مال کی کوئی حیثیت نہیں ہے۔ کمال کے مقابلہ میں۔ تب دنیا کو اندازہ ہوا کہ اگر نبی کے گھر میں پیسہ مانگنے والی آسکتی ہیں تو نبی کے گھر میں دولت لٹانے والی بھی آسکتی ہے۔

عالم اسلام پورے کردار خدیجہ سے محروم رہ جاتا اگر سرکارؐ دوعالم کی زندگی میں یہ شعبہ نہ ہوتا۔ اسی لیے پروردگار عالم نے کہا پہلے دن آپ کو یہ کام انجام دینا ہوگا۔ آپ کو تجارت کرنا ہے اور مال خدیجہ سے تجارت کرنا ہے۔ اب جو حضورؐ پلٹ کے آئے اور خدیجہ کے غلام نے سرکارؐ کے کرامات، معجزات اور کارہائے نمایاں کا ذکر کیا تو اس کے بعد جو صورت حال سامنے آئی وہ آپ کی نگاہ کے سامنے ہے۔

میں یہ گذارش کر رہا تھا کہ حضورؐ کے کاموں کی مصلحت نہ غرض تھی نہ ضرورت۔ کوئی الگ مصلحت ہے جسکی ایک قسم میں نے بیان کردی تاکہ بات آپ کے ذہنوں سے قریب تر ہوجائے۔ اب جس دن پیغمبرؐ لوگوں سے مدد مانگ رہا تھا اللہ نے کہا وہی نجات والے ہیں جو پیغمبرؐ کی مدد کریں گے۔ تو جس دن پیغمبرؐ لوگوں سے مدد مانگ رہا تھا کیا پیغمبرؐ مدد کا محتاج تھا۔ جو خدا مدد کرنے والے کو طاقت دے سکتا تھا کہ وہ اس خدا کی دی ہوئی طاقت سے پیغمبرؐ کی مدد کرے۔ وہ طاقت کو بجائے ان کے بازو میں رکھنے کے ان ہی کے بازو میں رکھدیتا۔

تو کیا اگر پیغمبرؐ لوگوں سے مدد مانگ رہا ہے کسی بات کیلئے تو کیا پیغمبرؐ کا مدد مانگنا پیغمبرؐ کی کمزوری کی نشانی ہے۔ پیغمبرؐ کی مجبوری کی نشانی ہے۔ پیغمبرؐ کی محتاجی کی نشانی ہے یا اس کے پیچھے کوئی اور مصلحت کام کر رہی ہے۔ اسی نکتہ کو پہچانو عزیزو، اور پہچاننا کوئی مشکل کام نہیں ہے۔ قرآن مجید آپ پڑھیں آپ کو خود

اندازہ ہوجائے گا۔ پیغمبرؐ جب مدد مانگ رہا تھا تو پیغمبرؐ کے بارے میں سوچا بھی جاسکتا ہے کہ بشر ہیں۔ ایک آدمی کے بازو میں کتنی طاقت ہوگی۔ ایک آدمی کے ہاتھ پاؤں میں کتنی قوت ہوگی۔ ایک آدمی کے پاس کتنا سرمایہ ہوگا۔ ہوسکتا ہے کہ اس سے زیادہ کی ضرورت پڑ جائے اور مدد مانگنا پڑے۔ لیکن پروردگار نے کہا کہ پیغمبرؐ آپ بعد میں مدد مانگیں گے۔ آپ دنیا سے مدد کا مطالبہ بعد میں کریں گے۔ پہلے تو ہم کہیں گے "ان تنصرواللہ ینصر کم"۔ اے ایمان والو! اگر تم اللہ کی مدد کروگے تو اللہ بھی تمھاری مدد کرے گا۔ اب دیکھوں میرے بارے میں کون سوچتا ہے کہ بازوں کی طاقت کمزور ہوگئی ہے۔ میرے بارے میں کون سوچتا ہے کہ دل کی طاقت کمزور ہوگئی ہے۔ تو میں نے اسی لیے پہلے مدد مانگ لی تاکہ تمھارے بارے میں کوئی سوچنے نہ پائے کہ جب مدد کا مطالبہ کیا ہے تو کمزور ہوں گے۔ مدد مانگنا طاقت کی کمزوری ہے۔ دنیا میں مدد مانگنا دنیا کے اعتبار سے طاقت کی کمزوری ہے جب آدمی طاقت میں کمزور ہوتا ہے تو دوسرے سے مدد مانگتا ہے۔ ایک آدمی بیٹھا ہوا ہے ضعیف آدمی، کمزور آدمی ہے اب جو اٹھنا چاہتا ہے تو ہم سے کہا ذرا ہاتھ پکڑنا۔ یہ کیوں؟ اسلئے کہ ہمارے پاس اتنی طاقت نہیں ہے کہ ہم کھڑے ہوسکیں لہذا آدمی مدد مانگتا ہے۔ جب طاقت کا کمزور ہوتا ہے۔ جب دولت کا کمزور ہوتا ہے۔ طاقت کا کمزور ہوتا ہے تو مدد مانگتا ہے اور دولت کا کمزور ہوتا ہے تو قرض مانگتا ہے۔ مجھے چار ہزار روپۓ کی ضرورت ہے میرے پاس دو ہی ہزار ہیں تو میں کیا کروں کہیں نہ کہیں سے قرض لوں گا۔ کسی مرد مومن سے، مرد کافر سے، بینک سے جو طریقہ جسکا ہوگا اسلئے کہ جب دولت میں کمزور ہوجائے گا تو قرض مانگے گا۔ تو دنیا میں مدد مانگنا علامت ہے کہ طاقت کمزور ہے اور قرض مانگنا نشانی ہے کہ دولت کا کمزور ہے۔ مگر کیا کیا جائے قرآن مجید میں پروردگار نے دونوں کام کر

دیئے۔ کبھی بندوں سے کہا "اقرضوا اللہ قرضا حسنا" خدا کو قرض دو۔ کبھی کہا "ان تنصروا اللہ" مدد کرو۔ تو پروردگار! کیا مال کچھ کم پڑ گیا ہے۔ خدایا کیا طاقت کمزور ہو گئی ہے اور اگر ایسا نہیں ہے تو کیوں قرض مانگتا ہے۔ کیوں مدد مانگتا ہے۔ ہم تو یہی جانتے ہیں کہ جو قرض مانگتا ہے وہ مال کا کمزور ہوتا ہے اور جو مدد مانگتا ہے وہ طاقت کا کمزور ہوتا ہے۔

بات واضح ہے لیکن ایک جملہ یاد رکھئے گا۔ آدمی چاہے مال ملنگے یا مدد ملنگے دونوں کی دو صورتیں ہوتی ہیں۔

کبھی ایسا ہوتا ہے کہ مجھے چار پیسے کی ضرورت ہے۔ میں نے آپ سے کہا کہ مجھے چار پیسے چاہئے آپ دیدیجئے۔ میں آپ کا بہت بہت شکر گزار ہوں گا۔ اس کے معنی یہ ہیں کہ میں کمزور ہوں اسلئے کہ پیسہ آپ دیں گے اور میرے پاس سوائے شکریہ کے اور کچھ نہیں ہے لیکن کبھی ایسا بھی ہوسکتا ہے کہ میں آپ سے کہوں کہ آپ مجھے چار پیسے دیدیجئے ابھی میں آپ کو چار ہزار دوں گا۔ تو کیا اس کے بعد بھی کوئی آدمی مجھے دولت کا کمزور سمجھ سکتا ہے۔ میں چار ہزار دینے کے قابل ہوں تو میں چار پیسے کا محتاج ہو جاؤں گا۔

سی طرح اگر میں آپ سے کہوں کہ آپ میرے مدد کریں اس کے بعد جتنی مدد آپ چاہیں گے میں آپ کے ساتھ ہوں۔ گھبرایئے گا نہیں ہزار سامنے آجائیں لاکھ سامنے آجائیں۔ میں آپ کے ساتھ رہوں گا تو اس کے معنی یہ ہیں کہ میں آپ کا محتاج نہیں ہوں۔ تو جب میں مدد کے مقابلہ میں مدد کی بات کروں۔ جب میں قرض کے مقابلہ میں دس گنا، بیس گنا، سو گنا، ہزار گنا، لاکھ گنا دینے کی بات کروں تو اس کے معنی یہ ہیں کہ میں آپ کا محتاج نہیں ہوں۔ آپ مجھ سے یہی تو پوچھیں گے کہ پھر مانگ کیوں رہے ہیں جب دس گنا دے سکتے ہیں سو گنا دے سکتے ہیں تو

مانگ کیوں رہے ہیں۔ تو میرا ایک ہی جواب ہوگا کہ مانگ اسلئے نہیں رہا ہیں کہ میری احتیاج ظاہر ہو۔ مانگ اسلئے رہا ہوں تاکہ آپ کی محبت ظاہر ہو۔ یہ قرض میں نے آپ سے مانگا ہے یہ اپنی ضرورت کے واسطے نہیں مانگا ہے میں تو دس گنا آپ کو دے سکتا ہوں۔ اسلئے مانگا کہ دیکھوں آپ دے بھی سکتے ہیں یا نہیں۔ تو میرے قرض مانگنے کی مصلحت احتیاج نہیں ہے گستاخی معاف آپ کی محبت کو بے نقاب کرنا ہے۔ میں جو مدد مانگ رہا ہوں میں کمزور نہیں ہوں۔ میں یہ دکھلانا چاہتا ہوں کہ آپ میرے مددگار ہیں یا نہیں۔ اسی لیے آپ مدد کیلئے تیار نہیں ہوئے۔ اب پروردگار آواز دیتا ہے کہ میں نے قرض مانگ کے سو گنا، ہزار گنا، لاکھ گنا کا وعدہ کیا تو پہچانا تم نے کہ میں مال کا کمزور نہیں ہوں۔ جب میں نے کہا کہ خدا کی مدد کرو خدا تمھاری مدد کرے گا تو تم نے پہچان لیا کہ میں طاقت کا کمزور نہیں ہوں۔ تم مجھ سے یہ پوچھتے ہو کہ خدایا پھر یہ مانگ کیوں رہا ہے۔ تو یاد رکھو کہ میں اگر تم سے دولت نہ مانگتا تو یہ کیسے معلوم ہوگا کہ ایثار کرنے والا کون ہے اور بخل کرنے والا کون ہے۔ تو میں اپنی غرض کیلئے نہیں مانگ رہا ہوں۔ تمھیں پہچاننے کیلئے یا پہچنوانے کیلئے مانگ رہا ہوں ورنہ اگر تم راہ خدا میں صدقہ دیکر آؤ گے تو مجھے کیا ملے گا۔ میں تو پہلے ہی سے کہہ رہا ہوں کہ صدقہ دیکر آؤ۔ اب بھی نہ سمجھے کہ میں محتاج نہیں ہوں۔ اسلئے کہ اگر میں نے احتیاج کی بناء پر کہا ہوتا تو میں کہتا تحفہ لیکر آؤ۔ ہدیہ لیکر آؤ۔ یہ نہ کہتا کہ صدقہ دیکر آؤ۔ حضورؐ نے کبھی یہ نہیں کہا کہ تحفہ لیکر آؤ، ہدیہ لیکر آؤ۔ یہ دنیا کے بادشاہ کہتے ہیں۔ پیغمبرؐ نے کہا کہ صدقہ دیکر آؤ۔ پھر اعلان کرتے ہیں کہ صدقہ میں اور میری اولاد سب پر حرام ہے تاکہ اندازہ ہو جائے کہ اگر مانگا بھی ہے تو اپنے گھر والوں کے پالنے کیلئے نہیں۔ تمھیں پالنے کیلئے مانگا ہے۔

تو مالک کائنات یہ اعلان کر رہا ہے کہ میں قرض مانگ رہا ہوں تمہارے حوصلوں کو دیکھنے کیلئے۔ میں مدد مانگ رہا ہوں تمہاری طاقتوں کو دیکھنے کیلئے۔ میری طاقت نہ دیکھو میں تو طاقت بانٹنے والا ہوں۔ میں طاقت دینے والا ہوں۔ میری طاقت کبھی کمزور نہیں ہو سکتی۔ میں تمہاری طاقت دیکھنا چاہتا ہوں کبھی میدان میں آسکتے ہو کہ نہیں۔ اور اگر آسکتے ہو تو ٹھہر سکتے ہو یا نہیں۔ اگر شجاعت کے جوہر دکھلا سکتے ہو تو ایک کے مقابلہ میں یا دس کے مقابلہ میں یا ہزار کے مقابلہ میں یا اگر ایک ہی ہزار کے مقابلہ والا ہو تو کیا کرو گے۔ ہم فقط تمھیں دیکھنا چاہتے ہیں۔ تم ہماری طاقت نہ دیکھو ہم تمہاری طاقت دیکھنا چاہتے ہیں تم ہماری دولت نہ دیکھو ہم تمہارا حوصلہ دیکھنا چاہتے ہیں۔ اب اندازہ ہوا کہ احتیاج کی بناء پر مانگنا اور ہے اور امتحان کی بنیاد پر مانگنا اور ہے۔ اللہ نے پیغمبرؐ کو کل کائنات کے ذخیرے دینے کے بعد اب پیغمبرؐ سے کہا کہ مدد مانگو تا کہ دنیا کو اندازہ ہو جائے کہ میں تمہارا محتاج نہیں ہوں۔ تمھیں دیکھنا چاہتا ہوں۔ اور میں کیا دیکھنا چاہتا ہوں تمھیں خود اپنے کو دکھلانا چاہتا ہوں۔ اپنی اپنی حیثیت، اپنی اپنی اوقات، اپنے اپنے حالات تم خود پہچانو۔ کون میری مدد کرنے والا ہے۔ کون میرا ساتھ دینے والا ہے۔ ورنہ مجھے کس کی ضرورت ہے۔ میں کل کائنات سے بے نیاز بنایا گیا ہوں۔ میرا ایک خدا ہے جسکا میں نیاز مند ہوں۔ باقی ساری کائنات کو خدا نے میرا محتاج بنایا ہے۔ مجھے سارے کائنات سے بے نیاز بنایا ہے۔

اب یہاں تک بات آگئی ہے تو ایک جملہ اور یاد رکھئے گا۔ پروردگار عالم نے بے نیاز ہونے کے بعد بھی مال کی دنیا میں قرض مانگا اور طاقت کی دنیا میں مدد کا مطالبہ کیا اور پھر یہ اعلان کیا کہ اگر میں قرض مانگوں تو مجھے محتاج نہ سمجھنا۔ اگر میں مدد مانگوں تو مجھے کمزور نہ سمجھنا۔

کتنا دور سے خدا نے انتظام کیا ہے۔ کتنی دور سے پروردگار عالم نے عظمت

آل محمدؑ کا اہتمام کیا ہے۔ میں قرض بھی مانگوں گا میں مدد بھی مانگوں گا تاکہ تمھارے ذہن میں یہ بات رہ جائے کہ قرض مانگنا احتیاج کی دلیل نہیں ہے۔ مدد مانگنا کمزوری کی دلیل نہیں ہے۔ خدایا تو یہ کیا انتظام ہو رہا ہے۔ کہا یہ مستقبل کا انتظام ہو رہا ہے۔ میرے دو بندے ہوں گے۔ ایک یہودی کے یہاں جا کے قرض مانگے گا۔ ایک میدان جہاد میں آ کے مدد مانگے گا۔ مجھے یہ خطرہ ہے کہ کہیں ایسا نہ ہو کہ اسے لوگ محتاج سمجھ لیں۔ اسے کمزور سمجھ لیں۔ اسلئے پہلے ہی یہ کام میں خود انجام دے لوں تاکہ دنیا کو اندازہ ہو جائے کہ نہ قرض مانگ کے علیؑ محتاج ہو سکتے ہیں اور نہ مدد مانگ کے حسینؑ کمزور ہو سکتے ہیں اور اسکی دلیل یہ ہے کہ اگر قرض مانگ کے شکریہ ادا کرتے تو محتاجی کی دلیل بن جاتا مگر جب دیوار کو سونے کا بنا دیں تو اس کے معنی یہ ہیں کہ بے نیاز ہیں حوصلے دیکھنا چاہتے ہیں۔

سرکار دوعالم کی حیات کا ہر عمل مسلمان کیلئے نمونہ ہے، مسلمان کیلئے اسوۂ حسنہ ہے۔ حضورؐ نے یہ سارے اعمال اسلئے انجام دیئے تاکہ لوگوں کو معلوم ہو جائے کہ زندگی کیسے گزاری جاتی ہے اور اس کے بعد قدم قدم پر امتحان بھی لیتے رہے کہ دنیا میں یہ ہوتا ہے۔

بچہ مکتب میں، اسکول میں داخل ہوا اور اس کے بعد آخر تک پڑھتا چلا جاتا ہے مگر تین مہینہ کے بعد، چھ مہینہ کے بعد، سال بھر کے بعد برابر امتحان بھی ہوتا رہتا ہے تاکہ بچے کو معلوم تو ہو کہ کیا پڑھ رہا ہے۔ اگر امتحان درمیان میں نہ ہو اور معلوم ہوا کہ بیس سال کے بعد اکٹھا امتحان ہو رہا ہے تو وہ بیچارہ آجتک یہی سمجھ رہا تھا کہ میں بالکل کامیاب ہوں۔ بیس سال کے بعد معلوم ہوا کہ کچھ نہیں پڑھا تھا۔ تو پڑھانے والے کی ذمہ داری یہ ہوتی ہے کہ وقتاً فوقتاً امتحان لیتا رہے تاکہ اسے اپنی کمزوری کا احساس ہوتا رہے اسے معلوم ہوتا رہے کہ اس سال فیل

ہو گئے تو آئندہ پاس ہونے کی کوشش کرے۔ اس سال نمبر کم ہیں تو اگلے سال زیادہ ہوں۔ بس پروردگار عالم نے بھی یہی طریقہ کار پیغمبرؐ کے حوالے کیا پیغمبرؐ جب تم کو معلّم بنا کے بھیجا ہے تو معلّم کی ذمہ داری ہے کہ امتحان بھی لیتا رہے۔ کبھی مال سے امتحان لے۔ کبھی طاقت سے امتحان لے۔ کبھی کسی اور مسئلہ میں امتحان لے۔ تا کہ اُمت کو احساس رہے کہ ہم ابھی کس مرحلہ ایمان تک پہونچے ہیں۔ تربیت کا بہترین طریقہ یہی ہوتا ہے اور اخلاق اور زندگی سنوارنے کا بہترین انداز یہی ہوتا ہے اب جب بات یہاں تک آگئی ہے تو ایک فقرہ اور سنیں۔ اس کے بعد منزل مصائب تک آنا چاہتا ہوں ظاہر ہے کہ ان تاریخوں میں زیادہ تفصیل کی گنجائش نہیں رہ گئی ہے۔

میں نے یہ عرض کیا تھا کہ پیغمبرؐ اسلام کے اعمال و افعال کا قیاس دنیا کے لوگوں پر اور ان کی سیرت، ان کے اعمال کا قیاس لوگوں کے کردار پر نہیں کیا جاسکتا ہے۔ اسکی مصلحتیں الگ ہوتی ہیں۔ آج کسی بھی طبیب، کسی حکیم، ڈاکٹر کے پاس آپ چلے جائیں اور کوئی بیماری ہلکی سی بیان کردیں سر میں درد ہو رہا ہے اب وہ ڈھونڈھ رہے ہیں۔ اسکی وجہ کیا ہوگی شائد آپ نے فلاں چیز کھالی ہوگی۔ شائد آپ دیر تک جاگے ہوں گے۔ شائد آپ نے کوئی بدپرہیزی کی ہوگی۔ شائد . . . شائد۔ اب کوئی وجہ تو ہوگی۔ بلاوجہ تو ہو نہیں سکتا ہے کوئی کام خلاف احتیاط جسکا نام بدپرہیزی ہے کچھ نہ کچھ ضرور ہوا ہوگا جب ہی تو آپ بیمار ہوگئے۔ بیماری از خود تو آتی نہیں ہے۔ خدا نے جب بھیجا تھا تو صحت دیکر بھیجا تھا۔ بیماری کو دیکر نہیں بھیجا تھا اگر بیماری آئی ہے تو کوئی بنیاد ہوگی۔ کوئی وجہ ہوگی۔ کوئی سبب ہوگا تو ہماری زندگیوں میں اگر بیماری داخل ہو تو کوئی بڑی بات نہیں ہے ہزار بدپرہیزی ہوتی ہے۔ ہزار بے احتیاطی ہوتی ہے۔ ہزار غلطیاں ہوتی ہیں۔

ہم تو کیسے بھی بیمار ہو سکتے ہیں لیکن جسکی زندگی میں غلطی کا کوئی امکان نہ ہو، جسکی زندگی میں بدپرہیزی کا کوئی تصور نہ ہو، جسکی زندگی میں بداحتیاطی کا کوئی خیال نہ ہو۔ جسکی زندگی میں بھولے سے کچھ کھا لینے کا خطرہ نہ ہو، سہو نہیں، نسیان نہیں، خطا نہیں۔ غلطی نہیں۔ خلاف احتیاط نہیں، بدپرہیزی نہیں۔ تو اسکی صحت کو ایسا نمونہ ہونا چاہئے کہ ساری زندگی میں کبھی دردسر بھی نہ ہوتا اسلئے کہ کوئی بدپرہیزی نہیں۔ کوئی غلطی نہیں۔ کوئی خطا نہیں۔ یہ تو ہم آپ کرتے ہیں جو نہیں جانتے ہیں کہ کیا کھانا چاہئے کیا نہیں کھانا چاہئے۔ کیا مفید ہے کیا مضر ہے۔ کیا اچھا ہے کیا برا ہے۔ مگر کیا پیغمبرؐ کے یہاں بھی یہ سب ہوگا؟ اور اگر نہیں تو پیغمبرؐ کو کوئی بیماری ہونی نہیں چاہئے مگر پھر حیات پیغمبرؐ میں بیماری بھی دیکھتے ہیں تو آخر پیغمبر کی حیات میں بیماری کیوں آگئی۔ اگر اب تک آپ وہ ساری بات سمجھ گئے ہیں کہ حیات پیغمبرؐ میں تجارت کیوں آگئی۔ حیات پیغمبرؐ میں مزدوری کیوں آگئی۔ حیات پیغمبرؐ میں قرض مانگنا کیوں آگیا۔ حیات پیغمبرؐ میں مدد مانگنا کیوں آگیا تو یہ نکتہ بھی سمجھ میں آجائے گا اسلئے کہ اسکی بھی کوئی مصلحت ہوگی۔ ہم نے تاریخ میں تین بیماریاں دیکھیں اور سب کے بیمار ایسے جہاں خطا کا کوئی امکان نہیں کسی کے سر میں درد دیکھا کسی کی آنکھ میں تکلیف دیکھی اور کسی کو بخار میں مبتلا دیکھا۔ تین بیمار دیکھے اور تینوں معصوم۔ جہاں نہ بدپرہیزی، نہ خطا نہ غلطی مگر اس کے بعد بھی اِن کے سر میں درد۔ اُن کی آنکھوں میں تکلیف۔ وہ بخار میں مبتلا۔ خدایا یہ بیماری کہاں سے آگئی۔ یہ بیماری کیوں آئی۔ پروردگار نے کہا یہ بیماری بدپرہیزی سے نہیں آئی ہے۔ بداحتیاطی سے نہیں آئی ہے۔ یہ مرض تمہارا مرض نہیں ہے۔ تو آخر ان کی زندگی میں مرض آیا کیوں؟ کہا اسکی بھی اپنی مصلحتیں

ہیں۔ اگر میری مصلحتوں کو پہچاننا چاہتے ہو تو یوں پہچانو کہ اگر انھیں دردسر نہ ہوتا تو جتنی دیر دردسر رہا اسمیں جو جو کام ہوتے سب کا ذمہ دار انھیں کو بنادیا جاتا میں نے دردسر میں اسی لیے مبتلا کردیا تاکہ یہ کسی کے عمل کے ذمہ دار نہ بننے پائیں۔ اگر اُن کی آنکھوں میں تکلیف نہ ہوتی تو لوگ کہتے علم پر نگاہیں جمائے ہوئے تھے لوگ سمجھیں کہ علم انھیں تلاش کررہا تھا اسی لیے آشوب چشم میں وہ ڈھونڈھتے نہیں آئے کہ بھائی علم کہاں بٹ رہا ہے علم کہاں تقسیم ہورہا ہے۔ حضورؐ کہاں ہیں۔ پرچم کہاں ہے۔ رایت کہاں ہے۔ ذرا وہ جگہ بتاؤ ہم بھی چل کے اپنا نام لکھوادیں۔ تاریخ میں ایسا کوئی فقرہ نہیں ہے۔ وہ تو آشوب چشم میں ہیں ان کی آنکھوں میں تکلیف ہے۔ حضورؐ فرماتے ہیں وہ کہاں ہیں یعنی اگر ان کی آنکھوں میں تکلیف ہے تو میری نگاہیں تو دیکھ رہی ہیں تو دیکھ رہی ہیں اور ایسے دیکھ رہی ہیں کہ کہیں ٹھہر نہیں رہی ہیں۔ تو جب عظمت پیغمبرؐ کا اظہار کرنا ہوا تو پیغمبرؐ کو دردسر میں مبتلا کردیا اور جب عظمت علیؑ کا اظہار کرنا ہوا تو انھیں آشوب چشم میں مبتلا کردیا۔ اب اگر یہ بچے بیمار نہ ہوتے تو نذر کیسے ہوتی اور اگر نذر نہ ہوتی تو روزے کیسے ہوتے اور اگر روزے نہ ہوتے تو وقت افطار کیسے آتا اور اگر وقت افطار نہ آتا تو یتیم و مسکین و اسیر کیسے مانگنے آتے اور اگر یہ سب نہ آتے تو سورہ ہل اتیٰ کو لوح محفوظ سے اُترنے کا راستہ کیسے ملتا۔

تو پیغمبرؐ کسی شئی کا مطالبہ کرتا ہے تو پیغمبرؐ کسی بات کا محتاج نہیں ہے پیغمبرؐ اگر یہ فرمارہا ہے کہ میرے اہلبیتؑ سے محبت کرو تو کیا محبت اہلبیتؑ کریں گے تو اپنی عاقبت بنائیں گے۔ پیغمبر کو کوئی فائدہ ہونے والا نہیں ہے۔ پیغمبرؐ کو انعام ملنے والا نہیں ہے۔ لیکن پیغمبرؐ یہ حکم دے رہے ہیں کہ دنیا کو خود اندازہ ہوجائے کہ کون میری قدر جانتا ہے اور کون قدر نہیں جانتا ہے۔ کون میری محنتوں کی قدر و قیمت کو پہچانتا

ہے اور کون نہیں پہچانتا ہے۔ لہٰذا حضورؐ کے اعمال کی مصلحتیں الگ ہیں اور دنیا کے اعمال کی بنیادیں الگ ہیں۔

اب بات چونکہ میں نے نصرت ہی سے شروع کی تھی۔ جب تبلیغ کا پہلا دن تھا تو اس حقیقت سے دنیا کا کوئی انسان نہ مسلمان نہ غیر مسلم ابھی تک انکار نہیں کرسکا کہ جب حضورؐ نے پہلے پہل مطالبہ کیا تو مدد کا مطالبہ کیا اور اس وقت کوئی دنیا میں پیغمبر کا مدد کرنے والا نہیں تھا سوائے ایک انسان کے۔ دعوت ذوالعشیرہ کسی کتاب میں آپ پڑھیں۔ حضورؐ نے پیغام سنایا اور پیغام سنانے کے بعد فرمایا کون ہے جو میرا بوجھ بٹائے گا یہ پہلا مطالبہ تھا۔ اُس دن کوئی پیغمبرؐ کا ساتھ دینے والا نہیں تھا۔ سوائے اس کم سن شہزادے کے جو اٹھ کے کہتا ہے "انا یا رسول اللہ" میں موجود ہوں۔ مدد مانگنے والا پیغمبرؐ مدد کرنے والا علی۔ یعنی تاریخ اسلام میں پہلی مرتبہ جب وقت نصرت آیا تو مدد لینے والا پیغمبرؐ تھا اور مدد کرنے والا علی۔ اس کے بعد پھر دوبارہ جان پیغمبرؐ سامنے آیا اور اس نے مطالبہ نصرت کیا تو یہاں بھی بنی ہاشم میں جو سب سے پہلے سامنے آیا وہ بھی ایک علیؑ تھا۔ اصحاب کی قربانی کے بعد انصار کے راہ خدا میں کام آجانے کے بعد اب وہ وقت آیا ہے جب بنی ہاشم قربان ہوں گے۔ اولاد ابوطالبؑ قربان ہوگی۔ ہنسی گود کے پالے قربان ہوں گے تو ایسے وقت میں ایک مرتبہ فرزند رسولؐ نے مُڑ کے اپنے کڑیل جوان کو دیکھا "تقدّم ولدی" بیٹا اب تم آگے بڑھو، علی اکبر اب تم جاؤ۔ اب حسینؑ اپنے کڑیل جوان کو قربان کرنے جارہے ہیں۔ مگر ابھی تک تو یہ ہو رہا تھا کہ جو میدان میں جا رہا ہے وہ مولاؑ سے آکے اجازت مانگ رہا ہے۔ حبیب، زہیر، مسلم، بریر، چاہنے والے، جان نثار جو بھی آیا آقا اجازت دیجئے۔ میدان میں جاؤں یہ شاید پہلا اور آخری واقعہ ہے کربلا میں جب حسینؑ نے اجازت دینے کے بعد بھی یہ

فرمایا کہ بیٹا مگر خیمہ میں جاؤ۔ فرق محسوس کیا آپ نے۔ عون و محمد جا رہے ہیں۔ شہزادی خود لے کے آئی ہیں۔ بھیا میرے گود کے پالوں کو اجازت دیدیجئے۔ قاسم کو میدان میں جانا ہے۔ قاسم خود آئے۔ مولا مجھے میدان میں جانے دیجئے۔ عباس علمدار کو میدان میں جانا تھا۔ آئے آقا مجھے اجازت دیجئے مگر نہ جانے کیا مصلحت امامت تھی کہ علی اکبر سے خود فرمایا بیٹا تم میدان میں جاؤ۔ مگر پہلے خیمہ میں جاؤ۔ باپ کا حکم ملا۔ علی اکبر خیمہ میں آئے پھوپھی کے سامنے آکر کھڑے ہو گئے۔ جس نے اتنے دنوں نازو نعم سے پالا تھا وہ علی اکبر کی اداؤں کو نہ پہچانے گی تو کون پہچانے گا بیٹا خیر تو ہے۔ کیسے آنا ہوا۔ پھوپھی اماں اب وقت آگیا ہے میری قربانی کا۔ بابا نے فرمایا ہے کہ جاؤ خیمہ سے رخصت ہو کر آؤ۔ اب آپ فرمائیں۔ ثانی زہرا سر سے پیر تک علی اکبر کو دیکھ رہی ہیں۔ کبھی علی اکبر کو دیکھتی ہیں۔ کبھی بھائی کا خیال ذہن میں آتا ہے۔ ہائے علی اکبر تمھیں کیسے جانے دوں مگر علی اکبر تم نہ جاؤ گے تو میرے بھیا پر قربان کون ہوگا۔ نہ جانے کیا علی اکبر نے کیا کہا کیا ثانی زہرا نے سوچا۔ بعض روایات میں یہ الفاظ ملتے ہیں کہ ثانی زہرا نے کچھ دیر توقف فرمایا اور کوئی جواب نہ دیا تو علی اکبر نے کہا کہ پھوپھی اماں۔ اگر آپ اجازت نہ دیں گی تو میں نہ جاؤں گا۔ مگر یہ بتائیے کہ اگر محشر میں دادی نے پوچھ لیا کہ علی اکبر زیادہ عزیز تھا یا حسینؑ تو میں تو کوئی جواب نہ دے سکوں گا آپ فرمائیے کہ آپ کیا جواب دیں گی۔ بس یہ سننا تھا کہ شہزادی نے فرمایا بیٹا جاؤ۔ جلدی جاؤ۔ میرے ماں جائے پر قربان ہو جاؤ۔ زینب کی ایک آرزو ہے جتنی دیر میرا ماں جایا زندہ رہ سکے زینب کے پاس جو کچھ ہے سب اس راہ میں قربان کر دے گی۔

عزیزو! آج کی صورت حال پچھلے دنوں سے قدرے مختلف ہے۔ کل تک یہ جملہ میں نے نہیں کہا تھا لیکن آج یہ جملہ کہنے کو جی چاہتا ہے۔ میرے سامنے جو مجمع بیٹھا

ہوا ہے ان ہزاروں افراد میں اکثریت تو جوانوں کی ہے۔ تمھیں تو اندازہ ہے عزیزو، جوانی کسے کہتے ہیں۔ تمھیں تو اندازہ ہے کہ جوانی کے جذبات کیا ہوتے ہیں۔ تمھیں تو معلوم ہے کہ جوانی میں آدمی مرنا چاہتا ہے یا زندہ رہنا چاہتا ہے۔ مگر نہ جانے کربلا میں کون سا وقت آگیا تھا کہ کڑیل جوان قربان ہونے کیلئے بے چین ہے۔ علی اکبر نے پھوپھی کو سلام کیا۔ خیمہ سے چلنا چاہتے ہیں کہ ایک مرتبہ بیبیاں آگے بڑھیں۔ کہا علی اکبر ہم سمجھ گئے کہ اب تم جا کے واپس نہ آؤ گے۔ ایک لمحہ کیلئے ٹھہر جاؤ۔ علی اکبر نے کہا۔ بیبیو! کیا کہنا ہے۔ جلدی کہو۔ مجھے جانے دو۔ میرا بابا اکیلا رہا جا رہا ہے۔ چاہنے والے قربان ہو چکے ہیں۔ بیبیوں نے کہا۔ علی اکبر ٹھہرو! سیدانیوں نے حلقہ بنایا سیدانیوں کے حلقہ میں، درمیان میں علی اکبر ہیں۔ ایک مرتبہ بیبیوں نے کہا۔ علی اکبر! تم جاتے ہو تو جاؤ۔ ہم روک نہیں سکتے لیکن "علی اکبر ارحم غربتنا" ہماری غربت پر رحم کرنا۔ ہماری بے کسی پر رحم کرنا۔ اب ہمارا کون رہ گیا ہے۔ سبھی تو قربان ہوئے جا رہے ہیں۔ بس یہ سننا تھا کہ علی اکبر نے کہا بیبیو! تمھیں اپنی غربت کا خیال ہے میرے بابا کی غربت کا خیال نہیں ہے۔ جاؤ علی اکبر جاؤ۔ علی اکبر چلے۔ خیمہ کے در کے قریب آئے۔ در خیمہ کا پردہ اٹھایا۔ باہر نکلنا چاہتے ہیں۔ کسی نے بڑھ کے دامن تھام لیا۔ واپس آگئے۔ مورخ کربلا کہتا ہے کہ بار بار علی اکبر خیمہ سے نکلنا چاہتے ہیں کوئی روک لیتا ہے تو رُک جاتے ہیں سات مرتبہ خیمہ کا پردہ اٹھا اور گرا اور اب جو علی اکبر خیمہ سے باہر نکلے تو جیسے بھرے گھر سے جنازہ نکلتا ہے۔

اولاد والو! میں نے مقتل میں کوئی جملہ تو نہیں دیکھا لیکن جی چاہتا ہے کہ آپ بھی میرے ساتھ سوچیں۔ یہ کون ہے۔ جو بار بار علی اکبر کو روک رہا ہے۔ میں نہیں جانتا اتنا سوچ رہا ہوں کہ اگر کسی بزرگ نے روکا ہوتا تو بازو تھاما ہوتا۔

یہ کون ہے جو بڑھ کے دامن کھینچ لیتا ہے عجب نہیں چھوٹی بہن نے کہا ہو بھیا۔ اب تم بھی جا رہے ہو۔ علی اکبر اب بتاؤ ان بیبیوں کا کون پرسان حال ہوگا۔ آئے اپنے بابا کے سامنے۔ حسینؑ نے اپنے کڑیل جوان کو سجایا۔ بازو تھام کے گھوڑے پر بٹھایا۔ کہا جاؤ بیٹا خدا حافظ۔ مگر میرے لال ایک بات کا خیال رکھنا جب تک میرا تمھارا سامنا رہے۔ مُڑ مُڑ کے مجھے دیکھتے رہنا۔ علی اکبر میدان کیطرف جا رہے ہیں۔ ایک مرتبہ قدموں کی آہٹ محسوس کی۔ مُڑ کے دیکھا۔ ضعیف باپ کمر تھامے چلا آ رہا ہے۔ بابا آپ نے تو رخصت کر دیا تھا۔ اب میدان میں کیوں آ رہے ہیں۔ کہا بیٹا اگر تم صاحب اولاد ہوتے تو یہ اندازہ ہوتا کہ جوان کو رخصت کرنے کے بعد ضعیف باپ کا کیا عالم ہوتا ہے۔ اکبر میدان میں آئے۔ جہاد کرتے رہے تھوڑی دیر کے بعد پلٹ کے آئے۔ بابا کے سامنے آ کے کھڑے ہو گئے۔ اتنا بڑا کارنمایاں انجام دیا ہے۔ مگر علی اکبر کوئی انعام مانگنے نہیں آئے ہیں۔ عجب سوال کیا ہے بابا پیاس مارے ڈالتی ہے۔ کیا ایک گھونٹ پانی کا کوئی انتظام ہو سکتا ہے۔ ہائے جسکا چھ مہینہ کا بچہ پیاس سے جاں بلب ہو وہ کیا کرے۔ کہا علی اکبر اپنی زبان میرے دہن میں دے دو شائد کچھ تسکین ہو جائے۔ علی اکبر نے زبان باپ کے دہن میں دی اور فوراً کھینچ لی۔ اے بیٹا یہ کیا؟ کہا بابا آپ کی زبان میں تو کانٹے پڑے ہوئے ہیں۔ کہا اچھا بیٹا تو جاؤ اب ساقی کوثر تمھیں سیراب کریں گے علی اکبر میدان میں آئے۔ جہاد کرتے رہے۔ جب زخموں سے چور ہو کر گھوڑے سے گرنے لگے تو بابا کی بیکسی کا خیال آیا یہ نہ کہا کہ بابا آؤ۔ کہا بابا آخری سلام لے لو۔ حسینؑ نے کمر کو کس کے باندھا۔ مقتل کا رخ کیا۔ یا علی بیٹا کہاں ہو۔ اے میرے لال اب کچھ سجھائی نہیں دیتا۔ بیٹا کہاں ہو۔ چلتے چلتے کڑیل جوان کے سرہانے پہونچے۔ سر اٹھا کے زانو پر رکھا باپ اپنے بیٹے کو

دیکھ رہا ہے۔ بیٹا باپ کو دیکھ رہا ہے۔ ہائے حسینؑ کی بیکسی۔ ایک مرتبہ حسینؑ نے دیکھا کہ علی اکبر کے کراہنے کی آواز کانوں میں آرہی ہے۔ بیٹا کیا سینہ میں تکلیف ہے۔ بیٹا یہ سینہ پر ہاتھ کیوں رکھا ہے۔ علی اکبر ذرا اپنے ہاتھوں کو ہٹاؤ۔ علی اکبر کیا جواب دیں۔ باپ کے سامنے زخم جگر کو کیسے پیش کریں۔ خاموش ہیں۔ کوئی جواب نہیں دیتے۔ ایک مرتبہ حسینؑ نے ہاتھ تھام کے ہٹایا۔ خون کا فوارہ جاری ہوا دیکھا برچھی کا پھل کڑیل جوان کے سینہ میں ٹوٹ کے رہ گیا ہے۔ ہائے باپ اس منظر کو کیسے برداشت کرتا۔ آستینوں کو اُلٹا۔ نوک سناں کو تھاما۔ حسینؑ نے آواز دی بابا آؤ۔ میرا دل سنبھالو۔ یا علیؑ۔ یہ کہہ کر اب جو برچھی کا پھل نکالا۔ علی اکبر کا دم ٹوٹ گیا۔ اب حسینؑ کیا کریں۔ لاشہ اٹھانا چاہتے ہیں۔ ضعیفی میں کڑیل جوان کا لاشہ نہ اٹھا۔ آواز دی بنی ہاشم کے بچو آؤ۔ جوان کا لاشہ ہے اب جو مڑ کے دیکھا دیکھا بہن سرہانے کھڑی ہے اے بہن تم کیوں آ گئیں کہا بھیا

لاشہ ہے برابر کا بھائی سے نہ اٹھے گا
میں پالنے والی ہوں گودی میں اٹھا لوں گی

مجلس

صاحبان ایمان و تقویٰ وہ ہیں جو اس رسولؐ نبی اُمی کا اتباع کرتے ہیں جسکا تذکرہ توریت میں بھی ہے اور انجیل میں بھی۔ وہ نیکیوں کا حکم دیتا ہے۔ برائیوں سے روکتا ہے۔ طیبات کو حلال قرار دیتا ہے۔ خبائث کو حرام قرار دیتا ہے۔ انسانیت کو ان تمام زنجیروں سے آزادی دلاتا ہے۔ جن زنجیروں میں عالم انسانیت جکڑا ہوا تھا۔ پس جو لوگ اس پیغمبرؐ پر ایمان لائے جنھوں نے اس پیغمبرؐ کا احترام کیا۔ اسکی مدد کی اور اس نور کا اتباع کیا جو اس نبی کے ساتھ نازل کیا گیا ہے یہی لوگ دنیا اور آخرت میں کامیاب ہیں۔

آیۂ کریمہ کے ذیل میں جو سلسلۂ کلام آغاز عشرۂ محرم کے ساتھ رسالت الٰہیہ کے عنوان سے شروع ہوا تھا اس کے دسویں مرحلہ پر آج کچھ باتیں اس بنیادی مسئلہ سے متعلق گزارش کرتا ہیں جس مسئلہ کیلئے یہ آیۂ کریمہ نازل ہوئی ہے۔

آیت کا آغاز بھی اتباع پیغمبرؐ سے ہوا ہے اور آیت کے اختتام پر بھی اتباع ہی کے مسئلہ کو دوبارہ دوہرایا گیا ہے۔

ابتدا میں یہ اعلان ہوا کہ صاحبان ایمان و تقویٰ وہ ہیں جو رسولؐ نبی اُمی کا اتباع کرتے ہیں۔ ایمان کی پہچان ہے پیغمبرؐ کا اتباع۔ تقویٰ کی علامت ہے پیغمبر کا اتباع۔ اور خاتمہ کلام میں پھر یہ اعلان ہوا کہ وہ لوگ جو پیغمبرؐ پر ایمان لائے

جنھوں نے پیغمبرؐ کا احترام کیا اور پیغمبرؐ کی مدد کی اور اس نور کا اتباع کیا جو نبیؐ کے ساتھ نازل کیا گیا ہے یہی لوگ فلاح پانے والے، نجات حاصل کرنے والے اور کامیاب لوگ ہیں۔

آیت کی ابتدا اور انتہا دونوں مراحل پر سارا زور مسئلہ اتباع پر دیا گیا ہے۔ یہاں اس نکتہ پر توجہ دینا ضروری ہے کہ ابتدا بھی اتباع ہے اور انتہا بھی اتباع ہے۔ مگر دونوں اتباع میں ایک فرق پایا جاتا ہے۔ ابتدا میں نبیؐ کے اتباع کی بات کہی گئی تھی اور انتہا میں اس نور کے اتباع کی بات کہی گئی ہے جو نبیؐ کے ساتھ نازل کیا گیا ہے میں فی الحال اس بحث کو نہیں چھیڑ سکتا کہ وہ نور جو نبی کے ساتھ نازل کیا گیا ہے اس سے مراد کون ہے۔ اتنا بہرحال طے ہے کہ آیت کے اس ٹکڑے سے نبیؐ مراد نہیں ہیں یعنی جب پروردگار یہ کہہ رہا ہے کہ نبیؐ پر ایمان لائے۔ نبیؐ کا احترام کیا۔ نبیؐ کی مدد کی اور اس نور کا اتباع کیا جو نبیؐ کے ساتھ نازل کیا گیا ہے تو کیا اس کے بعد بھی کوئی امکان ہے کہ کوئی سوچے کہ اس سے مراد بھی حضورؐ ہی ہوں گے یعنی حضورؐ ایک ایسا نور ہیں جو خود ہی اپنے ساتھ نازل کیا گیا ہے۔ حضورؐ کی نورانیت میں شک کرنا مسلمان کا کام نہیں۔ حضورؐ کی نورانیت میں شبہ پیدا کرنا مسلمان اور مومن کا کام نہیں ہے۔ وہ طے شدہ مسئلہ ہے لیکن بہرحال کوئی اور نور بھی ہے جسکی علامت یہ ہے کہ وہ نبیؐ کے ساتھ نازل کیا گیا ہے۔ بظاہر بہت آسان سی بات تھی، ہر مفسر نے جب قلم اٹھایا تو کہا اس سے مراد قرآن مجید ہے۔ میں انکار نہیں کر سکتا کہ اس سے مراد قرآن مجید نہیں ہے۔ مگر اب اسے کیا کیا جائے کہ قرآن نے تو خود بھی اپنے نازل ہونے کا تذکرہ کیا ہے۔ اگر قرآن مجید کے نزول کے بارے میں ہمارا آپ کا کوئی بیان ہوتا تو ہم جو چاہتے کہتے لیکن قرآن مجید نے جابجا خود اپنے نازل ہونے کا تذکرہ کیا ہے۔

میں سارے تذکرے نہیں سناؤں گا۔ بس دو آیتیں سن لیجئے مسئلہ حل ہو جائے گا۔

ایک مقام پر اعلان ہوتا ہے "قد جائکم برہان من ربکم" دیکھو تمھارے پاس خدا کی طرف سے برہان آیا ہے "وانزلنا الیکم نورا مبینا" اور ہم نے تمھاری طرف نور نازل کیا ہے۔ اس نور سے مراد کیا ہے۔ قرآن۔ تو قرآن نازل ہوا تمھاری طرف۔ کہاں نازل ہوا "نزل بہ الروح الامین علی قلبک" پیغمبرؐ یہ قرآن وہ ہے جو جبرئیل کے ذریعہ آپ کے دل پر اُتارا گیا ہے۔ تو یہ قرآن وہ ہے جو اُدھر سے آیا ہے نبیؐ کے دل پر اُتارا گیا ہے۔ اور ظاہر ہے کہ آپ جو فرش پر آکے بیٹھے ہیں تو فرش اپنے ساتھ لیکر نہیں آئے ہیں فرش پہلے آپ بعد میں جب ہی تو آپ فرش پر آکے بیٹھے ہیں تو "فرش پر" آنے کے معنی ہیں کہ فرش پہلے ہو اور آپ بعد میں آئیں۔ ورنہ یہ کہا جائے گا کہ فلاں صاحب اپنا سامان اپنے ساتھ لیکر آئے۔ اب پروردگار یہ کہہ رہا ہے کہ یہ قرآن وہ ہے جو ہم نے جبرئیل کے ذریعہ نبیؐ کے دل پر اُتارا ہے تو اس کے معنی یہ ہیں کہ دل پہلے تھا اور نزول قرآن بعد میں ہوا ہے اور اس آیت میں ارشاد ہوتا ہے کہ نجات ان کے واسطے ہے جو اس نور کا اتباع کرتے ہیں جو نبیؐ کے ساتھ نازل کیا گیا ہے۔ قرآن تو وہ نور ہے جو نبیؐ پر نازل کیا گیا ہے اب کوئی ایسا نور بھی تلاش کرو جو نبی کے ساتھ نازل کیا گیا ہو۔

میں تو نہیں جانتا وہ کون سا نور ہے جو نبیؐ کے ساتھ نازل کیا گیا ہے۔ اسلئے کہ میں تو حضورؐ کے علاوہ کسی کو نور سمجھتا ہی نہیں۔ دوسرا کون ہوگا جو حضورؐ کے ساتھ نازل کیا گیا ہے۔ میری نگاہ میں سوائے نبی کے اور کوئی نور نہیں ہے اور اگر کوئی ہوگا تو نبیؐ ہی کا کوئی ٹکڑا ہوگا۔ نبیؐ سے ہٹ کے نورانیت کہیں نہیں ہے۔ جہاں بھی نورانیت پائی جاتی ہے وہ نبیؐ ہی کا کوئی جزو ہوگا۔ اب اگر حضورؐ ہی کہہ دیں کہ ہم دونوں ایک نور سے ہیں۔ اگر حضورؐ ہی کہیں کہ خدا نے ایک

نور کے دو ٹکڑے کئے ہیں اگر رسولؐ ہی کہیں کہ خدا نے ایک نور کے چودہ ٹکڑے کر دیئے ہیں۔ تو یہ سب اجزائے نورِ پیغمبرؐ ہیں۔ یہ الگ کوئی نور نہیں ہیں اور یہ ممکن نہیں ہے کہ کل آجائے اور جزو ساتھ نہ آئے۔ آپ کا ہاتھ آپ کا جزو ہے۔ اگر آپ مجلس میں آئے تو ہاتھ کہیں رکھ کے نہیں آئے ہیں جب آئیں گے تو ہاتھ آپ کے ساتھ آئے گا۔ سر آپ کے ساتھ آئے گا۔ آنکھیں آپ کے ساتھ آئیں گی۔ تو جو بھی آپ کے اجزا ہیں وہ آپ کے ساتھ ہی آئیں گے۔ تو جنھیں اللہ نے جزو نورِ پیغمبرؐ بنایا ہے وہ تو یقیناً وہ نور ہے۔ جو رسولؐ کے ساتھ نازل ہوا ہے۔ اب اس کے بعد باقی انوار کیلئے تو آپ کو ثابت کرنا ہوگا ہم تو قرآن کے الفاظ کو پہچانتے ہیں ہمیں کسی کے بیان کی ضرورت نہیں ہے۔ "ہمارے سمجھنے کیلئے قرآن ہی کافی ہے"۔

اب بات آ گئی ہے تو ایک لفظ پر آپ اور توجہ دیں اس کے بعد میں اس مسئلہ کو عرض کرنا چاہتا ہوں جسکو آج گذارش کرنا ہے۔ اور ظاہر ہے کہ مسئلہ کو اختصار کیساتھ عرض کرنا ہے۔ اسلئے کہ یہ شب ایسی ہے کہ جسمیں تذکرہ مصائب ذرا تفصیل کے ساتھ کیا جائے گا لہٰذا میں اس تذکرہ کو اجمالاً آپ کے سامنے گذارش کروں گا۔

بات کہاں سے شروع ہوئی ہے اس رسولؐ کا اتباع کرنا ہے جس کے یہ اوصاف ہیں، جسکا تذکرہ توریت میں بھی ہے اور انجیل میں بھی ہے۔ اس کے یہ کمالات ہیں۔ یہ اعمال ہیں۔ اسکی یہ شریعت ہے۔ اسکا یہ قانون ہے۔ مگر وہ ہے رسول۔ کسی کو رسول ماننے کے معنی ہی یہ ہیں کہ پہلے خدا کو مانا جائے۔ رسول کوئی آجتک گھر میں نہیں بنا۔ رسول کے تو معنی ہی ہیں "پیغامبر"۔ پیغام لے جانے والا۔ تو کوئی پیغام دینے والا ہوگا تو کوئی پیغام لے جانے والا ہوگا۔ اسی لیے ہم بار بار دوہراتے ہیں "اشہد ان محمداً رسول اللہ" وہ اللہ کے رسول ہیں تو اس

وقت تک کوئی رسولؐ نہیں ہوسکتا جب تک کہ اس کے پہلے اسکا کوئی خدا نہ ہو۔ تو کسی کے رسولؐ ہونے پر ایمان لانے کے معنی یہ ہیں کہ اس کے پہلے اس خدا پر ایمان لایا جائے جس نے اسکو رسول بنایا ہے۔ اسی لیے ابھی تک بہرحال یہ بات طے شدہ ہے کہ رسالت کسی کمیٹی میں طے نہیں ہوتی۔ ابھی تک کوئی ایسی انجمن نہیں بنیؑ ہے جو رسولؐ بناتی ہو۔ یہ کام تنہا خدا کا ہے۔ سب کچھ بنانے والی انجمنیں بن گئیں ابھی رسولؐ بنانے والی کوئی انجمن نہیں بنی۔ یہ کام صرف خدا کا ہے تو رسول ماننے کے معنی یہ ہیں کہ خدا کو مانا جائے۔ رسولؐ پر ایمان کے معنی یہ ہیں کہ خدا پر پہلے ایمان لایا جائے کہ کوئی خدا ہے جسکا پیغام ہے اور یہ پیغام لے جانے والا ہے۔ تو خدا کہتا ہے کہ اس نبی کا اتباع کرنا ہے جو میرا رسولؐ ہے۔ تو پہلے خدا کو ماننا ہے اس کے بعد نبی کو ماننا ہے۔ پہلے خدا پر ایمان لانا ہے اس کے بعد نبی پر ایمان لانا ہے۔ پہلے خدا کی اطاعت کرنا ہے اس کے بعد رسول کا اتباع کرنا ہے تو جب تک رسول کی بات ہو رہی تھی دو مسئلہ تو طے ہو گیا کہ رسول کا اتباع کرنے والا وہ ہے جو خدا پر ایمان رکھتا ہے۔ نبی پر ایمان رکھتا ہے۔ مگر خدا اسکی کامیابی کا اعلان نہیں کر رہا ہے۔

ایمان باللہ طے ہو گیا۔ اتباع پیغمبرؐ طے ہو گیا۔ مگر ابھی فلاح و کامیابی کا اعلان نہیں ہو رہا ہے۔ ابھی نجات کا اعلان نہیں ہو رہا ہے۔

نجات کا اعلان کب ہوگا؟ جب اس نور کا اتباع کیا جائے جو نبیؐ کے ساتھ نازل کیا گیا ہے تو جو بھی یہ نور ہو میں نہیں جانتا۔ اتنا جانتا ہوں کے تنہا خدا کا مان لینا نجات کیلئے کافی نہیں ہے تنہا رسول کا اتباع کر لینا نجات کیلئے کافی نہیں ہے کسی ایسے نور کا بھی اتباع کرنا پڑے گا جو نبیؐ کے ساتھ نازل ہوا ہے۔ تو نہ وحدہ لاشریک کا تنہا کلمہ کافی ہوگا نہ رسالت کا کلمہ تنہا کافی ہوگا۔ ایک کوئی اور ماننا

پڑے گا جس پر اتنے اتباع کے بعد بھی نجات کا دارومدار ہے اب جو بھی آپ چاہیں مراد لیں۔ لیکن اتنا تو کم سے کم تسلیم کریں کہ نجات کا دارومدار تین چیزوں پر ہے۔ خدا کو مانا جائے پھر نبی کو مانا جائے اور اس نور کو مانا جائے جو نبیؐ کے ساتھ نازل کیا گیا ہے۔ اسلئے کہ قرآن نے دو کے ماننے پر کامیابی کا اعلان نہیں کیا جب تک تیسرے کے ماننے کی بات نہیں آئی اس وقت تک نجات کا اعلان نہیں ہوا۔

آپ سے متعلق جو مسئلہ تھا وہ میں نے گذارش کر دیا اب ایک جملہ ان مفسرین کی خدمت میں گذارش کرنا چاہتا ہوں جن کا اصرار اس بات پر ہے کہ اگرچہ خدا نے کہا کہ نبیؐ کے ساتھ نازل کیا گیا ہے مگر ساتھ سے مراد یہ ہے کہ نبیؐ پر نازل کیا گیا ہے۔ مجھے نہ کوئی انکار ہے نہ مجھے کوئی بحث کرنا ہے۔ جو بھی مراد ہو۔ اس سے مراد ہے قرآن مجید۔ تو اللہ نے یہ کیوں کہا کہ نبیؐ کے ساتھ نازل کیا گیا ہے۔ کہا اسکی وجہ یہ ہے کہ خدا اپنے بندوں کو یہ سمجھانا چاہتا ہے کہ اگرچہ بظاہر جبرئیل امین نے نبیؐ کے دل پر قرآن اُتارا ہے مگر جبرئیل کو یہ خیال نہ پیدا ہو جائے کہ نبیؐ کو پہلے یہ قرآن نہیں دیا گیا تھا۔ قرآن وہ نور ہے جو نبیؐ کے ساتھ نازل کیا گیا ہے۔ یہ جبرئیل جو آیتیں لیکر آئے ہیں اور جو نبیؐ پر نازل ہوئی ہیں۔ یہ نبیؐ پر نازل ہونا ایک ظاہری طریقہ کار ہے ورنہ اصل قرآن تو نور ہے جو حضورؐ کے ساتھ نازل کیا گیا ہے۔ جب حضورؐ آئے تو اپنا نور یعنی اپنا قرآن اپنے ساتھ لیکر آئے۔ یہ عالم اسلام کے مفسرین نے ہمکو سمجھایا اور ہم سمجھ گئے مگر کہنے والے خود نہ سمجھے۔ انھوں نے ہمکو سمجھایا کہ نور سے مراد ہے قرآن، ساتھ سے مراد ہے ساتھ یعنی قرآن کی دو حیثیتیں ہیں ایک طرف یہ آیتیں ہیں جو نبیؐ پر آئی ہیں ایک طرف پورا قرآن ہے جو نبیؐ کے ساتھ آیا ہے۔ جب بھی خدا نے پیغمبرؐ کو وہاں سے بھیجا تو سارا قرآن ساتھ کر دیا۔ اب اس کے بعد تو صرف سرکاری کارروائی باقی رہے گی کہ

جبرئیل آیتیں لیکر نازل ہوتے رہیں گے اور حضورؐ کے قلب پر آیتیں نازل ہوتی رہیں گی ورنہ اصلی قرآن حضورؐ کے ساتھ آیا ہے۔ میں بار بار اس لفظ کو اسلئے دوہرا رہا ہوں تاکہ آپ یہ اندازہ کرلیں کہ جو ہمیں سمجھا رہے تھے کہ قرآن حضورؐ کے ساتھ نازل ہوا ہے وہ خود نہ سمجھے۔

عزیزو! اگر ساتھ نازل ہونے والا قرآن نبیؐ کے ساتھ آیا ہے تو جس دن جبرئیل آکے کہہ رہے تھے کہ پڑھو۔ اس دن پھر یہ کیوں کہہ رہے تھے کہ میں پڑھنا نہیں جانتا۔ اُس دن یہ کہنے کے کیا معنی ہیں کہ میں کیا پڑھوں۔ مجھے خبر ہی نہیں ہے۔ آپ تو اپنا قرآن ساتھ لیکر آئے ہیں۔ آپ کو کیسے خبر نہیں ہے۔ تو دو ہی باتیں ہیں یا یہ کہو کہ یہ کوئی دوسرا نور ہے جو نبیؐ کے ساتھ نازل ہوا ہے اور اگر یہ قرآن ہی ہے تو کم سے کم اتنا تو مانو کہ نبیؐ جب بھی دنیا میں آئے ہیں جاہل قرآن بن کے نہیں آئے ہیں وہ پہلے دن بھی جاہل نہیں تھے اور چالیس برس کے بعد بھی جاہل نہیں تھے۔ وہ پہلے دن اپنا قرآن اپنے ساتھ لیکر آئے تھے ان کے یہاں جہالت کا گذر نہیں ہے۔ اور اگر یہ نکتہ واقعا سمجھ لیا ہے کہ قرآن نبیؐ کے ساتھ آیا ہے۔ نبیؐ اپنا علم قرآن ساتھ لیکر آئے ہیں۔ اپنا قرآن اپنے سینہ میں لیکر آئے ہیں تو جو یہ کہے کہ نبیؐ کو چالیس سال تک قرآن نہیں معلوم تھا اسے صحیح نہ کہو کم سے کم صحیح کو غلط مت سمجھو اور جس کتاب میں اُس کا تذکرہ ہو اس کتاب کو بھی غلط کہو صحیح نہ کہو۔

جو قرآن مجید کے خلاف بیان دے کیا وہ بھی صحیح ہوگا۔ اگر وہ صحیح ہے تو قرآن غلط ہوگا۔ اور قرآن صحیح ہے تو اس سے ٹکرا جائے وہ صحیح نہیں ہے۔ دو میں سے ایک ہی کو صحیح ماننا ہوگا یا اپنی سمجھ میں اتنی وسعت پیدا ہوجائے کہ دونوں لڑتے بھی رہیں گے ایک دوسرے کو قتل بھی کرتے رہیں گے اور یہ بھی سچے

رہیں گے وہ بھی سچے رہیں گے۔

اگر اتنی ظرف میں وسعت پیدا ہوجائے تو سب کچھ ہوسکتا ہے لیکن ہم جیسے سادہ سمجھنے والے اتنا جانتے ہیں کہ جب دو میں ٹکراؤ پیدا ہوگا تو دو میں سے ایک ہی صحیح ہوگا۔ اب یہ اختیار آپ کے ہاتھوں میں ہے۔ چاہے اسے صحیح کہیں یا اُسے صحیح کہیں۔

بہرحال نجات کا دارومدار اس نور کے اتباع پر ہے جو حضورؐ کے ساتھ نازل کیا گیا ہے۔

اب میں مسئلہ اتباع کے بارے میں چند لفظیں گزارش کرنا چاہتا ہوں۔ قرآن مجید کی پانچ آیتیں ہیں اور شائد ایک دس منٹ کے اندر اس بات کو مکمل کر لوں گا۔ لیکن آپ کی توجہ درکار ہے۔

یہ اتباع پیغمبر کیا ہے۔ اتباع کا کمال کیا ہے۔ اتباع کی شان کیا ہے۔ اتباع کا اثر کیا ہے؟

پروردگار عالم نے جناب عیسیٰؑ سے وعدہ کیا۔ عیسیٰؑ تم جاؤ ہمارے دین کی تبلیغ کرو۔ ہمارا پیغام پہونچاؤ۔ لوگ یہ گھبرائیں گے کہ ان یہودیوں کے مقابلہ میں اگر ہم نے عیسیٰؑ کو مان لیا تو کہاں یہ طاقت یہودیوں کی اور کہاں ہم بے چارے۔ ہمارا کیا حشر ہوگا۔ ظاہر ہے کہ اُس دور میں یہودی ایک بڑی طاقت تھے۔ اتنی بڑی طاقت کہ جناب مریمؑ جناب عیسیٰؑ کو لیکر آئیں تو ان پر بھی الزام لگا دیا۔ ایسی بے ایمان قوم۔ ایسے ناہنجار افراد۔ ان کے سامنے عیسیٰ پر کوئی ایمان لائے گا تو اس غریب کا حشر کیا ہوگا۔ لہٰذا عیسیٰؑ ہم یہ جانتے ہیں کہ لوگ گھبرائیں گے۔ تم کو نہ مانیں گے۔ تم پر ایمان نہ لائیں گے۔ تو ہمارا وعدہ انھیں سنا دینا کہ ہم نے تمھیں جو مرتبے دیئے ہیں جو تمھیں کرامت دی ہے جو تمھیں کمال دیا ہے۔ اس میں

سے ایک یہ ہے کہ "جاعلوا الذین اتبعوک فوق الذین کفروا الی یوم القیامۃ" جو تمہارے اتباع کرنے والے ہیں ہم انھیں کافروں پر ہمیشہ مسلط رکھیں گے قیامت تک۔

یہ خدا کا وعدہ ہے اب جو جناب عیسیٰؑ نے اس وعدے کو دوہرایا تو اب کون گھبرائے گا۔یمان لاتے ہوئے۔جب خدا نے یہ کہدیا کہ وہ پیروی کرنے والوں کو کافروں سے یہودیوں سے ہمیشہ اونچا رکھے گا "الی یوم القیامۃ" قیامت تک۔اب کس بات کی گھبراہٹ ہے۔مگر اس کے بعد بھی لوگ گھبرا رہے ہیں اسلئے کہ اب ایک نیا مسئلہ پیدا ہو گیا ہے خدائی وعدہ تو ہے کہ ہم اتباع کرنے والوں کو کافروں سے بالاتر رکھیں گے۔ لیکن اطمینان اسے ہوگا جو اتباع کرنے والا ہو۔ لیکن یہ بے چارے جو اتباع کرنے والے ہیں انھیں خود ہی یہ شبہ ہے کہ ہم اتباع کر بھی سکتے ہیں یا نہیں۔ہم اتباع کر بھی رہے ہیں یا نہیں تو انھیں وعدہ خدا کا اعتبار کیسے پیدا ہوگا۔ تو جن کو اپنے اتباع پر اعتبار ہوگا انھیں وعدہ خدا پر اعتبار ہوگا اور جنھیں اپنے اتباع ہی کا بھروسہ نہیں ہے انھیں وعدہ خدا کا بھروسہ کیسے ہوگا۔ تو یہ اتباعِ جناب عیسیٰ کی شان ہے کہ خدا نے وعدہ کیا ہے کہ جو تمہارے اتباع کرنے والے ہیں ہم انھیں کافروں سے بالاتر رکھیں گے قیامت تک۔

اے خدا عیسیٰ بن مریم کے اتباع کرنے والوں کو اتنا اونچا بنا دیا کہ وہ قیامت تک یہودیوں سے بالاتر رہیں گے اور جسکو عیسیٰؑ بن مریم کا پیغمبر بنایا ہے جو روز قیامت سارے انبیاء کا گواہ بن کے آئے گا جو افضل مرسلین ہے جو سید المرسلین ہے۔اس کے اتباع کرنے والوں کا حال کیا ہوگا؟

پروردگار نے کہا جب میں نے ان سے وعدہ کیا ہے تو تمھیں خود اندازہ ہوجائے کہ ہم یہودیوں سے انھیں بھی بالاتر رکھیں گے اگر اتباع کریں گے

اور اگر کبھی پستی کا احساس پیدا ہو یہودیوں کے مقابلہ میں تو ان سے کہنا کہ خبردار میرے وعدے میں شک نہ کرنا۔ اپنے اتباع میں شک کرو۔ اپنی پیروی میں شک کرو میرا وعدہ جھوٹا نہیں ہو سکتا ہے۔ جو میرا اتباع کرنے والے ہیں وہ تو بہرحال ان سے بالاتر رہیں گے۔ اگر یقین نہ آئے تو جب واقعی اتباع کرنے والا پردہ ہٹا کے آجائے تو دیکھ لینا کہ وہ کہاں ہوتا ہے اور سارا عالم کفر و الحاد کہاں ہوتا ہے۔ جب نظام عدل و انصاف قائم ہو جائے گا تب دنیا کو اندازہ ہوگا کہ خدائی وعدہ کتنا سچا ہے۔ تمہاری پیروی کمزور تھی تو وہ بالاتر ہو گئے لیکن جسکی پیروی مکمل ہے اسے خدا نے سب سے بالاتر بنا دیا ہے۔

اس کے بعد جب سرکار دو عالمؑ منزل تبلیغ میں آئے تو حضورؐ نے اعلان کیا "قل ھذہ سبیلی" میرے اللہ نے کہا ہے پیغمبر ان سے کہو کہ یہ میرا راستہ ہے۔ اسلام میرا راستہ ہے "ادعوا الی اللہ علیٰ بصیرۃ انا ومن اتبعنی" بصیرت کے ساتھ اللہ کیطرف میں دعوت دیتا ہوں اور وہ جو میرا اتباع کرنے والا ہے۔ تو جو پیغمبرؐ کا اتباع کرنے والا ہے پیغمبر نے بصیرت کے ساتھ اسے خدا کی طرف دعوت دینے والا بنایا ہے اور اپنے ساتھ دعوت میں اسے شریک کیا ہے وہ واقعتا اتباع کرنے والا ہے۔ تو جب حضور دعوت دیں تو دیکھ لینا حضورؐ کے ساتھ دعوت میں کون شریک ہے۔ حضورؐ کے ساتھ دعوت دینے والا وہی ہوگا جو حضورؐ کا واقعی اتباع کرنے والا اور حضورؐ کی واقعی پیروی کرنے والا ہوگا۔ اب آگے مجھے کچھ نہیں کہنا ہے۔ جائیے جا کے ڈھونڈھیئے کہ حضورؐ کے ساتھ دعوت دینے والا کون ہے اور اگر آپ کو تلاش کرنے میں نہ ملے تو حضور تو خود ہی کہہ رہے تھے کہ میں اسلام پیش کرنے جا رہا ہوں میرا ساتھ کون دے گا۔ تو جسکو حضورؐ کے ساتھ شریک دعوت ہونا تھا اسکو اسی دن بولنا چاہئے تھا۔ فرق ہے اس انسان میں جو حضورؐ کے ساتھ دعوت دینے

میں شریک ہو اور اس انسان میں جو حضورؐ کی دعوت کو قبول کرلے۔ چاہے سب سے پہلے قبول کرے۔

دعوت پر لبیک کہنے والا اور ہوتا ہے اور دعوت دینے والا اور ہوتا ہے۔ خدا نے کہا ایک پہچان اتباع کی یہ ہے کہ جو نبی کے ساتھ دعوت دینے میں شریک ہے وہ ہے اتباع کرنے والا تو اتباع کی ایک علامت ہے بلندی کفر پر اور اتباع کی دوسری پہچان ہے حضورؐ کے ساتھ شریک دعوت ہونا۔

اتباع کی تیسری پہچان۔

پروردگار نے روز اول کہا پیغمبرؐ تم لوگوں کو دین خدا کی دعوت دو۔ "انذر عشیرتک الاقربین" اپنے قرابت داروں کو ڈراؤ۔ لوگوں کو دین خدا کی دعوت دو اور پیغمبرؐ اسکا خیال رکھنا کہ جو تمھارے ساتھ آجائیں انھیں عام لوگوں سے الگ رکھنا۔

حضورؐ کیسے آپ الگ رکھیں گے؟

خدا نے کہا یہ طریقہ بھی میں ہی بتاؤں گا "واخفض جناحک لمن اتبعک من المومنین" اے پیغمبرؐ جو تمھارا کامل اتباع کرنے والے ہوں ان کے سامنے اپنے شانوں کو جھکا دینا۔ یہ تیسری علامت ہے۔ اب مجھے کہاں تلاش کرنا ہے جس کا جی چاہے وہ کہے کہ ہم اتباع کرنے والے ہیں۔ ہم اسے نہیں دیکھیں گے ہم تو خالی یہ دیکھنا چاہتے ہیں کہ وہ اپنے شانے کو حضورؐ کے سامنے جھکا رہا ہے یا حضورؐ اپنے شانوں کو جھکا رہے ہیں۔ قرآن تو یہی کہتا ہے کہ جو اتباع کرنے والا ہے اس کے سامنے اپنے شانوں کو جھکا دینا۔ جب ہم نے اس معیار پر تاریخ میں تلاش کیا تو کبھی ہمیں خانہ خدا میں جانا پڑا کبھی ہمیں مسجد میں آنا پڑا۔ کبھی ہمیں بازار میں

جانا پڑا۔ اللہ کے گھر گئے تو نبیؐ کے کاندھوں پر علیؑ کو دیکھا۔ مسجد اور بازار میں آئے تو نبیؐ کے کاندھوں پر ان شہزادوں کو دیکھا جن کے لیے نبیؐ ناقہ بن کر چل رہے ہیں۔ اب تو اندازہ ہوا کہ اتباع کامل کرنے والے یہ ہیں۔

اور ایک جملہ کہوں گا کہ اگر صنف مانع نہ ہوتی تو اتباع کرنے والی بیٹی کے سامنے بھی نبیؐ کاندھوں کو جھکا دیتے مگر یہ نبوت کی شان نہیں ہے کہ عورت کو کاندھوں پر جگہ دے۔

سرکار، تو میری ایک گذارش ہے کہ اگر آپ کسی خاتون کو کاندھے پر جگہ نہیں دے سکتے تو اگر کوئی خاتون اتباع کرنے والی ہے تو اس کے اتباع کو کیسے پہچانیں گے۔ پیغمبرؐ نے کہا تم نے تو زبان پڑھی ہے۔ تم تو جانتے ہو کہ کلام عرب میں اتباع کے معنی نقش قدم پر چلنا۔ تو جہاں گنجائش ہوگی کاندھے پر بٹھانے کی وہاں بٹھا لوں گا۔ اور جہاں گنجائش نہ ہوگی وہاں وہ منظر پیش کردوں گا کہ نقش قدم پر چلنے والا کون ہے۔ شائد یہ بھی ایک مصلحت تھی کہ نفس کو پیچھے کردیا اور بیٹی کو آگے کردیا اور اب جو مباہلہ میں آئے تو نبیؐ کے قدم اٹھتے جارہے ہیں اور زہراؑ کے قدم پڑتے جارہے ہیں۔

یہ تین علامتیں ہیں اتباع کی اور چوتھی علامت اتباع کی "حسبک اللہ ومن اتبعک من المومنین" پیغمبرؐ آپ کے لیے خدا کافی ہے اور وہ صاحبان ایمان کافی ہیں جو آپ کا اتباع کرنے والے ہیں۔

خدایا کیا تیرے ساتھ "بھی" اور "کی گنجائش ہے۔ جس کے لیے تو کافی ہوجائے اس کے لیے اب کس کی ضرورت ہے۔ مگر خدا کہتا ہے میرے حبیب تمھارے لیے خدا کافی ہے اور وہ صاحبان ایمان کافی ہیں جو اتباع کرنے والے ہیں۔ تو اتباع کی ایک پہچان یہ بھی ہے کہ جو نبی کیلئے کافی ہوجائے سمجھو وہی اتباع

کرنے والا ہے اور جو ناکافی ہو جائے پھر اسکا اتباع کامل نہیں ہے۔ آپ متوجہ ہیں۔ میں صرف ایک لفظ کہوں گا باقی آپ پہچانیں گے۔ میں حضورؐ کی خدمت میں حاضر ہوا۔ اگر میرے آنے کے بعد حضورؐ آپ کا بھی انتظار کر رہے ہیں۔ تو اس کے معنی کہ میں ناکافی ہوں اور اگر میرے آنے کے بعد حضورؐ کو آپ کی پرواہ نہیں ہے تو اس کے معنی یہ ہیں کہ میں کافی ہوں۔ یہی تو کافی اور ناکافی کی پہچان ہے کہ جس کے بعد کسی اور کی ضرورت رہ جائے وہ ناکافی اور جس کے بعد کسی کی ضرورت نہ رہ جائے وہی کافی ہے۔

اب آیئے پہلے دن دیکھیں۔ ایک انسان کہہ رہا تھا کہ میں آپ کے ساتھ ہوں۔

حضورؐ کہہ دیتے کہ ابھی اعلان کو روکے لیتا ہوں ابھی مجمع نہیں ہے۔ جب آدمی دس پانچ ہو جائیں گے تب اعلان کروں گا۔ تو میں سمجھتا کہ یہ بچہ ناکافی ہے لیکن اگر ایک کے وعدے پر اعلان شروع ہو جائے تو اس کے معنی یہ ہیں کہ یہ وہ کافی ہے کہ جس کے بعد کسی کی ضرورت نہیں ہے۔ اور آگے بڑھ جایئے۔ یہ پرچم لیکر جائیں۔ وہ فتح کرنے جائیں۔ وہ معرکہ میں جائیں مگر سب کے بعد بھی نبیؐ کہہ رہے ہیں کہ علیؑ کہاں ہیں تو اس کے معنی یہ ہیں کہ سب کے بعد علیؑ کی تلاش ہے۔ مگر جب علیؑ رایت لیکر چلے تو کسی کو مڑ کے نہ دیکھا کہ کوئی اور جا رہا ہے یا نہیں جا رہا ہے۔ یہ علامت ہے کہ سب ناکافی تھے نبیؐ کیلئے تنہا علیؑ کافی تھے۔

جب عمرو نے آکر للکارا کوئی مقابلہ پر آئے گا۔ تو حضورؐ نے کوئی لشکر نہیں بھیجا خندق میں۔ تنہا ایک گیا تھا اور عمرو کا سر کاٹ کے لے آیا۔ اب تو اندازہ ہو گیا کہ کل کفر کے مقابلہ میں سب ناکافی تھے صرف ایک علیؑ کافی تھے۔

بس عزیزو! منزل مصائب تک جانے کیلئے اس اتباع کی آخری منزل۔ میں نے

پانچ علامتوں کا وعدہ کیا تھا۔ چار علامتیں بیان کر دیں۔ یہ پانچویں علامت ہے۔

جناب موسیٰؑ اور جناب ہارونؑ فرعون کے سامنے آئے تبلیغ دین کیلئے۔ پیغام الٰہی پہونچانے کیلئے۔ فرعون نہیں ماننا چاہتا۔ نہیں تسلیم کرنا چاہتا۔

پروردگار کے حکم سے موسیٰؑ نے ایک بات کہی اور چلے گئے "قد جئناک بایۃ" ہم نشانیاں لے آئے۔ ہم نے معجزات پیش کر دیئے۔ ہم نے ثبوت پیش کر دیا۔ ہم نے دلیل قائم کر دی۔ مانو یا نہ مانو۔ مگر ایک بات یاد رکھنا "والسلام علی من اتبع الھدیٰ" جو ہدایت کا اتباع کرے گا اس کے لیے سلام ہے۔ اگر تو اتباع ہدایت نہیں کرتا تو تو قابل سلام بھی نہیں ہے۔ سلام ان کے لیے ہے جو اتباع کرنے والے ہیں جو ہدایت کی پیروی کرنے والے ہیں۔ اب اندازہ ہوا جناب موسیٰؑ کا پیش کیا ہوا قانون ہے کہ جو اتباع ہدایت کرنے والے ہیں وہ سلام کے حقدار ہوتے ہیں۔ اب آپ نے پہچانا ہم نے اسے بھی ایک نشانی قرار دیا ہے۔ اسی لیے ہم کسی بات پر راضی نہیں ہیں۔ نہ ہم رضا پر راضی ہیں نہ ہم کرامت پر راضی ہیں۔ نہ ہم اس پر خوش ہوتے ہیں کہ ہم کسی کے حق میں دعائے رضا کریں نہ اس بات پر راضی ہوتے ہیں کہ ہم کسی کی کرامت کا اعلان کریں۔ ہمارے لیے ایک ہی اعلان کافی ہے کہ جب ان کا نام آئے گا تو ہم کہیں گے "علیہ السلام"۔ یہ علیہ السلام اس بات کا اعلان ہے کہ یہ ہیں اتباع کامل کرنے والے۔ تو جو اس نبی کا، نبوت کا، خدائی پیغام کا کامل اتباع کرنے والے ہیں وہ نگاہ پروردگار میں قابل سلام ہوتے ہیں۔ تو حق ہے یہ کہنے کا کہ "السلام علیکم یا اولیاء اللہ واحبائہ" کربلا والو تم پر ہمارا سلام۔ اسلئے کہ تم نے ہدایت کا اتباع کیا ہے۔ حسینؑ کے جان نثارو تم پر ہمارا سلام کہ تم نے راہ حق کا اتباع کیا ہے۔ بنی ہاشم کے شیرو! تم پر ہمارا سلام کہ تم نے ہدایت کا اتباع کیا ہے۔ قرآن اس سلام کی تعلیم دے رہا ہے جو منزل اتباع میں

کامل ہوجائیں وہ سلام کے حقدار ہوتے ہیں۔ دنیا کسی بات پر راضی ہوجائے ہم اس پر راضی ہیں کہ انھیں "علیہ السلام" کہا جائے۔ اسلئے کہ ان کے لیے رضامندی کی دعا کرنا اس خطرہ کی علامت ہے کہ شائد خدا راضی نہیں ہے۔ ان کے لیے کوئی اور جملہ ان کی کمزوری کی نشانی ہے مگر یہ سلام ان کے کمال اتباع کی پہچان ہے۔ ان کے اتباع کامل کی علامت ہے۔

لہٰذا ہم نے جب بھی آل محمدؐ کا ذکر کیا۔ علیؑ کا نام آیا تو "علیہ السلام"۔ حسن کا نام آیا تو "علیہ السلام"۔ حسینؑ کا نام آیا تو "علیہ السلام" یہ تو وہ بڑی بلند منزل والے تھے جو ان سے وابستہ ہوگئے، جو ان کے نقش قدم پر چلنے والے اور ان کا اتباع کرنے والے تھے وہ سب بھی ہمارے سلام کے حقدار ہیں۔ ان کے لیے ہر نماز کے بعد ہم آواز دیتے ہیں نبی کے لال تم پر بھی ہمارا سلام اور ان پر بھی ہمارا سلام جو تمھارے نقش قدم پر چلنے والے تھے۔ "السلام علی الحسینؑ وعلی علیؑ بن الحسینؑ وعلی اولاد الحسینؑ وعلی اصحاب الحسینؑ"۔ کل صبح اعمال عاشور میں آپ ان فقروں کو دوہرائیں گے۔ سلام ہو حسینؑ پر جو نبی کا کامل اتباع کرنے والے تھے۔ سلام ہو علی بن الحسین پر جو اپنی جوانی کو اسلام پر قربان کر دینے والے تھے۔ سلام ہو اولاد حسین پر۔ سلام ہو اصحاب حسینؑ پر۔ آپ متوجہ ہوئے۔ میں نے کیا کہا۔ سلام ہو علی بن الحسینؑ پر اور سلام ہو اولاد حسینؑ پر۔ علی بن الحسینؑ کے بعد پھر اولاد حسین میں بچا کون ہے۔ اس کڑیل جوان کے بعد اولاد حسینؑ میں قربانی دینے والا اور کون دکھائی دیتا ہے۔ لیکن عزیزو، ہمارے سلام کا حقدار اگر اٹھارہ سال کا کڑیل جوان ہے تو ہمارے سلام کا حقدار وہ چھ مہینہ کا بچہ بھی ہے جس نے گہوارے سے آکے جان قربان کی ہے۔

ایک جملہ میرے ذہن میں آگیا۔ ہمارے یہاں جب بچے چھوٹے ہوتے ہیں

اور کوئی بڑا گھر میں آجاتا ہے تو ماں باپ بچے سے کہتے ہیں انھیں سلام کرو اور اگر بچہ سلام کرنے کے قابل نہیں ہوتا تو اسکا ہاتھ پکڑ کر اشاروں سے سلام کرایا جاتا ہے۔ ہم نے ایسے بچے تو ساری دنیا میں دیکھے کہ جن کو بڑوں کو سلام کرنا سکھایا جاتا ہے لیکن ایک بچہ کربلا میں دیکھا جسکو ساری دنیا کے انسان سلام کر رہے ہیں۔ اے رباب کے لال۔ اے رباب کی جان، اے حسینؑ کے کمسن مجاہد۔ تم پر ہمارا اسلام کل تو میں نے مجمع کو دیکھ کر اپنے نوجوانوں سے کہا تھا کہ تم متوجہ ہو جاؤ کڑیل جوان کا ماتم ہے۔ آج میں کس سے کہوں کہ تم ماتم کیلئے آمادہ ہو جاؤ۔ میرا جی چاہتا ہے کہ میں اپنی بہنوں سے کہوں اگر تمھاری گود میں بچے سو گئے ہیں تو اپنی گود کے بچوں کو بیدار کرو۔ رباب کا لال نہیں سویا۔ جھولے میں کروٹیں بدل رہا ہے۔ تمھیں اس گرمی میں بار بار یہ خیال ہے کہ بچہ اگر پیاسا ہے تو دودھ پلا دیا جائے۔ نہ ہو تو پانی پلادیا جائے۔ مگر وہ ماں کیا کرے جس کے خیمہ میں ایک قطرہ آب نہ ہو۔ مگر عزیزو، ہمارے بچوں کو اگر تھوڑی دیر پانی نہ ملے تو پیاس سے بیتاب ہو جائیں گے۔ بزرگوں کے ہوش و حواس نہ رہ جائیں گے۔ بچوں کا کیا ذکر ہے مگر کیسا ہوشمند تھا رباب کا لال۔ میدان میں آواز گونج رہی ہے "ہل من ناصر ینصرنا" کیسے یہ آواز خیمہ تک پہونچی۔ کیسے جھولے میں بچے نے سنا۔ یہ کسی کو نہیں معلوم۔ یہ سب نے دیکھا کہ بچے نے اپنے کو جھولے سے گرادیا۔ کہاں چھ مہینہ کی عمر میں ایسے باشعور بچے نظر آتے ہیں۔ خیمہ میں ایک کہرام برپا ہوا۔ حسینؑ نے آواز سنی۔ تڑپ کے آئے در خیمہ پر۔ یہ رونے کی آواز کیوں آرہی ہے؟ بہن یہ خیمہ میں کہرام کیسا ہے۔ کہا بھیا آپ کے استغاثہ کو سن کر علی اصغر نے اپنے کو جھولے سے گرادیا ہے۔ کہا بہن لاؤ اصغر کو میں سمجھتا ہوں۔ میں جانتا ہوں اصغر نے اپنے کو جھولے سے کیوں گرادیا۔ لاؤ میرے لال کو

لاؤ۔ کہا بھیا مگر اصغر کسی کی گودی میں نہیں آتے۔ کہا اچھا مجھے لے چلو اصغر کے پاس۔ حسینؑ آئے جھولے کے قریب۔ کیا باپ نے کہا۔ کیا بیٹا سمجھا۔ کیا حسینؑ کا اشارہ تھا۔ علی اصغر نے اشارہ کو کیسے پہچانا۔ یہ میں نہیں جانتا۔ اتنا سب نے دیکھا کر حسینؑ نے ہاتھ پھیلائے اور بچہ ہمک کے گودی میں آگیا۔ بابا اگر میں اپنے پیروں سے میدان میں جانے کے قابل ہوتا تو آپ کو زحمت نہ دیتا۔ آپ آیئے مجھے لے چلئے تاکہ میں یہ جان آپ پر قربان کر دوں۔ حسینؑ نے بچے کو گود میں لیا۔ لیکر چلے۔ جب در خیمہ کے قریب پہونچے۔ دیکھا رباب سر جھکائے کھڑی ہیں۔ اے رباب یہاں آکے کیوں کھڑی ہو گئیں۔ کہا مولا دیکھ رہی ہوں کہ صبح سے جو میدان میں گیا اب تک پلٹ کے نہیں آیا۔ اب میرا لال جا رہا ہے۔ میں اپنے لال کو ایک مرتبہ دیکھ تو لوں اپنے لال کو در خیمہ سے رخصت تو کر دوں۔ حسینؑ نے رباب کے دل کو تسکین دی۔ رباب ابتک جو میدان میں گئے وہ لڑنے کے قابل تھے ان کے بارے میں دشمنوں کو یہ خیال ہو سکتا تھا کہ جنگ کرنے آئے ہیں مگر تمہارا بیٹا تو جنگ کرنے کے قابل نہیں ہے میں لے جا رہا ہوں اسکی پیاس کا اظہار کروں گا شائد کسی کو رحم آجائے۔ ماں کا دل سنبھل گیا۔ حسینؑ بچے کو لیکر چلے ایک بلندی پر آکر فرماتے ہیں اے قوم جفاکار، اگر تیرے خیال میں میری کوئی خطا ہے تو چھ مہینہ کا بچہ تو کسی قانون میں خطاوار نہیں ہوتا ہے میرا بچہ پیاسا ہے۔ اسلام نے پیاسے کو پانی پلانے کا حکم دیا ہے۔ "اما فیکم مسلم" کیا تم میں کوئی مسلمان نہیں ہے۔ فوجوں سے کوئی جواب نہ ملا۔ تو ایک مرتبہ حسینؑ نے لفظوں کو بدل دیا۔ اچھا اگر کوئی مسلمان نہیں ہے تو کیا تم میں کوئی صاحب اولاد بھی نہیں ہے۔ ارے ذرا میرے بچے کا حال تو دیکھو میرے بچے کی پیاس کا عالم تو دیکھو کوئی جواب نہ ملا ہاں اشقیا منہ پھیر پھیر کر رونے لگے۔ فوج میں کہرام برپا ہوا۔ ابن سعد نے بڑھ

کے پکارا۔ حرملہ "اقطع کلام الحسین"۔ حسینؑ کے کلام کو قطع کر دے حرملہ آگے بڑھا۔ دوش سے کمان اُتاری۔ ترکش سے تیر نکالا۔ تیر چلہ کمان میں جوڑا۔ تین بھال کا تیر اِدھر چھ مہینہ کا بچہ اُدھر تیر چلا۔ علی اصغر کے گلے پر تیر لگا۔ بچہ باپ کے ہاتھوں پر پلٹ گیا۔ حسینؑ نے جو جھک کے دیکھا تو دیکھا کہ بچے کے ہونٹوں پر مسکراہٹ ہے۔ گویا اصغر کہہ رہے ہیں۔ بابا آپ پریشان نہ ہوں۔ میں مسکرا کر دنیا سے جا رہا ہوں۔ حسینؑ نے بچے کو سنبھالا لیکر در خیمہ کی طرف چلے۔ در خیمہ کے قریب پہونچے نہ جانے کیا خیال آیا۔ پلٹ آئے کبھی چاہتے ہیں رباب کو آخری دیدار کرادیں کبھی کچھ سوچ کے پلٹ آتے ہیں۔ "انا للّٰہ وانا الیہ راجعون" رضاً بقضائہ و تسلیماً لامرہ "سات مرتبہ آگے بڑھے پیچھے ہٹے۔ آخر میں حسینؑ نے فیصلہ کیا کہ اب تو بچہ کا کام تمام ہو چکا ہے ماں کو آخری دیدار سے کیوں محروم رکھا جائے۔ یہ سوچ کر در خیمہ پر آئے۔ آواز دی رباب اپنے لال کو لے جاؤ۔ خیمہ میں آواز پہونچی اُدھر سے رباب چلیں اِدھر سے سکینہ چلیں مگر سکینہ پہلے آئیں۔ رباب بعد میں آئیں۔ شائد راز یہ رہا ہو کہ بچی دوڑ کے آ گئی۔ مگر ماں قدم اٹھاتی ہے تو قدم اٹھتے نہیں ہیں نہ جانے میرا لال کس عالم میں ہوگا۔ اب جو سکینہ آئیں کہا بابا اصغر کو پانی پلالائے۔ اے بابا یہ سکینہ بھی تو پیاسی تھی۔ ہائے حسینؑ کیا جواب دیتے۔ سر جھکائے کھڑے ہیں۔ رباب آگے بڑھیں لائیے آقا میرے لال کو لائیے۔ اب جو حسینؑ نے قبا کا دامن ہٹایا۔ ماں نے اپنے لال کو دیکھا۔ گلے پر تیر کا نشان۔ بچہ خون میں نہایا ہوا۔ ارے میرے لال، کیا اس عمر کے بچے بھی نحر کر دیئے جاتے ہیں۔ حسینؑ فوراً پلٹ آئے۔ پشت خیمہ پر آ کے بیٹھے۔ چاہا اپنے لال کو سپرد خاک کر دیں ذوالفقار سے ننھی سی قبر بنانے لگے۔ عجب نہیں ذوالفقار نے فریاد کی ہو مولا جب سے عرش سے آئی کبھی ایسا کام مجھ سے نہیں لیا گیا۔ آج بے شیر کی قبر

بنائی جا رہی ہے۔ لو عزیزو! قبر تیار ہو گئی۔ روایت کا فقرہ ہے کہ حسینؑ بچے کو لیے گود میں بیٹھے ہیں۔ چاہتے ہیں کہ خاک پر لٹا دیں مگر نہ جانے کیا خیال آتا ہے۔ کلیجہ سے لگا لیتے ہیں۔ کبھی خاک پر رکھنا چاہتے ہیں۔ کبھی سینہ سے لگا لیتے ہیں۔ چند لمحہ گذرے تھے کہ ایک مرتبہ آواز آئی۔ اے حسینؑ بچے کو قبر میں رکھدو تم پریشان نہ ہو۔ کوئی ماں آ گئی ہے۔ عجب نہیں زہراؑ نے آواز دی ہو۔ میرے حسینؑ لاؤ اصغر کو میرے حوالے کر دو۔ حسینؑ نے بچہ کو قبر میں رکھا اور

تیغ سے قبر کھود کے اصغر کو گاڑ کر
شبیرؑ اٹھ کھڑے ہوئے دامن کو جھاڑ کر

سیعلم الذین ظلموا ای منقلب ینقلبون

مجلس ۱۱

انسانی زندگی کی کامیابی کا راز اس پیغمبرؐ کا اتباع ہے جسکا تذکرہ توریت میں بھی ہے اور انجیل میں بھی ہے۔ وہ نیکیوں کا حکم دینے والا۔ برائیوں سے روکنے والا، طیبات کو حلال قرار دینے والا، خبائث کو حرام قرار دینے والا، عالم انسانیت کو آزادی دلانے والا ہے۔ ایسے پیغمبرؐ پر ایمان، ایسے پیغمبرؐ کا احترام، ایسے پیغمبر کی نصرت اور اس نور کا اتباع جو پیغمبرؐ کے ساتھ نازل کیا گیا ہے یہی وہ امور ہیں جو انسانی زندگی کی کامیابی کا راز ہیں۔ اور یہی وہ چیزیں ہیں جن پر انسانیت کی نجات کا دارومدار ہے۔

سرکار دوعالمؐ نے جس دن سے میدان تبلیغ بشریت میں قدم رکھا حضورؐ کا سب سے پہلا پیغام انسانی زندگی کی کامیابی اور انسان کی نجات سے متعلق تھا۔ "قولوا لا الٰہ الا اللہ تفلحوا"۔ لا الٰہ الا اللہ کہو اسی میں تمہاری فلاح ہے۔ اسی میں تمہاری نجات ہے۔ اس کے بعد انسانی زندگی کی کامیابی اور انسان کی نجات کے سلسلہ میں مسلسل ان تمام امور کی وضاحت فرماتے رہے جو انسانی نجات کا ذریعہ بن سکتے تھے۔

یہاں تک کہ پروردگار عالم نے جب اپنی عبادت کیلئے اصول اور قواعد معین کئے تو یہ طے کر دیا کہ جب انسان کو بندگی کیلئے مصلائے عبادت پر بلایا جائے تو

اسے پھر وہی پیغام دیا جائے جو پیغمبرؐ نے روزِ اول دیا ہے۔ یعنی جس طرح عقیدہ کی دنیا میں لا الٰہ الا اللہ انسان کی زندگی کی کامیابی کا راز ہے اسی طرح عمل کی دنیا میں معبود کے سامنے سر تسلیم جھکا دینا انسانی زندگی کی کامیابی کی ضمانت ہے۔

سرورؐ کائنات نے وحی پروردگار کے مطابق جب نماز کیلئے بلانے کا انتظام کیا تو نہ کسی کے خواب پر بھروسہ کیا اور نہ کسی کے مشورہ پر اعتماد کیا۔ پروردگار عالم نے جو طریقہ پیغمبرؐ کے حوالے کیا۔ پیغمبرؐ نے وہی طریقہ مسلمانوں کے حوالے کر دیا۔

مسئلہ یہ تھا کہ اس نماز کی دعوت دی جائے تو کیا کہہ کے بلایا جائے۔ نماز کی کس فضیلت کا اعلان کیا جائے۔ نماز کے کس کمال کا اعلان کیا جائے کہ دنیا کھنچ کر بندگی پروردگار کی طرف آجائے۔ تو اس کے لیے ایک لفظ کا انتخاب کیا گیا "حی علی الفلاح" آؤ فلاح کیلئے آؤ۔ کامیابی یہیں ہے۔ نجات یہیں ہے۔ اگر کلمہ توحید کو مجسم شکل میں دیکھنا چاہتے ہو تو کلمہ توحید کی مجسم شکل کا نام ہے نماز۔ کل پیغمبرؐ کہہ رہے تھے "لا الٰہ الا اللہ" کہو اسی میں فلاح اور نجات ہے آج یہی پیغمبرؐ آواز دے رہا ہے نماز کیلئے آؤ یہی نماز فلاح ہے۔ یہی نماز تمھاری نجات کا ذریعہ ہے۔ یہی نماز تمھاری کامیابی کا راز ہے تو گویا جسکا نام کل لا الٰہ الا اللہ رکھا گیا تھا وہ "لا الٰہ الا اللہ" کا کلمہ جب مجسم ہوا تو نماز کی شکل میں سامنے آگیا۔ راز واضح ہے۔ کل لوگ یہ سمجھ رہے تھے کہ "قولوا لا الٰہ الا اللہ" کے معنی یہ ہیں کہ زبان سے لا الٰہ الا اللہ کہدیا اور انسان کامیاب ہو گیا۔ نہیں۔ اب پیغمبرؐ یہ سمجھانا چاہتے ہیں کہ زبان سے الفاظ کا دوہرا دینا یہ انسانی زندگی کی کامیابی کا راز نہیں ہے۔ یہ انسان کی نجات کا ذریعہ نہیں ہے۔

انسان کی نجات اس بات میں ہے کہ انسان اپنے سر کو مالک کائنات کی بارگاہ

میں جھکا دے۔ آپ کو معلوم ہے کہ اسلام میں جب حکم نماز آیا پروردگار عالم کیطرف سے اور پیغمبرؐ نے قوم کو دعوت نماز دی اور نماز کے بلانے کیلئے سرکار دوعالمؐ نے جناب بلال کا انتخاب کیا اور لوگوں نے بلال کی آواز سنی اور آنے کے بعد وہ منظر وہ نقشہ دیکھا کہ آخر یہ کس کام کیلئے بلایا گیا ہے۔ فلاح کسے کہا گیا ہے۔خیر عمل کس کا نام ہے وہ صلوٰۃ اور نماز کیا ہے جس کے لیے بلایا گیا ہے تو دو منظر دکھائی دیئے پہلے اسے دیکھا جو بلانے والا ہے۔ اس کے بعد وہ عمل دیکھا جس کیلئے بلایا گیا ہے تو لوگوں نے آکے پیغمبرؐ کے سامنے یہ کہا کہ یہ دونوں عمل ہمیں پسند نہیں ہیں لہٰذا ہم آپ کے اس راستہ پر نہیں آسکتے ہیں۔

پہلی بات تو یہ ہے کہ اگر آپ کو کسی کام کیلئے بلانا ہی تھا تو بلانے کیلئے کسی سلیقہ کے آدی کا انتخاب کیا ہوتا ایسے ایسے حسین و جمیل افراد کے درمیان ایک حبش کے رہنے والے سیاہ فام انسان کو آپ نے داعی بنا دیا ہے ایسے ایسے عربوں کے درمیان ایک ایسے آدی کو آپ نے موذن بنا دیا ہے جس آدمی کے پاس عربی لہجہ بھی نہیں ہے۔ یہ صحیح طریقہ سے الفاظ کو ادا بھی نہیں کر سکتا۔ ہم ایسے کالے آدمی کے بلانے پر نہ آئیں گے۔ ہم ایسے غلط لہجہ والے کے بلانے پر نہ آئیں گے۔ اور اگر ہم آ بھی جاتے تو یہ کاروبار ہم سے نہ ہوسکے گا جس کام کیلئے آپ بلا رہے ہیں ہم سرفراز قوم ہیں۔ ہم سر بلند قوم ہیں۔ ہمارا سر اونچا رکھا گیا ہے۔ اب آپ ہمیں اتنا ذلیل کرنا چاہتے ہیں کہ ہم سیدھے ہیں تو جھک جائیں اور جھک جانے کے بعد زمین پر گر جائیں کہ وہ ہمارا سر جسکو کوئی جھکا نہیں سکا وہ سر خاک پر رکھ دیا جائے۔ ہم اس عمل کو برداشت نہ کریں گے۔ نہ آپ کی نماز ہمارے لیے قابل برداشت ہے نہ آپ کی اذان ہمارے لیے قابل برداشت ہے۔ اگر آپ اذان کیلئے موذن تبدیل کر دیں اور نماز کا کوئی دوسرا طریقہ اختیار کریں جہاں ہمکو جھکنا

نہ پڑے، ہمیں ذلیل نہ ہونا پڑے۔ ہمارا یہ بلند سر خاک سے نہ ملنے پائے تو ہم آپ کے ساتھ آسکتے ہیں۔ لیکن اگر آپ نے یہی طریقہ اختیار کیا ہے تو ہم اس طریقۂ کار میں آپ کا ساتھی نہیں دے سکتے۔ یہ کون سی فلاح ہے یہ کون سی کامیابی ہے کہ سربلند انسان کو خاک پر گرادیا جائے۔ یہ کون سی کامیابی ہے کہ سرفراز انسان کے سر کو خاک پر گرادیا جائے یہ کوئی کامیابی نہیں ہے۔

سرکار دوعالمؐ کے سامنے یہ مطالبہ رکھا گیا تو حضورؐ کا بس ایک جواب تھا کہ یہ ہے قانون الٰہی۔ جسکو ماننا ہے مانے جسکو نہیں ماننا ہے نہ مانے۔ اللہ کا قانون بندوں کی خواہش سے تبدیل نہیں ہوسکتا۔ اللہ کا قانون تمہاری خواہشات کے سانچے میں نہیں ڈھالا جاسکتا۔ قانون الٰہی یہ ہے۔ رہ گئے تمہارے شبہات تو تمہارے شبہات کا جواب ہمارے پاس موجود ہے۔ تم یہی تو کہنا چاہتے ہو کہ بلال کا رنگ کالا ہے ہم ان کے بلانے پر نہ آئیں گے۔ تم یہی تو کہنا چاہتے ہو کہ بلال کا لہجہ عربی نہیں ہے ہم ان کے بلانے پر نہ آئیں گے کاش تم نے یہ سوچا ہوتا کہ اگر یہاں حُسن کا کوئی مقابلہ ہوتا تو بلال کے بجائے کسی اور کو لایا جاتا۔ اگر یہاں لہجہ کا، حسن قرآت کا کوئی مقابلہ ہوتا تو کسی عرب کو ڈھونڈھ کے لایا جاتا۔ یہ بندگی کی دعوت ہے۔ یہ عبادت کی دعوت ہے جو جذبہ بندگی میں جتنا بالاتر ہوگا اسے اتنا ہی اونچا رکھا جائے گا یہاں رنگ نہیں دیکھا جاتا۔ یہاں لہجہ نہیں دیکھا جاتا اور اگر تمہارا خیال یہی ہے تو مالک نے بلال کی سین ہی کو شین بنا دیا ہے۔ خدا کی نگاہ میں ان لہجوں کی کوئی قدروقیمت نہیں ہے۔ خدا ایمان دیکھتا ہے۔ خدا اخلاص دیکھتا ہے۔ میرا خدا جذبہ بندگی دیکھتا ہے چونکہ یہ بندگی کی دعوت ہے تو جذبہ بندگی میں جتنا بلند ہوگا اسکو اتنی ہی اہمیت دی جائے گی اتنا ہی بلند مقام دیا جائے گا۔ اس کے بعد اگر تمہارا خیال یہ ہے کہ یہ نماز تمہارے لیے قابل برداشت نہیں ہے کہ جہاں اونچے انسان کو

پست بنایا جاتا ہے۔ یہاں سربلند انسان کا سر خاک پر رکھ دیا جاتا ہے تو یہ یاد رکھنا کہ میں نے تو خود تمہیں یہ طریقہ سکھایا ہے کہ خبردار کسی کے سامنے سر نہ جھکانا پتھروں کے آگے سربلند میں نے بنایا ہے۔ درختوں سے اونچا میں نے بنایا ہے۔ ستاروں سے اونچا میں نے بنایا ہے۔ چاند کی خدائی کو میں نے باطل کیا ہے۔ سورج کی خدائی کو میں نے غلط قرار دیا ہے۔ میں نے خود تمہیں اونچا بنایا ہے۔ اس کے بعد میں اگر تمہیں سجدے کا حکم دیتا ہوں تو میں تمہیں ذلیل نہیں کرنا چاہتا۔ تمہیں جھکانا نہیں چاہتا بس اتنا سمجھانا چاہتا ہوں کہ مخلوقات کے سامنے جھک جاؤ گے تو ذلیل ہو جاؤ گے اور خالق کے سامنے جھک جاؤ گے تو صاحب معراج ہو جاؤ گے۔

یہ جھک جانا، یہ سجدہ، یہ عبادت کی شان جسے تم اپنے لیے ذلت سمجھ رہے ہو یہ ذلت نہیں ہے یہی نماز تمہاری بندگی کی معراج ہے۔ یہی نماز تمہاری عظمت کا ذریعہ ہے اور یہ یاد رکھنا کہ اگر دنیا میں عالم انسانیت میں تمہاری برادری میں اتنا احساس پایا جاتا ہے کہ اگر تمہارے سامنے کسی نے کوئی کار نمایاں، تمہارے حق میں انجام دیا ہے تو تم چاہتے ہو کہ اسکی جزا اس سے بہتر ہو اسکا انعام اس سے بہتر ہو تو کم سے کم اپنے خدا پر اتنا ہی بھروسہ کیا ہوتا کہ اگر تمہارا طریقہ ہے کہ تھوڑا کرنے والے کو زیادہ دیتے ہو تو جو کل کائنات کا مالک اور خالق ہے جس کے قبضہ میں کل کائنات ہے اسکی بارگاہ میں جتنا عمل کرتے جاؤ گے اس سے بہتر انعام دے گا۔ جب سربلند رہو گے انعام کم ملے گا۔ جھک جاؤ گے بلند بنا دے گا۔ جتنا جھکتے جاؤ گے اتنا ہی بلند بنا دے گا۔ جب جھکا کے اپنے سر کو خاک تک پہونچا دو گے تو بلندی کی وہ منزلیں عنایت کرے گا جسکا تمہارے درمیان کوئی تصور بھی نہیں ہو سکتا۔ اسی لیے میں نے اس نماز کو فلاح قرار دیا ہے اس نماز کو

کامیابی قرار دیا ہے کہ اس سے زیادہ کامیابی کیا ہوگی کہ انسان مالک کی بارگاہ میں سربلند ہوجائے اور وہاں سربلندی کا ایک ہی راز ہے تم سر جھکاتے جاؤ اور خدا تمہیں اونچا بناتا جائے۔ تم سر جھکاتے جاؤ اور خدا تمہیں بلندی دیتا جائے۔

یہ معبود کا ایک اصول ہے جسے خاصان خدا نے سمجھ لیا ہے۔ اللہ کے نیک بندوں نے اس نکتہ کو سمجھ لیا ہے اس لیے وہ اپنے سر کو اللہ کی بارگاہ میں ہمیشہ جھکائے رکھنا چاہتے تھے وہ سر نہیں اٹھانا چاہتے تھے۔ وہ جانتے تھے کہ سر اٹھانا بلندی کی علامت نہیں ہے سر جھکانا بلندی کی نشانی ہے ورنہ آپ سوچئے کہ جس کے قبضہ میں کائنات ہو، جس کے صدقہ میں دنیا بنی ہو، زمین اس کے اختیار میں ہو، چاند سورج اس کے اختیار میں ہوں، اسے کیا غرض تھی کہ رات بھر مصلے پر کھڑا رہے، اسے کیا ضرورت تھی کہ رات بھر سجدے کرتا رہے اسے کیا ضرورت تھی کہ رات بھر بندگی کرتا رہے۔

مگر میں نے یہی دیکھا۔ کہ جو جتنا بڑا صاحب اختیار تھا اس کے سجدے اتنے ہی زیادہ تھے۔ جسکی انگلیوں میں چاند توڑ دینے کی طاقت تھی وہ رات بھر سجدے کیا کرتا تھا۔ جسکی انگلیوں میں سورج پلٹا دینے کا دم تھا وہ رات بھر بندگی کیا کرتا تھا۔ یہ اس بات کی علامت ہے کہ پروردگار عالم نے ان بندوں کو یہ شعور عنایت فرما دیا تھا کہ جتنا خدا کی بارگاہ میں انسان خاکساری کا ثبوت دے گا خدا اسکو اتنی ہی بلندی عنایت کرے گا۔ خدا کی بارگاہ میں جھک جانا ایسی بلندی کا ثبوت ہے کہ جب پروردگار عالم نے بلندی کی آخری منزل کا اعلان کیا تو اس بلندی کے اعلان کو بھی دو سجدوں میں گھیر دیا "سبحان الذی اسری بعبدہ لیلا من المسجد الحرام الی المسجد الاقصی" وہ پاک و بے نیاز ہے جو اپنے بندے کو لے گیا۔ کہاں لے گیا مسجد الحرام سے مسجد اقصی تک۔ جہاں سے حضورؐ گئے اسکا نام بھی مسجد ہے اور جہاں عرش اعظم

تک گئے قرآن نے اسکا نام بھی مسجد رکھا ہے مسجد سجدہ کرنے کی جگہ کا نام ہے۔ مسجد سر جھکانے کی جگہ کا نام ہے تو جہاں سے نبیؐ چلے وہ بھی سجدہ کرنے کی جگہ اور جہاں پہونچے وہ بھی سجدہ کرنے کی جگہ۔ گویا پیغمبرؐ کی معراج آواز دے رہی ہے کہ بلندی چاہتے ہو تو پہلے سجدہ کرو اور جب بلندی مل جائے تو پھر سجدہ کرنا۔ ایک سجدہ بلندی کا ذریعہ ہے اور دوسرا سجدہ بلندی کا ثبوت ہے۔

یہی وجہ ہے کہ جب نبیؐ کی معراج کو دیکھا تو یہی عالم دیکھا کہ عرش کی بلندی پر جانے کے بعد نبیؐ نے سجدہ میں سر رکھدیا۔ اور جب علیؑ کے اقتدار کو دیکھا تو وہاں بھی یہی عالم دیکھا کہ علیؑ نے سورج پلٹانے کے بعد اپنے کمال کا اعلان نہیں کیا بلکہ سر سجدہ معبود میں رکھدیا تا کہ کردار سے کردار ملا یا جائے اور یہ اندازہ ہو جائے کہ جو کام ان بلندیوں پر پیغمبرؐ انجام دے رہے تھے وہی کام اِس اقتدار کے بعد علیؑ انجام دے رہے ہیں۔

جو بلندی پانے کے بعد اکڑ جاتے ہیں وہ فرعون، ہامان، قارون اور شداد ہوتے ہیں اور جو بلندی پانے کے بعد سجدے کرتے ہیں وہ محمدؐ مصطفیٰ اور علیؑ مرتضیٰ ہوتے ہیں۔

یہی وہ سلسلہ تھا جو نسل پیغمبرؐ میں آگے بڑھا۔ یہی وہ سلسلہ تھا جو نسل علیؑ میں آگے بڑھا۔ یہی وہ سلسلہ تھا جو آل محمدؐ میں قائم رہ گیا۔ بلندیاں ہیں تو سجدے ہیں اور سجدے ہیں تو بلندیاں ہیں۔

صدیقہ طاہرہؑ نے وقت آخر جناب اسماء سے کہا کہ میں حجرہ عبادت میں جا رہی ہوں جب تک میری آواز آتی رہے سمجھنا نبیؐ کی بیٹی زندہ ہے اور جب تسبیح و تہلیل و عبادت خدا کی آواز نہ آئے تو سمجھنا کہ نبیؐ کی بیٹی اب دنیا میں نہیں ہے۔ صدیقہؑ حجرہ عبادت میں گئیں ذکر خدا کی آوازیں آرہی ہیں۔ عبادت ہو رہی ہے۔

بندگی ہو رہی ہے کہ ایک مرتبہ آواز تھی اسماء نے دروازہ کھولا دیکھا نبیؐ کی بیٹی دنیا سے رخصت ہو گئی ہے۔

ذرا اس تسلسل کو یاد رکھیئے گا۔ رات بھر مصلے پر کھڑا ہونا پیغمبرؐ کا کام تھا۔ ایک رات میں ہزار رکعت نماز پڑھنا علیؑ کا کام تھا اور زندگی کی آخری سانس تک عبادت خدا کرنا یہ فاطمہؑ زہرا کا کارنامہ تھا۔

حسینؑ نبیؐ کے نواسے ہی کا نام تو ہے۔ حسینؑ علیؑ کے لخت جگر ہی کا نام تو ہے۔ حسینؑ فاطمہؑ کے نور نظر ہی کا نام تو ہے تو حسینؑ کی زندگی میں بھی سارے آثار ہونے چاہئیں چنانچہ امام حسینؑ نے آخری رات ایک رات کی مہلت لی تاکہ نانا کی سنت کو زندہ کیا جائے۔ باپ کی سیرت کو زندہ کیا جائے۔ ماں کے کردار کو زندہ کیا جائے۔ اسی لیے تاریخ میں تینوں باتیں جمع ہو گئیں رات نمازوں میں گذر رہی ہے اور مورخ کربلا کہتا ہے کہ خیام حسینی میں عاشور کی رات یہ عالم تھا کہ "لھم دوی کدوي النحل" جیسے شہد کی مکھی کے چھتے سے آوازیں آتی ہیں خیام حسینی سے رات بھی تسبیح، تہلیل، تکبیر، ذکر خدا، عبادت الٰہی کی آوازیں آتی رہیں۔ یہ تنہا حسینؑ کا کام نہیں تھا حسینؑ کے بچوں کا یہی عالم تھا سیدانیوں کا یہی عالم تھا اصحاب کا یہی عالم تھا۔

ایک لمحہ کیلئے ذرا ذہنوں پر زور دیکر سوچیں کہ صبح جنگ ہونے والی ہے صبح ایک معرکہ ہے۔ صبح ایک جہاد کا میدان ہے۔

دنیا میں جہاں صبح کو جنگ ہونے والی ہوتی ہے وہاں راتوں کو جنگ کی تیاریاں ہوتی ہیں۔ راتوں کو اسلحوں پر نگاہ رکھی جاتی ہے۔ رات کو تلواروں پر صیقل ہوتی ہے مگر اصحاب حسینؑ کے حالات دیکھئے۔ کتنے کام ایک وقت میں ہو رہے ہیں۔ تلواروں پر صیقل بھی ہو رہی ہے۔ ذکر خدا بھی ہو رہا ہے۔ جنگ کی

تیاری بھی ہو رہی ہے اور نماز بھی ہو رہی ہے۔ یہ کام تو اصحاب انجام دے رہے ہیں۔

اب حسینؑ کے کام سوچئے۔ کبھی مصلے پر۔ کبھی اصحاب کے درمیان۔ کبھی بیبیوں کے درمیان۔ کبھی مقتل میں۔ کبھی خیمہ میں۔ ایک انسان کتنی ذمہ داریاں ادا کر رہا ہے۔ مقتل میں جا کے قتل گاہ کا جائزہ لیں۔ خیمہ میں آکر بیبیوں کو تسلیاں دیں۔ مجمع اصحاب میں آکر ان کے کمال کا اعلان کریں۔ مجاہدوں کے درمیان جا کر ان کے جہاد کا جائزہ لیں۔ اتنے کام حسینؑ تن تنہا انجام دے رہے ہیں۔

مگر عزیزو! یاد رکھنا۔ میں ایک جملہ کہوں گا۔ مولا آپ امام ہیں، آپ مرد ہیں، آپ صاحب اعجاز ہیں اگر آپ اتنے کام یک وقت انجام دے رہے ہیں اگر آپ مجمع اصحاب میں جا رہے ہیں تو اصحاب سامنے موجود ہیں۔ اگر آپ بیبیوں کے درمیان آئے ہیں تو بیبیوں کو دیکھا ہے۔ بچوں کو دیکھا ہے۔ آباد گودیوں کو دیکھا ہے۔ آپ جن حالات میں دورہ فرما رہے ہیں یہ حالات عاشور کی رات کے ہیں۔ آپ جن حالات میں خیموں کو یا مقتل کو دیکھ رہے ہیں یہ شب عاشور کے حالات ہیں مگر مولا اب آپ ہی آکر بہن کا دل سنبھالیں جو کام آپ عاشور کی رات انجام دے رہے تھے وہ ساری ذمہ داری اب شام غریباں میں زینبؑ کے سر آگئی ہے۔ کبھی مقتل میں جا کے سکینہ کو دیکھیں۔ کبھی بیبیوں کے پاس آکے انھیں تسلی دیں۔ کبھی سیدانیوں کے پاس جا کے انھیں پرسہ دیں وہ سارے کام جو کل حسینؑ اور عباس ملکر انجام دے رہے تھے آج وہ کام اکیلی زینبؑ انجام دے رہی ہے۔

دو راتوں میں دنیا میں اتنا فرق کہیں نہیں دیکھا گیا جتنا فرق کربلا میں دیکھا گیا۔ ایک رات بیبیوں کے سامنے وارث ہیں بچے ہیں محافظ ہیں گھر والے ہیں دل کے ٹکڑے ہیں اور ایک رات کے بعد جب دوسری رات آئی کوئی والی

نہیں کوئی وارث نہیں کوئی گود کا پالا نہیں۔

جسکی نگاہ کے سامنے ایسے مناظر ہوں اس کے دل پر کیا گزرتی ہوگی ہم اور آپ تو محسوس بھی نہیں کر سکتے۔

میں سلسلہ کلام کو آخری مرحلہ تک لے جاتے ہوئے یہ گذارش کرنا چاہتا ہوں کہ پروردگار عالم نے اس بندگی کو، ان سجدوں کو، اس عبادت کو، ان نمازوں کو انسانی کامیابی کا راز قرار دیا ہے تو اس کے لیے روز اول ایک ایسے مخلص کو ذریعہ بنایا جس کے پاس صورت، رنگ، قوم، قبیلہ کا امتیاز ہو یا نہ ہو مگر اس کے پاس ایمان تھا اخلاص تھا اس کے بعد جب فرزند رسول الثقلین مدینہ سے چلے تو آپ نے بھی اپنے ایک موذن کا انتخاب کیا جسکا نام تھا حجاج بن مسروق جہاں مولا ٹھہرتے تھے پہلے حجاج کو حکم دیتے تم اذان کہو۔ میں اپنے ساتھیوں کو نماز پڑھاؤں گا۔ مسلسل یہ سلسلہ مدینہ سے چلنے کے بعد راستے میں، مکہ میں، قیام کے دوران رہا کہ حجاج بن مسروق کی اذان اور مولا کی امامت اور اصحاب کی جماعت یہ سلسلہ ۲۸/ رجب سے ۹/ محرم تک چلتا رہا۔ لیکن اس کے بعد اب تاریخ اذان میں ایک نئی شخصیت ابھر کے سامنے آئی۔ آج کی رات کائنات کا نقشہ بدل گیا۔ آج کی رات اسلام کو ایک ایسا موذن نصیب ہوا کہ کائنات میں پھر اسلام کو ایسا موذن پاتے ہوئے نہ دیکھا۔ کتنا فرق ہو گیا نبی کا جو موذن تھا اسکی شکل پر لوگوں کو اعتراض تھا اس کے لہجہ پر لوگوں کو اعتراض تھا حسینؑ کے موذن حجاج کا لہجہ صحیح تھا مگر اسکی شکل پیغمبر کی شکل نہیں تھی۔ اسکا لہجہ پیغمبرؐ کا لہجہ نہیں تھا۔ مگر عاشور کی رات حسینؑ نے جسکو موذن بنایا پھر کائنات میں ایسا موذن کوئی نہ پیدا ہوا وہ موذن جس کے بارے میں خود حسینؑ کہہ رہے تھے جب کڑیل جوان کو میدان میں بھیجا تو کہا خدایا تو گواہ رہنا۔ وہ جا رہا ہے جو صورت میں، سیرت میں، رفتار

میں، گفتار میں میرے نانا کی شبیہ تھا۔ اے پروردگار جب میں پیغمبرؐ کو دیکھنا چاہتا تھا تو اپنے علی اکبر کو دیکھ لیا کرتا تھا مگر اب یہ تصویر پیغمبرؐ خاک میں ملنے جارہی ہے۔

رونے والو! تفصیلات کا موقع نہیں ہے۔ ایک جملہ سنو علی اکبر کا شباب، علی اکبر کا حسن، علی اکبر کا لہجہ جس کے لیے خود حسینؑ نے کہا کہ صورت میں، سیرت میں، رفتار میں، گفتار میں پیغمبرؐ کی شبیہ ہے آپ سوچیں کہ ایسا بیٹا حسینؑ کو کتنا عزیز ہوگا۔ ایسا بیٹا لیلیٰ کو کتنا عزیز ہوگا۔ ایسا بیٹا اس پالنے والی کو کتنا عزیز ہوگا جس نے اٹھارہ سال تک اپنے اس بھتیجہ کی پرورش کی ہے۔ اس غم کا اندازہ فقط ایک ہی جملہ سے ہو سکتا ہے جو بعض روایتوں میں پایا جاتا ہے کہ جب کوفہ کے بازار سے لٹا ہوا قافلہ گزر رہا تھا تو آگے آگے نوک نیزہ پر شہیدوں کے سر اور پیچھے پیچھے سیدانیاں، بیبیاں، سر برہنہ تماشائیوں کا مجمع بازوؤں میں رسیاں۔ آپ جانتے ہیں اور یہ ساری دنیا کا طریقہ ہے کہ جب کوئی نیا منظر کسی علاقہ میں سامنے آتا ہے تو چاہے مردوں میں دیکھنے کا شوق نہ پیدا ہو مگر عورتوں میں ایسے مناظر دیکھنے کا اشتیاق ضرور ہوتا ہے۔ چنانچہ جب معلوم ہوا کہ کوئی قافلہ آرہا ہے تو کوفہ کی عورتیں اپنے اپنے پشت بام پر جاکر بیٹھ گئیں اور یہ منظر دیکھا کہ اب جو قافلہ آرہا ہے اسمیں آگے آگے کچھ نیزہ بردار ہیں ہاتھوں میں نیزے، نیزوں پر کٹے ہوئے سر۔

عزیزو! میرے پاس الفاظ نہیں ہیں دنیا میں عورتوں کا طریقہ ہوتا ہے کہ جب کوئی نیا منظر سامنے آتا ہے تو دیکھنے کا شوق بھی ہوتا ہے اور منظر پر مسلسل تبصرہ بھی ہوتا رہتا ہے۔ آگے آگے ایک سر دیکھا ارے اسے خارجی کہا گیا ہے، اسے

باغی کہا گیا ہے، پیشانی پر سجدے کا نشان ہے۔ ایسا حسن و جمال کہ خون میں ڈوب جانے کے بعد بھی چھوا اتنا روشن ہے۔ اسے باغی کیوں کہا گیا ہے۔ اسے خارجی کیوں کہا گیا ہے۔ ایک ایک سر سامنے سے گذر رہا ہے۔ عورتیں اپنے اپنے خیال کے مطابق تبصرہ کر رہی ہیں کہ ایک مرتبہ ایک سر پر عورتوں کی نگاہ پڑی۔ ہائے کسی کو اسکی جوانی پر رحم نہ آیا۔ کسی کو اس کے جمال پر رحم نہ آیا۔ کسی کو اس کے شباب پر رحم نہ آیا۔ اور ایک عورت کی زبان پر یہ جملہ آگیا کہ اے کاش جب یہ جوان مارا گیا ہو تو اسکی ماں زندہ نہ رہی ہو جب یہ جوان مارا گیا ہو تو اسکی پالنے والی زندہ نہ رہی ہو ورنہ وہ کیسے اس غم کو برداشت کرے گی۔ اب سوچو عزیزو، آگے آگے نیزوں پر سر ہیں اور پیچھے پیچھے بیبیاں آ رہی ہیں جب یہ فقرہ پالنے والی نے سنا ہو گا تو اس پالنے والی کا کیا عالم ہو گا۔ ہائے وہ دکھیا میں ہی ہوں جسنے اس لال کو پالا ہے اور میرے ہی سامنے آگے آگے نیزہ پر یہ سر جا رہا ہے۔ اے بیبیو، ذرا میرے دل سے پوچھو کہ مجھ پر کیا گذر رہی ہے مگر میں کیا کروں یہ میری گود کا پالا ہے وہ میرا بھائی ہے وہ میرا وفادار ہے میں کیسے کیسے روؤں۔

اب آپ کو اندازہ ہوا۔ علی اکبر کی شکل، علی اکبر کا انداز وہ ہے جسے دنیا کی عورتیں دیکھ کر برداشت نہ کر سکیں تو وہ ماں وہ پھوپھی کیسے اس مصیبت کو برداشت کرے۔

جب علی اکبر کا لہجہ رسولؐ اللہ کا لہجہ ہے تو جب فضا میں علی اکبر کی آواز گونج رہی ہوگی۔ جب حسینؑ نے شب عاشور علی اکبر کو آگے بڑھایا ہو گا کہ حجاج اب تم نہیں آج کی اذان میرا کڑیل جوان دے گا۔ آج کی اذان میرے علی اکبر کے حوالے۔ اور علی اکبر نے اذان شروع کی ہوگی تو سیدانیوں کے کانوں میں علی اکبر کی آواز نہیں آ رہی ہے رسولؐ اللہ کی آواز آ رہی ہے۔

مجلس ۱۲

انسانی فلاح، کامیابی اور نجات کا دارومدار پیغمبرؐ اُمی کے اتباع پر ہے۔ نجات ان کا حصہ ہے جن کا ایمان پیغمبرؐ پر ہے نجات ان کا حصہ ہے جو پیغمبرؐ کا احترام کرنے والے، پیغمبرؐ کی مدد کرنے والے اور اس نور کا اتباع کرنے والے ہیں جو نبی کے ساتھ نازل کیا گیا ہے۔

اتباع کامل کے معنی یہ ہیں کہ جس طریقۂ زندگی کو سرکارؐ نے اختیار کیا ہے اسی کو اختیار کیا جائے اور جس طریقۂ زندگی کو سرکارؐ نے ناپسند قرار دیا ہے اس سے اجتناب کیا جائے اس سے پرہیز کیا جائے۔ اگر حضورؐ کو مصلائے عبادت پر دیکھا گیا ہے تو سجدہ پروردگار کیا جائے۔ اگر حضورؐ کو ماہ رمضان میں روزے رکھتے دیکھا گیا ہے تو ماہ رمضان میں روزے رکھے جائیں۔ اگر حضورؐ کو حج بیت اللہ کرتے دیکھا گیا ہے تو مسلمان حج بیت اللہ کرے۔ اگر حضورؐ کو تلاوت قرآن کرتے دیکھا گیا ہے تو مسلمان تلاوت قرآن کرے۔ اگر حضورؐ کو راہ خدا میں مال لٹاتے دیکھا گیا ہے تو مسلمان ایثار اور قربانی سے کام لے۔ اگر حضورؐ نے کبھی کسی کے مال کو ہاتھ نہیں لگایا ہے تو مسلمان غصب سے پرہیز کرے۔ اگر حضورؐ نے کسی کو بے جا مارنے کی زحمت نہیں فرمائی ہے تو مسلمان کسی پر ہاتھ نہ اٹھائے۔ حضورؐ نے اگر کسی نامحرم کیطرف نظر اٹھا کے نہیں دیکھا ہے تو

مسلمان اپنی نگاہوں کو بچائے رکھے۔ حضورؐ نے اگر کسی کی غیبت نہیں کی ہے تو مسلمان غیبت نہ کرے۔ حضورؐ نے اگر غلط بیانی سے کام نہیں لیا ہے تو مسلمان کی زبان غلط بیانی سے آشنا نہ ہونے پائے۔

حضورؐ نے جو عمل کیا ہے وہ مسلمان کیلئے سند ہے اور حضورؐ نے جن کاموں کو چھوڑ دیا ہے ان کا چھوڑ دینا مسلمان کا فریضہ ہے۔

یہ اعمال کی دنیا ہے۔ یہ واجبات اور محرمات کی دنیا ہے۔ اس کے بعد جب انسانی دنیا میں قدم رکھنا ہو تو جس سے حضورؐ نے محبت کی ہے اس سے محبت کرنا مسلمان کا فریضہ ہے اور جس سے حضورؐ بیزار رہے ہیں اس سے الگ رہنا مسلمان کی ذمہ داری ہے۔ جس کے لیے حضورؐ اٹھے اسکا احترام کرنا مسلمان کا فرض ہے اور جسکو حضورؐ نے اٹھا دیا ہے اس سے الگ رہنا مسلمان کی ذمہ داری ہے، اگر ہم نے اتباع کامل کے معنی پہچان لیے ہیں تو آج فقط اتنا دیکھنا ہے کہ عاشورۂ محرم کو حضورؐ کا طریقہ کار کیا تھا۔ آج یہ تحقیق کرنا ضروری ہے کہ عاشورہ محرم کے دن سرکار کی زندگی کا اصول اور حضورؐ کی زندگی کا طریقہ کیا تھا تاکہ وہ مسلمان جو نجات چاہتا ہے۔ وہ مسلمان جو کامیابی چاہتا ہے۔ وہ مسلمان جو سرکار کا اتباع کرنا چاہتا ہے وہ اسی طریقۂ کار کو اختیار کرے جو طریقہ حضورؐ نے اختیار کیا تھا۔

بچہ بچہ جانتا ہے کہ سرکار دوعالم اس دنیا سے ۱۱ ہجری میں تشریف لے گئے اور کربلا کا واقعہ ۶۱ ہجری میں پیش آیا ہے حضورؐ کے ٹھیک پچاس سال کے بعد واقعۂ کربلا، عاشور محرم کا واقعہ پیش آیا ہے۔ ہم یہ کیسے دیکھیں کہ حضورؐ کا طریقہ عاشور کے دن کیا تھا۔ اسلئے کہ حضورؐ کے زمانے میں نہ کوئی عاشور تھا نہ کوئی محرم کا واقعہ تھا۔ نہ کوئی کربلا تھی نہ کوئی قربانی تھی۔ کیسے حضورؐ کے کردار کو پہچانیں۔ مگر وہ پیغمبرؐ جو اپنی زندگی کو قیامت تک کیلئے سند بنانا چاہتا تھا وہ پیغمبرؐ جو اپنے

اسوۂ حسنہ کو قیامت تک آنے والے مسلمانوں کیلئے نمونۂ عمل بنانا چاہتا تھا اس پیغمبرؐ نے اپنی حیات سے انتظام شروع کیا اور عاشور محرم تک برابر واضح کیا کہ میرا طریقۂ کار کیا ہے اور میری زندگی کا اصول کیا ہے۔

جناب اُم سلمہ کے گھر میں سرکار دو عالمؐ تشریف فرما ہیں ایک مرتبہ دیکھا کہ چھوٹا شہزادہ گھر میں آگیا۔ پیغمبرؐ نے بچہ کو گلے سے لگالیا۔ اُم سلمہ نے دیکھا کہ حضورؐ اپنے لال سے بڑی محبت فرمارہے ہیں اور بیشک یہ بچہ اس قابل ہے کہ اس سے محبت کی جائے۔ مگر محبت کرتے کرتے اور پیشانی پر بوسہ دیتے دیتے گلے کو بوسہ دیتے دیتے ایک مرتبہ پیغمبرؐ نے رونا شروع کردیا۔ جناب اُم سلمہ نے گھبرا کے پوچھا۔ خدا کے حبیبؐ ابھی تو آپ مسکرا رہے تھے ابھی تو آپ بچہ کو بوسہ دے رہے تھے۔ یہ یکبارگی رونے کا کیا سبب ہے؟ کہا اُم سلمہ ابھی جبرئیل نے آکر خبر دی ہے کہ یہ میرا لال کربلا میں مارا جائے گا۔ یہ میرا لال کربلا میں بھوکا پیاسا ذبح کردیا جائے گا۔

حضورؐ یہ کربلا کہاں ہے۔ یہ واقعہ کب ہونے والا ہے؟

کہا اُم سلمہ، کربلا عراق میں ایک سرزمین ہے جہاں میرا لال ذبح کردیا جائے گا۔ تین دن کا بھوکا پیاسا۔

اے حضورؐ وہ زمین کہاں ہے؟

کہا اُم سلمہ ٹھہرو میں تمھیں وہ زمین دکھلائے دیتا ہوں۔ یہ کہہ کر حضورؐ نے اشارہ کیا زمینیں پست ہونے لگیں زمین کربلا بلند ہونے لگی۔ ایک مرتبہ حضورؐ نے اشارہ کیا اُم سلمہ یہ جگہ ہے جہاں میرا حسینؑ ایک دن ذبح کیا جائے گا۔ یہ کہہ کر حضورؐ نے ہاتھ بڑھایا اور ایک مٹھی خاک اٹھا کر جناب اُم سلمہ کے حوالے کردی۔ فرمایا آپ اسکو اپنے پاس رکھیں جب تک یہ خاک خاک رہے سمجھنا میرا

حسینؑ سلامت ہے اور جب یہ خاک خون میں تبدیل ہو جائے تو سمجھ لینا کہ وہ دن آگیا ہے جب میرا حسینؑ راہ خدا میں قربان ہو گیا۔

زمانہ گذر گیا۔ پچاس سال کے بعد جب ۲۸ رجب ۶۰ ہجری میں امام حسینؑ مدینہ چھوڑ کر چلنے لگے تو پھر آئے اپنی نانی سے رخصت ہونے کیلئے۔ پوچھا بیٹا کہاں جا رہے ہو۔ فرمایا نانی میں عراق جا رہا ہوں۔ کہا عراق میں کہاں کا ارادہ ہے۔ کہا میں کربلا جا رہا ہوں۔ کہا بیٹا مجھ سے تمھارے نانا نے کربلا کے بارے میں بہت سی باتیں بیان کی ہیں۔ کربلا کا نام سن کر مجھے ہول آ رہا ہے۔ کہا نانی آپ کو تو معلوم ہے کہ میں کربلا جا رہا ہوں۔ میں گلا کٹانے جا رہا ہوں۔ ابھی نانا کی قبر پر گیا تھا تو فرمایا کہ بیٹا کربلا جاؤ۔ میرے حسین کربلا جاؤ۔

فرمایا بیٹا تم تو چلے جاؤ گے مجھے کیسے معلوم ہوگا کہ تم پر کیا گذر گئی۔ فرمایا ایک لحہ صبر کریں یہ کہہ کر پھر دوبارہ حسینؑ نے اشارہ کیا۔ زمینیں پست ہوئیں زمین کربلا بلند ہوئی۔ ہاتھ بڑھا کر ایک مٹھی خاک اٹھائی کہا نانی اماں جہاں نانا کی دی ہوئی مٹی کو رکھا ہے اسی شیشے میں اس خاک کو بھی رکھ لیجئے جب تک یہ خاک خاک رہے۔ سمجھئے گا کہ آپ کا حسینؑ سلامت ہے اور جب یہ خاک خون میں تبدیل ہو جائے تو سمجھئے گا کہ آپ کا حسین اس دنیا میں نہیں رہ گیا ہے۔

وقت گذرتا رہا جب کبھی ام سلمہ کو حسینؑ کی یاد نے تڑپایا۔ جب کبھی نانی کو نواسے کی یاد نے بے قرار کیا۔ دوڑ کے آئیں شیشہ کو دیکھا مٹی کو دیکھا۔ دل مطمئن ہو گیا۔ خدایا تیرا شکر کہ میرا حسینؑ سلامت ہے۔ پروردگار تیرا شکر کہ میرا حسینؑ زندہ و سلامت ہے۔ وقت گذرتا رہا۔

اب جو عاشور محرم کا دن آیا۔ دوپہر کا وقت تھا۔ ام سلمہ بستر پر لیٹی تھیں کہ ایک مرتبہ آنکھ لگ گئی۔ خواب میں دیکھا کہ پیغمبرؐ سامنے کھڑے ہوئے ہیں۔ سر

کے بال بکھرے ہوئے۔ گریبان پھٹا ہوا۔ آستینیں اُلٹی ہوئی۔ سر پر خاک پڑی ہوئی۔

اے خدا کے حبیبؐ یہ آپ کا کیا عالم ہے۔ کہا اُم سلمہ تم سو رہی ہو۔ میں لٹ گیا۔ اُم سلمہ میرا گھر اُجڑ گیا بس یہ سننا تھا کہ گھبرا کے اٹھیں اور دوڑ کر گئیں اب جو دیکھا تو کیا دیکھا کہ شیشہ میں خون تازہ جوش مار رہا ہے۔

یہ تھا غم حسینؑ میں پیغمبرؐ کا طریقہ کار۔ یہ کسی قوم کی ایجاد نہیں ہے۔ اور شاہد اُم سلمہ ہیں جو اُم المومنین ہیں۔ یہ منظر دیکھنے کے بعد اُم سلمہ نے رونا شروع کیا۔ واحسیناہ۔ اب جو مدینہ کی عورتوں نے جناب اُم سلمہ کے رونے کی آواز سنی دوڑ کے آئیں بی بی یہ آپ کیا کہہ رہی ہیں۔ ہمارا حسینؑ سلامت رہے۔ ہمارا حسین سفر میں گیا ہے جب کوئی مسافر سفر میں جاتا ہے تو اسطرح نہیں رویا کرتے۔ فرمایا مجھے نہ سمجھاؤ۔ اب میرا حسینؑ کہاں ہے۔ کہا بی بی یہ کیا فرمارہی ہیں؟ کہا ابھی پیغمبرؐ نے خواب میں آکے بتایا ہے کہ کربلا میں میرا ینن مارا گیا۔ یہ دیکھو شیشہ میں خون تازہ ہے۔

یہ کہہ کر اُم سلمہ چلیں۔ قبر پیغمبرؐ کے قریب آئیں۔ آکے آواز دی خدا کے رسول میں آپ کو آپ کے لال کا پرسہ دینے آئی ہوں۔ راوی کہتا ہے کہ میں نے دیکھا کہ "کان القبر یموج بصاحبہ" قبر پیغمبرؐ میں زلزلہ آگیا اُم سلمہ مجھے کیا بتا رہی ہو۔ میں دیکھ رہا تھا جب میرے حسینؑ کے گلے پر خنجر چل رہا تھا۔

ہاں ایک تصور جو مجھے آج دوپہر سے بے قرار کئے ہوئے ہے یہاں سینہ زنی کے تمام ہو جانے کے بعد جب میں پلٹ کے گیا تو ایک مرد مومن کے گھر میں تھوڑی دیر کیلئے بیٹھ گیا۔ یکبارگی یہ خیال پیدا ہوا کہ میں نے ذکر شہادت کیا۔ مومنین نے سنا۔ سب روئے۔ مثاب ہوئے۔ ذکر شہادت کے بعد سب پلٹ

پلٹ کے اپنے گھر چلے گئے۔ جو پیاسے تھے انھوں نے پانی پی لیا۔ جو بھوکے تھے انھوں نے کھانا کھا لیا۔ جو گرمی میں بیٹھے تھے وہ ایر کنڈیشن میں آکے بیٹھ گئے یہ تو ذکر شہادت کے بعد کا حال ہے مگر شہادت حسینؑ کے بعد بیبیوں کا حال کیا تھا۔ سیدانیوں کا حال کیا تھا یتیموں کا حال کیا تھا بس اسی حال کو تین لفظوں میں سنو۔ ایک واقعہ خیمہ جلنے سے پہلے ایک واقعہ خیمہ جلنے کے ساتھ اور۔

ایک واقعہ خیمہ جلنے کے بعد۔

بس سنو بیبیوں کا سیدانیوں کا اور بچوں کا کیا حال تھا۔

ابھی بچوں تک یہ خبر بھی نہ پہونچی تھی اور چند لمحے گذرے تھے کہ بچی کے کان میں بابا کے گھوڑے کی آواز آئی۔ ہائے کتنا فرق ہے ان بے دین انسانوں میں اور ان جانوروں میں۔ وہ بے دین انسان تھے جو نبیؐ کے لال کو ذبح کر رہے تھے اور یہ جانور تھا ذوالجناح جو حسینؑ کی سنانی لیکر آیا تھا۔

روایت کہتی ہے کہ شہادت حسینؑ کے بعد جب ذوالجناح نے دیکھا کہ میرا سوار، میرا آقا شہید ہو گیا ہے تو اس نے دو کام کئے۔ لاش حسینؑ کے قریب آیا۔ پہلے اپنے دانتوں سے پکڑ کر تیر نکالنا شروع کئے۔ اس کے بعد اپنی پیشانی کو خون مظلوم سے رنگین کیا اور خیمہ گاہ کا رُخ کیا کہ چل کے سیدانیوں کو بتا دوں اب تمہارا وارث نہیں رہ گیا ہے۔ آگے بڑھتا جا رہا ہے جو ظالم سامنے آیا۔ اپنی ٹاپوں سے پامال کرتا جا رہا ہے۔ لوگوں نے کہا کہ اسے روکا جائے۔ مگر ذوالجناح رکنے کیلئے تیار نہیں ہے۔ ایک مرتبہ کسی نے کہا کہ تیرانداز کدھر چلے گئے کمانداروں کو بلاؤ۔ تیروں کی بوچھار کریں، یہ ذوالجناح خیمہ تک نہ جانے پائے۔ ابن سعد کے کانوں میں آواز آئی کہا خبردار تیر نہ مارنا یہ رسولؐ اللہ کی سواری کا گھوڑا ہے۔ ہائے کاش کوئی غیرت دار ہوتا اور یہ کہتا کہ او پسر سعد یہ رسول اللہ کی

سواری کا گھوڑا ہے اور حسینؑ دوش پیغمبرؐ کا سوار ہے۔ کماندار پیچھے ہٹے ذوالجناح آگے بڑھا جب در خیمہ کے قریب پہونچا بچی کے کان میں آواز آئی کہا پھوپھی اماں ایسا لگتا ہے کہ میرا بابا آگیا ہے۔ کہا بیٹی! کیسے پہچانا؟ کہا آپ ذوالجناح کی آواز نہیں سن رہی ہیں۔ اے پھوپھی اماں اجازت دیجئے کہ میں در خیمہ پر جا کر اپنے بابا کا استقبال کروں جہاں میں نے بابا کو رخصت کیا تھا اسی جگہ جا کر بابا کا استقبال کروں۔ یہ کہہ کر بچی چلی۔ در خیمہ پر آئی اب جو در خیمہ تک آکر پردہ اٹھایا تو کیا دیکھا کہ ذوالجناح آیا مگر حسینؑ نہیں آئے۔ آگے بڑھیں۔ آکے سموں سے لپٹ گئیں۔ اے ذوالجناح "من الذی ایتمنی علی صغر سنی" ارے مجھے اس کمسنی میں کس نے یتیم کر دیا۔ اے ذوالجناح اپنے سوار کو کہاں چھوڑ کے آیا۔ جب کوئی جواب نہ ملا تو عجب فقرہ کہا۔ ذوالجناح کم سے کم ایک بات تو بتا دے "ھل سقی ابی ام قتل عطشانا" ارے بابا کو پانی ملا یا پیاسے ہی مارے گئے۔ ذوالجناح نے اپنا سر در خیمہ پر پٹکنا شروع کیا۔ سکینہ تمھارے بابا کو زیر خنجر بھی پانی نہیں ملا۔

لو عزیزو! ابھی چند لمحے گزرے تھے کہ ایک مرتبہ پھر فضائے کربلا میں ایک آواز گونجی۔ چلو چلو خیموں میں آگ لگا دو۔ خانوادہ حسینؑ کی ایک کمسن بچی جسکا نام فاطمہ تھا۔ روایتوں میں ہے کہ در خیمہ پر کھڑی ہوئی مولا کا انتظار کر رہی تھی ایک مرتبہ دیکھا کہ ظالم مشعلیں لئے چلے آرہے ہیں۔ ہائے ظالموں کا کیا ارادہ ہے۔ چند لمحے نہ گزرے تھے کہ دیکھا خیموں سے دھواں اٹھنے لگا۔ اب بچی کدھر جائے۔ دیکھا ایک ظالم نیزہ لئے ہوئے آرہا ہے۔ بچی آگے بڑھی۔ ظالم پیچھے چلا۔ ہائے بچی تیز نہ دوڑ سکی۔ ظالم نے پشت میں نیزہ چبھو دیا بچی غش کھا کے خاک پر گر پڑی۔ اب جو خیمے جلنے لگے تو سیدانیوں نے خیمہ سے باہر نکلنے کا ارادہ کیا۔ شہزادی زینبؑ

آئیں اے بیٹی جلدی باہر چلو۔ خیمے جل رہے ہیں۔ بیٹی جلدی اٹھو خیموں میں آگ لگی ہوئی ہے۔ اب جو بچی نے آنکھ کھولی تو کہا پھوپھی اماں کیسے جاؤں سر پر چادر نہیں ہے۔ پھوپھی اماں اگر باہر نکلنا ہے تو پہلے کوئی چادر تو دیجئے۔ فرمایا بیٹی آنکھیں کھول کے پھوپھی کا سر دیکھو۔ بس عزیزو! خیمہ بھی جل گئے اور تیسرا مرحلہ آگیا۔ اب وہ آخری منزل سامنے آگئی کہ خیمہ جل گئے سیدانیاں خاک پر بیٹھی ہیں۔ ایک مرتبہ فضہ دوڑ کے آئیں۔ شہزادی زینبؑ کے پاس۔ کہا بی بی ایک بڑی قیامت کی خبر سنی ہے۔ فرمایا فضہ بتاؤ کیا سن کے آئی ہو کیا خبر لائی ہو۔

کہا بی بی ذرا دل سنبھالئے تو بتاؤں۔ فرمایا فضہ بیان کرو۔ مجھے کوئی فکر نہیں ہے اب میرے واسطے کوئی مصیبت مصیبت نہیں ہے عون و محمد مارے گئے۔ اکبر برچھی کھا چکے۔ عباس شانے کٹا چکے علی اصغر کام آچکے۔ میرا بھیا بھی مارا گیا۔ اب اس کے بعد زینب کیلئے کوئی مصیبت مصیبت نہیں ہے۔ اب تو خیمے بھی جل گئے اب مجھے کسی مصیبت کی کوئی پرواہ نہیں ہے کہا نہیں بی بی! دل سنبھالئے تو میں بتاؤں کہ میں نے کیا سنا ہے۔ اب زینب کا دل تڑپتا جا رہا ہے فضہ کیا کہنا چاہتی ہو۔ ارے جلدی بیان کرو فضہ کیا سنا۔

کہا بی بی! ابھی میں میدان کے قریب گئی تو میرے کانوں میں آواز آئی کہ ابن سعد کہہ رہا ہے کہ گھوڑوں کی نعل بندی کی جائے۔ ایسا لگتا ہے کہ میرے شہزادے کا لاشہ پامال کیا جائیگا۔

زینب بے قرار ہوکے آگے بڑھیں اب جو آگے بڑھیں تو کیا دیکھا کہ ادھر کے سوار ادھر اور ادھر کے سوار ادھر۔ ارے زہراؑ کا لال۔ اماں آؤ اپنے لال کو دیکھو تم نے کن نازوں سے پالا تھا۔ ہائے شام غریباں آئی لاشے پامال ہو چکے۔ خیمے جل چکے سیدانیوں کا کوئی سہارا نہ رہ گیا۔

اِنّا للہ ....

سیعلم الذین ظلموا ای منقلب ینقلبون

قرض

(۱) اے بیٹے تمہاری تونگری کے عالم میں جو قرض مانگے اسے غنیمت جانو تاکہ وہ اس قرض کی ادائیگی کو تمہاری تنگ دستی کے زمانے کے لئے اٹھا رکھے۔

(۲) نیکوکار و پاک دامن کا بدترین قلادہ قرض کا قلادہ ہے۔

(۳) جو بقا چاہتا ہے...... اور بقا تو ہے ہی نہیں...... اسے چاہیئے کہ صبح سویرے بیدار ہو، عورتوں سے کم میل ملاپ رکھے اور چادر ہلکی کرے۔ آپ سے پوچھا گیا "اے امیرالمومنین یہ چادر کیا ہے؟" تو آپ نے فرمایا "قرض۔"

(۴) ذلت قرض کے ہمراہ ہے۔

(۵) قرض زمین پر اللہ کی زنجیر ہے جب وہ کسی کو ذلیل کرنا چاہتا ہے تو اسے اس کی گردن میں ڈال دیتا ہے۔

(۶) قرض غلامی ہے پس تم اپنی غلامی کسی ایسے کے ہاتھوں نہ سونپو جو تمہارا حق ناآشنا ہو۔

(۷) قرض سے بچو کیونکہ یہ دن میں ذلت اور رات میں غم واندوہ ہے اور اس کی ادائیگی دنیا و آخرت دونوں جگہ ہے۔

(۸) قرض غلامی ہے اور ادائیگی آزادی ہے۔

(۹) قرض دو غلامیوں میں سے ایک غلامی ہے۔

(۱۰) حد درجہ قرض سچے کو جھوٹا، وعدہ نبھانے والے کو وعدہ خلاف بنا دیتا ہے۔

قسم

(۱) امام علیہ السلام فرمایا کرتے تھے "جب تم ظالم کو قسم دلانا چاہو تو اس طرح اسے قسم دلاؤ" میں خدا کے حول و قوت سے بری ہوں کیونکہ اگر وہ اس طرح جھوٹی قسم کھارہا ہوگا تو اسے جلدی ہی عذاب کا مزہ مل جائے گا اور اگر وہ اس طرح قسم کھائے کہ خدا کے علاوہ کوئی معبود نہیں تو پھر اس پر جلدی عذاب نازل نہیں ہوگا کیونکہ اس نے وحدانیت خدا کا اقرار کرلیا۔

(۲) قسم مال و جنس کو برباد اور برکت کو ختم کردیتی ہے۔

(۳) امام نے ایک شخص کو یہ کہہ کر قسم کھاتے سنا "اس خدا کی قسم ہے جو سات حجاب کے پیچھے ہے" تو آپ نے فرمایا۔ "تیرا برا ہو خدا کو کوئی شئے چھپا نہیں سکتی۔" اس نے کہا "اس قسم کھانے کی وجہ سے کیا میں کفارہ دوں؟" تو آپ نے فرمایا "نہیں! اس لئے کہ تو نے "اللہ" کی قسم نہیں کھائی ہے۔"

(۴) سب سے جلد آنے والی عقوبت، ظلم و ستم، غداری و جھوٹی قسم کی سزا ہے۔

(۵) قسم کو خدا کے احترام اور لوگوں کی اچھائی کے لئے ترک کردو۔

(۶) اپنے قسموں کو سچائی میں ملادو۔

(۷) خدا کے عذاب سے کیسے محفوظ رہ سکتا ہے جو شخص جھوٹی قسمیں کھانے میں جلدی کرے۔

(۸) احمق کی ہر بات کے ساتھ قسم ہوتی ہے۔

قضا و قدر

(۱) آپ سے قضا و قدر کے بارے میں سوال کیا گیا تو آپ نے فرمایا" یہ ایک اندھیرا راستہ ہے اس پر نہ چلو اور گہرا سمندر ہے اس میں نہ داخل ہو اور یہ اللہ کا راز ہے اسے اپنے اوپر لازم نہ کرو۔"

(۲) اشعث بن قیس کو بیٹے کی موت پر تعزیت پیش کرتے وقت فرمایا" اگر تم صبر کرو گے تب بھی قضا و قدر الہیٰ جاری ہو گی مگر تمھیں صبر کا اجر ملے گا لیکن اگر تم نے بے تابی کا اظہار کیا تب بھی قضا و قدر الہیٰ (تو) جاری ہو گی مگر تم گناہ گار ہو جاؤ گے۔

(۳) جب قضا و قدر پہنچ جاتی ہے تو خوف و احتراز بے کار ہو جاتا ہے۔

(۴) ہر آدمی کے ساتھ ایک فرشتہ ہوتا ہے جو اسے (خطرات سے) بچاتا ہے مگر جب اس کی قضا آجاتی ہے تب وہ اسے اور اس کی قضا کو تنہا چھوڑ کر چلا جاتا ہے۔

(۵) قضا و قدر خوف و احتراز پر غالب آجاتی ہے۔

(۶) قضا و قدر دو راستوں میں ایک راستہ ہے نہ جبر ہے اور نہ ہی تفویض۔

(۷) قضا و قدر اللہ کے رازوں میں سے ایک راز ہے جو اللہ ہی کے حجلب میں مرفوع ہے اللہ کی مخلوقات چھپا ہوا اور علم میں پہلے ہی سے ہے اللہ نے بندوں کو اس کے علم سے کمتر رکھا ہے اور اسے ان کے مشاہدہ اور عقل رسائی سے بالاتر قرار دیا ہے۔

(۸) کتنے ایسے لوگ ہیں جو اپنے آپ کو تھکا ڈالتے ہیں مگر پھر بھی تنگ دست

غبن، نقصان

(۱) حقیقی گھاٹے میں وہ ہے جس نے اپنے نفس کو نقصان پہنچایا۔

(۲) اچھے اور نیک کاموں میں کوتاہی کرنا جبکہ ان پر ثواب کے حصول کا تمھیں اطمینان ہو، خود فریبی اور ضرر ہے۔

(۳) واقعی مغبون وہ ہے جسے خدائے عزوجل کی طرف سے اس کے نصیب میں ضرر پہنچے۔

(۴) مغبون وہ ہے جس کا دین فاسد ہو جائے۔

(۵) مغبون وہ ہے جو جنت کے بلند مقام کو نہایت پست گناہ کے بدلے فروخت کر دے۔

(۶) مغبون وہ ہے جو دنیا میں اس طرح مشغول ہو جائے کہ آخرت کا حصہ اس کے ہاتھ سے نکل جائے۔

(۷) مغبون وہ ہے جو اپنی عمر میں ضرر اور نقصان دیکھے اور مغبوط یعنی قابل رشک وہ ہے جس نے اپنی ساری عمر خدا کی اطاعت میں گزار دی۔

(۸) جو شخص خود سے راضی ہوگا وہ گھاٹے میں ہے اور جو اپنے نفس پر مکمل اطمینان رکھتا ہو وہ مغرور ہے اور آزمائش میں ہے۔

(۹) کافر حیلہ گر کمینہ اور خائن ہے وہ اپنے نفس سے فریب خوردہ اور مغبون ہوتا ہے۔

(۱۱) اگر تم نے برا کام کیا تو یقیناً اپنے نفس کی توہین کی اور اپنی ذات کو نقصان پہنچایا۔

رہتے ہیں اور کتنے ایسے افراد ہیں جنھوں نے طلب میں میانہ روی سے کام لیا مگر تقدیر نے ان کی مدد کی۔

(۹) اللہ کی قضا و قدر، تدبیر و تقدیر کے خلاف چلتی ہے۔

(۱۰) امور تقدیر (قضا و قدر) کے ذریعہ انجام پذیر ہوتے ہیں نہ کہ تقدیر کے ذریعہ۔

(۱۱) عاقل وہی ہے جو قضا و قدر کے سامنے سر تسلیم خم کر دے اور دور اندیشی سے عمل انجام دے۔

(۱۲) جب قضا و قدر الٰہی کو ٹالا نہیں جا سکتا ہے تو حفاظت بے کار ہے۔

(۱۳) چونکہ اللہ نے بندوں کی قسمتیں لکھ دی ہیں لہذا اس دنیا کا پلہ برابر اور اسی سے دنیا، اہل دنیا کے لئے تمام ہوئی۔

(۱۴) آدمی کا ایمان جتنا زیادہ ہوتا جاتا ہے اس کا قضا و قدر پر ایمان بڑھتا جاتا ہے اور عبرتیں اس کے لئے آسان ہوتی جاتی ہیں۔

(۱۵) جو قضا قدر پر یقین رکھتا ہوگا وہ مصیبت پر بہت زیادہ آہ و زاری نہیں کرے گا۔

(۱۶) جو تقدیر کی باتوں سے غضب ناک ہوتا ہے وہ پریشانی میں مبتلا ہو جاتا ہے۔

(۱۷) تمہاری تقدیر میں جو لکھا جا چکا ہے اس پر کوئی شئے غالب نہیں آسکتی۔

قتل

(۱) جو بغاوت کی تلوار کھینچتا ہے وہ اسی سے قتل کر دیا جاتا ہے۔

(۲) آپ نے جنگ صفین میں فرمایا۔" اور تم لوگوں کا یہ کہنا کہ میں جنگ کرنے میں متذبذب ہوں تو خدا کی قسم میں جنگ میں ایک دن بھی تاخیر نہیں کرتا مگر مجھے یہ امید ہو کہ شاید ان میں سے کوئی گروہ مجھ سے ملحق ہو جائے، میرے ذریعے ہدایت پا جائے اور میرے نور کے سائے میں آجائے کیونکہ یہ صورت حال میرے لئے گمراہی کے عالم میں انھیں قتل کر دینے سے زیادہ پسندیدہ ہے بھلے وہ گمراہی ان کے گناہوں کا نتیجہ ہی کیوں نہ ہو۔

(۳) ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ اپنے باپ، بھائیوں اور چچاؤں کو قتل کرتے تھے تو یہ صرف ہمارے ایمان میں اضافہ کا باعث ہی ہوتا تھا اور ہم ان کو قتل کرنے کی وجہ سے حق کی وسیع شاہراہ پر، درد کی تلخیوں پر صبر کرتے تھے اور دشمن کے ساتھ جہاد میں سنجیدہ و کوشاں رہتے تھے۔

(۴) خدا کی قسم اگر تمام عرب میرے قتل کے لئے اکٹھا ہو جائیں تب بھی میں ان کو پیٹھ نہ دکھلاؤں گا۔

(۵) اے مالک! اپنے سلطان کو حرام خون بہا کر ہرگز قوی نہ کرنا کیونکہ یہ چیز تو اسے کمزور و بے عزت تو کرے گی ہی مگر اس کے ساتھ ہی یہ اس کے زوال اور معزولی کی وجہ بھی ہو جائے گی اور اس طرح کے قتل عمد کے لئے نہ اللہ کے اور نہ میرے سامنے اور نہ ہی تمہارے پاس کوئی عذر ہے کیونکہ قتل عمد میں قصاص ہے۔

قناعت

(۱) قناعت سے زیادہ بے نیاز کرنے والا کوئی خزانہ نہیں اور فاقہ کو دور کرنے والا کوئی مال خوارک سے راضی رہنے سے بڑھ کر نہیں۔ جو ضرورت بھر مقدار پر اکتفا کرلیتا ہے وہ اپنی راحتوں کو منظم کر کے آرام وآسائش میں رہتا ہے۔

(۲) قناعت کبھی نہ ختم ہونے والی دولت ہے۔

(۳) ہر وہ چیز جس پر اقتصار (واکتفا) کیا جائے (اقتصار کرنے والے کے لئے) کافی ہے۔ (۴) قانع مومن خوش قسمت ہے۔

(۵) صبر ایسی سواری ہے جو گراتی نہیں اور قناعت ایسی تلوار ہے جس کی دھار کبھی کند نہیں ہوتی۔

(۶) لالچ سے قناعت کے ذریعے انتقام لو جس طرح تم دشمن سے قصاص کے ذریعے انتقام لیتے ہو۔

(۷) آزاد جس کی لالچ کرے اس کا غلام ہوتا ہے اور غلام جس چیز سے قناعت کرے اس میں آزاد ہوتا ہے۔ (۸) قناعت کا ثمر، راحت ہے۔

(۹) عزت وتونگری گھومنے کے لئے نکلی تو ان کی ملاقات قناعت سے ہوگئی یہ دونوں اسے دیکھ کر رک گئیں۔

(۱۰) تقوے کی آفت قناعت کی کمی ہے۔

(۱۱) بہترین اور بابرکت قسمت، قناعت اور صحت جسم ہے۔

(۱۲) قناعت متقیوں کی علامت ہے۔